

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188875

UNIVERSAL
LIBRARY

ہواستعان

وقائع سیر و سیار و السیر بر شیر

بعہد شاہجہان و اورنگ زیب

جلد دوم

جسکو اول جناب کرنل ہنری مور صاحب بہادر سی بی (دو سی۔ ایس۔ آئی۔) ترجمان
ہنری ایکسلسی کمانڈر انچیف صاحب بہادر نے ترجمہ کیا اور پھر ان کی فرمائش
سے جناب مشیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب فاران
منظر ریاست پٹنالا نے از سر نو اردو میں ترجمہ فرما کر باخفاذ مفید حاشیوں
کے اور بعد نظر ثانی جناب وزیر الدولہ بدر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب
مہرجم سابق وزیر اعظم ریاست پٹنالا کے چھپوا کر شایع کرایا تھا

اب بار دوم

نصیب برائش جناب میر ولایت حسین صاحب آئری بی بی یک ڈپو ستر العلوم علیگڑھ

مطبع عظیم انور مین باہتمام محمد قادیلی خان صوفی چھاپ

مختصر فہرست کتب موجودہ دوکان الفرضیہ ستہ العلوم علیگڑھ

قیمت	نام کتاب
۱۲ روپے	حماثل شریف - مترجمہ ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی - کاغذ سفید تین جلدی محبکہ تقری ہیں
۸ روپے	ایضاً ایضاً ایضاً بلا جلد
۱۰ روپے	قرآن شریف ایضاً ایضاً محبکہ
۱۰ روپے	ایضاً ایضاً ایضاً بلا جلد
۱۰ روپے	قرآن شریف مترجم ہشت پہل معہ ترجمہ تفسیر حسینی اردو کاغذ سفید دلائی جلد
۱۰ روپے	ایضاً ایضاً ایضاً دیسی
۱۰ روپے	تفسیر القرآن جلد اول مصنفہ سر سید احمد رحمہ - اس جلد میں سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر ہے مطبوعہ سفید عام اگرہ محبکہ مٹلا
۱۲ روپے	ایضاً ایضاً ایضاً محبکہ سادہ
۱۰ روپے	تفسیر القرآن جلد دوم - اس جلد میں سورہ آل عمران - سورہ نساء اور سورہ مائدہ کی تفسیر ہے - مطبوعہ سفید عام اگرہ محبکہ مٹلا
۱۲ روپے	ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً محبکہ سادہ
۱۰ روپے	تفسیر القرآن جلد سوم اس جلد میں سورہ النعام اور سورہ اعراف کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید محبکہ مٹلا
۱۰ روپے	ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً کاغذ زرد جلد سادہ ..
۱۰ روپے	تفسیر القرآن جلد چہارم اس جلد میں سورہ انفال - سورہ توبہ - اور سورہ یونس کی تفسیر ہے - مطبوعہ ٹائپ کاغذ سفید محبکہ مٹلا ..

فہرست مضامین متعلق متن

صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
صراحی یا سٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا	صراحی یا سٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا	صراحی یا سٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا	صراحی یا سٹی کے برتنوں میں پانی ٹھنڈا
۸	۸	۸	۸
رکنوں کی ترکیب اور اسکی وجہ ..	رکنوں کی ترکیب اور اسکی وجہ ..	رکنوں کی ترکیب اور اسکی وجہ ..	رکنوں کی ترکیب اور اسکی وجہ ..
۹	۹	۹	۹
شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب	شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب	شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب	شورہ سے پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب
مصنف کا دوسرا خط	مصنف کا دوسرا خط	مصنف کا دوسرا خط	مصنف کا دوسرا خط
۱	۱	۱	۱
دہلی اور لاہور کرنا صلے اور شکار کیلئے کی	دہلی اور لاہور کرنا صلے اور شکار کیلئے کی	دہلی اور لاہور کرنا صلے اور شکار کیلئے کی	دہلی اور لاہور کرنا صلے اور شکار کیلئے کی
غرض سے دریا سے جہنا کر کنارہ کو نکال کر	غرض سے دریا سے جہنا کر کنارہ کو نکال کر	غرض سے دریا سے جہنا کر کنارہ کو نکال کر	غرض سے دریا سے جہنا کر کنارہ کو نکال کر
۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
اورنگ زیب کو آہستہ آہستہ کچھ کرینکا ذکر	اورنگ زیب کو آہستہ آہستہ کچھ کرینکا ذکر	اورنگ زیب کو آہستہ آہستہ کچھ کرینکا ذکر	اورنگ زیب کو آہستہ آہستہ کچھ کرینکا ذکر
۲	۲	۲	۲
بادشاہی پیش خیمہ کے ساز و سامان	بادشاہی پیش خیمہ کے ساز و سامان	بادشاہی پیش خیمہ کے ساز و سامان	بادشاہی پیش خیمہ کے ساز و سامان
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
اور بار برداری وغیرہ کا ذکر ..	اور بار برداری وغیرہ کا ذکر ..	اور بار برداری وغیرہ کا ذکر ..	اور بار برداری وغیرہ کا ذکر ..
۳	۳	۳	۳
خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے	خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے	خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے	خیام شاہی کے لئے جس احتیاط سے
اور حین سفد جگہ تجویز کیا جاتی ہے اور جس قسم	اور حین سفد جگہ تجویز کیا جاتی ہے اور جس قسم	اور حین سفد جگہ تجویز کیا جاتی ہے اور جس قسم	اور حین سفد جگہ تجویز کیا جاتی ہے اور جس قسم
سے شاہی ڈیوٹی اور خیمہ عام و خاص اور	سے شاہی ڈیوٹی اور خیمہ عام و خاص اور	سے شاہی ڈیوٹی اور خیمہ عام و خاص اور	سے شاہی ڈیوٹی اور خیمہ عام و خاص اور
خلوت خانہ وغیرہ لگائے جاتے ہیں اسکا ذکر	خلوت خانہ وغیرہ لگائے جاتے ہیں اسکا ذکر	خلوت خانہ وغیرہ لگائے جاتے ہیں اسکا ذکر	خلوت خانہ وغیرہ لگائے جاتے ہیں اسکا ذکر
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے	خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے	خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے	خیمہ معروف عام و خاص اور بادشاہ کے
دو دنوں وقت دربار کرنے کا ذکر ..	دو دنوں وقت دربار کرنے کا ذکر ..	دو دنوں وقت دربار کرنے کا ذکر ..	دو دنوں وقت دربار کرنے کا ذکر ..
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر ..	خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر ..	خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر ..	خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر ..
۵	۵	۵	۵
شام کے دربار کیلئے مشعلوں کے ساتھ	شام کے دربار کیلئے مشعلوں کے ساتھ	شام کے دربار کیلئے مشعلوں کے ساتھ	شام کے دربار کیلئے مشعلوں کے ساتھ
۶	۶	۶	۶
امرا کو آجائیکا ذکر اور شعل بنانی کی ترکیب	امرا کو آجائیکا ذکر اور شعل بنانی کی ترکیب	امرا کو آجائیکا ذکر اور شعل بنانی کی ترکیب	امرا کو آجائیکا ذکر اور شعل بنانی کی ترکیب
۵	۵	۵	۵
خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر ..	خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر ..	خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر ..	خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر ..
۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
بادشاہ کے خاص انخاص خیموں کا ذکر ..	بادشاہ کے خاص انخاص خیموں کا ذکر ..	بادشاہ کے خاص انخاص خیموں کا ذکر ..	بادشاہ کے خاص انخاص خیموں کا ذکر ..
۸	۸	۸	۸
بلیکات اور محل سر کی متعلقہ سوراخات کی شکل و ذکر	بلیکات اور محل سر کی متعلقہ سوراخات کی شکل و ذکر	بلیکات اور محل سر کی متعلقہ سوراخات کی شکل و ذکر	بلیکات اور محل سر کی متعلقہ سوراخات کی شکل و ذکر
۹	۹	۹	۹
خیمہ معروف عام و خاص کی انچائی اور	خیمہ معروف عام و خاص کی انچائی اور	خیمہ معروف عام و خاص کی انچائی اور	خیمہ معروف عام و خاص کی انچائی اور
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
۱	۱	۱	۱
اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پا کر بغرض	اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پا کر بغرض	اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پا کر بغرض	اورنگ زیب کا بیماری سے شفا پا کر بغرض
تبدیل آب دہوا کشمیر کو جانا	تبدیل آب دہوا کشمیر کو جانا	تبدیل آب دہوا کشمیر کو جانا	تبدیل آب دہوا کشمیر کو جانا
۲	۲	۲	۲
اورنگ زیب کو سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث	اورنگ زیب کو سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث	اورنگ زیب کو سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث	اورنگ زیب کو سفر کشمیر کا زیادہ تر باعث
روشن آرا یکم کی تحریک تھی ..	روشن آرا یکم کی تحریک تھی ..	روشن آرا یکم کی تحریک تھی ..	روشن آرا یکم کی تحریک تھی ..
۳	۳	۳	۳
اورنگ زیب کا چٹا دیو پر چڑھ کر کوہ مہوت	اورنگ زیب کا چٹا دیو پر چڑھ کر کوہ مہوت	اورنگ زیب کا چٹا دیو پر چڑھ کر کوہ مہوت	اورنگ زیب کا چٹا دیو پر چڑھ کر کوہ مہوت
کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا	کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا	کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا	کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا
۴	۴	۴	۴
اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج	اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج	اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج	اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں جو فوج
ساتھ تھی اسکی تعداد ..	ساتھ تھی اسکی تعداد ..	ساتھ تھی اسکی تعداد ..	ساتھ تھی اسکی تعداد ..
۵	۵	۵	۵
ہم کاب تو بچانہ اور اسکی وجہ تسمیہ	ہم کاب تو بچانہ اور اسکی وجہ تسمیہ	ہم کاب تو بچانہ اور اسکی وجہ تسمیہ	ہم کاب تو بچانہ اور اسکی وجہ تسمیہ
۶	۶	۶	۶
بھاری تو بچانہ ..	بھاری تو بچانہ ..	بھاری تو بچانہ ..	بھاری تو بچانہ ..
۷	۷	۷	۷
ہم کاب تو بچانہ کا بیان ..	ہم کاب تو بچانہ کا بیان ..	ہم کاب تو بچانہ کا بیان ..	ہم کاب تو بچانہ کا بیان ..
۸	۸	۸	۸
فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا پریش کرنا	فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا پریش کرنا	فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا پریش کرنا	فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا پریش کرنا
۹	۹	۹	۹
کشمیر کی جگہ پر قہر باد کی مہم جاتی ہیں	کشمیر کی جگہ پر قہر باد کی مہم جاتی ہیں	کشمیر کی جگہ پر قہر باد کی مہم جاتی ہیں	کشمیر کی جگہ پر قہر باد کی مہم جاتی ہیں
نواب و شہنشاہان کے علمی شوق کا ایک	نواب و شہنشاہان کے علمی شوق کا ایک	نواب و شہنشاہان کے علمی شوق کا ایک	نواب و شہنشاہان کے علمی شوق کا ایک
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰
منہی ذکر ..	منہی ذکر ..	منہی ذکر ..	منہی ذکر ..
مصنف کی تنخواہ اور ان چیزوں کا بیان جو سفر	مصنف کی تنخواہ اور ان چیزوں کا بیان جو سفر	مصنف کی تنخواہ اور ان چیزوں کا بیان جو سفر	مصنف کی تنخواہ اور ان چیزوں کا بیان جو سفر
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
کشمیر میں اسنے ضروری ہتھیار ساتھ لے	کشمیر میں اسنے ضروری ہتھیار ساتھ لے	کشمیر میں اسنے ضروری ہتھیار ساتھ لے	کشمیر میں اسنے ضروری ہتھیار ساتھ لے
۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی	شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی	شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی	شہر دہلی کی بازاری روٹی اور پانی کی خرابی
۱۳	۱۳	۱۳	۱۳
اُس نے بارہ روئے کی بیماری کو پیدا ہونیکا ذکر	اُس نے بارہ روئے کی بیماری کو پیدا ہونیکا ذکر	اُس نے بارہ روئے کی بیماری کو پیدا ہونیکا ذکر	اُس نے بارہ روئے کی بیماری کو پیدا ہونیکا ذکر
۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
دربار دہلی کے امرا کا معمولی بانی کی	دربار دہلی کے امرا کا معمولی بانی کی	دربار دہلی کے امرا کا معمولی بانی کی	دربار دہلی کے امرا کا معمولی بانی کی
۱۵	۱۵	۱۵	۱۵
بلکہ شکار استعمال کرنا ..	بلکہ شکار استعمال کرنا ..	بلکہ شکار استعمال کرنا ..	بلکہ شکار استعمال کرنا ..

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	لکھنات وغیرہ کا بیان ..	۱۶	۲۲	شکر کے مختص موضع جہنوں اور نشانوں	
۱۱	خسہ گاہ کا بیان ..	۱۷	۲۳	کے رہتا ہونے کا ذکر ..	
۱۲	شاہی دیوڑھی کے دونوں طرف سے سجائے		۲۵	منزل پر پہنچنے کو وقت فرو گاہ کر کے پاس	
	کوئل گھوڑوں کے کھڑے رہنے اور			اور اس تک پہنچنے میں جو کبھی کبھی دقت	
	بھر کا بندوق بجانہ کی تو بون کا ذکر ..	۱۸		پیش آتی ہے اس کا ذکر ..	
۱۳	خیمہ معرفت نقار خانہ کا ذکر ..		۲۶	شام کو وقت دھوس کی کثرت سے اور اور	
۱۴	امرا کے جو کی دیتے کا ذکر ..		۲۷	جانے میں جو دقت پیش آتی ہے اس کا ذکر ..	
۱۵	مختلف کارخانوں کے خیموں کا ذکر ..			اکاس دیا اور اس کے ذرائع کا ذکر ..	
۱۶	خیام شاہی کے مہم میں وہ بھی وہی دجل میں		۲۸	بادشاہی لشکر میں جوہی کے اسناد کا جو	
	جو مختلف کارخانوں وغیرہ سے تعلق ہیں	۲۰		انتظام ہے اس کا ذکر ..	۲۷
۱۷	خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب		۲۹	بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان	
	پر شکوہ منظر کا بیان ..		۳۰	تحت روان کا ذکر ..	
۱۸	شکر کے بازاروں اور ان کی شناخت کے		۳۱	ہاتھی کے میگ ڈویر اور ہودے کا بیان	۲۸
	ذریعوں کا ذکر ..	۲۱	۳۲	کچ کے دقت امر اور راجے بادشاہ کو ساتھ	
۱۹	امرا کے خیمہ گاہوں اور ان کو تینوں وغیرہ			جس طرح سے چلتے ہیں اس کا بیان ..	
	کا ذکر ..		۳۳	امرا بادشاہ سے علیحدگی جس لطف سے	
۲۰	امرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیموں کے			منزل طے کرتے ہیں اس کا بیان ..	
	رکھتے اور خیام شاہی کی طرف پشت کر کے		۳۴	سواری کے دقت جوگزیر اور امرا اور بادشاہ	
	اپنے خیمے لگوانے کی مانگت کا ذکر ..	۲۲		کی سواری کے ساتھ رہتے ہیں ان کا ذکر	۲۹
۲۱	جھوٹے درجہ کے امرا اور اڈر اہل لشکر کے			راجاؤں کی سواری کے بعد تو جس طریقہ	
	خیموں وغیرہ کے قریب کا ذکر ..	۲۳		سے جلتا ہے اس کا بیان ..	
۲۲	کل لشکر کے لئے جس قدر زمین درکار ہوتی		۳۴	تو قریب کے بعد منصبداروں کا جو غول آہے	
	ہے اس کا بیان ..			اس کا بیان ..	۳۰
۲۳	بادشاہی لشکر کے عجیب انتشار اور شور و غل		۳۷	ہیکٹ کی سواری کی چیزوں اور ان کی زیب	
	کا ذکر ..	۲۷		زمین کا بیان ..	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸	موشن آرا بیگم کی سواری کے جلوے	۳۲	۱	مصنف کا چوتھا خط	
۳۹	کاؤکر - - - -	۳۲	۱	راست کی گرمی اور اس کے سبب کا بیان	۴۹
۴۰	بڑی بیگم اور اونگیوں کی سواریوں	۳۲		مصنف کا پانچواں خط	
۴۱	کاؤکر - - - -	۳۲	۱	دریائے چناب اور اس کے پانی کی عمدگی	۵۰
۴۲	بیگمات کی سواریوں کی شان و شوکت اور	۳۳	۲	کاؤکر - - - -	۵۰
۴۳	وچسپی کاؤکر - - - -	۳۳	۲	جس پریشانی اور وقت سے اس دریا	۵۰
۴۴	جوخت اشقام بیگم کی سواری کزنزیک	۳۳		کا عبور کیا اسکاؤکر - - - -	۵۰
۴۵	نہ جانیکے باب میں ہوا اسکا اور ایک اینچ	۳۳		چھٹا خط	
۴۶	گزرے ہوئے معاملہ کاؤکر - - - -	۳۳	۱	گرمی کی شدت کے بارے جو حالت	۵۱
۴۷	بادشاہ کے شکار کیلئے کے طریقہ کاؤکر	۳۳		بقی اسکاؤکر - - - -	۵۱
۴۸	چھتے وغیرہ کے شکار کاؤکر - - - -	۳۳		ساتواں خط	
۴۹	پنجاب کے دریاؤں اور کشتیوں کے پلوں	۳۳	۱	گرمی کی شدت کے بارے اپنی زلیست	۵۲
۵۰	کاؤکر - - - -	۳۳		سے ناامید ہو جانا - - - -	۵۲
۵۱	بادشاہی لشکر کی تعداد اور رسد کے ہم	۳۳		آٹھواں خط	
۵۲	پہنچانے کے طریقہ کاؤکر - - - -	۳۳	۱	بہر کسی جگہ سے اور وہاں سے کشمیر	۵۳
۵۳	بادشاہ کے خیمہ گاہ میں داخل ہونے	۳۳		کی جانب بادشاہ اور امرا کے نوبت	۵۳
۵۴	متعلق بعض خاص طور کی سبوں کاؤکر	۳۳	۲	نوبت کیج کرتے کاؤکر - - - -	۵۳
	مصنف کا تیسرا خط			بادشاہ کے واپس تشریف لانے تک	
۱	پنجاب کے دریاؤں اور شہر لاہور کا	۴۵		بہت سے امرا کا حفاظت کیلئے ہمیں	
۲	بیان - - - -	۴۵		چوڑے جانیکاؤکر مع تذکرہ بعض اور	
۳	لاہور کے قریب جو راوی دریا ہے اسکا	۴۵		انتظاموں کے - - - -	۵۴
۴	لاہور کی عمارات کاؤکر - - - -	۴۵	۳	اور رنگ زیبک سفر کشمیر میں جو قلعہ دکا	۵۴
۵	لاہور سے کشمیر کی جانب کو چ	۴۵		تھے اُنکی تعداد اور اُچرت وغیرہ کاؤکر	۵۴
۶	کاؤکر - - - -	۴۵		نواں خط	
			۱	قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک جیل ہونے	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۶۵	شالامارباغ کا بیان - - -	۵۷	روایت کی نسبت مصنف کی رائے -
۶۷	کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے -	۵۸	۲ ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان
۶۸	ایک مشاعرہ کا ذکر و کشمیر کی تعریف	۶۳	۳ کشمیر کے موقع اور حدود اور پہاڑوں کے سرسبز اور عمدہ چراگاہوں سے
۶۹	میں ہوا تھا - - -	۷۰	لالاں ہونے اور سب قسم کے مویشی اور سب طرح کے فکار اور رشد کی ممالوں کی افزائش اور ہر قسم کے مویشی جانوروں کے کیا ہونے کا ذکر - - -
۷۰	کشمیر ہوں - کے ذہن و ذکا اور بہر و فن کا ذکر - - -	۷۱	۴ کشمیر کے چشموں اور دریا کا بیان
۷۱	کشمیر سی شال کا ذکر - - -	۷۲	۵ کشمیر کی سرسبزی اور کھیتوں اور ترکاریوں اور میوؤں کا بیان - - -
۷۲	اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان -	۷۳	۶ کشمیر کے میوؤں کے فرنگستان کے میوؤں سے خوبی میں کم ہونے کی وجہ -
۷۳	مصنف کا لاہور اور کشمیر میں ایک کمر سے حسین سموات کو دیکھنا - -	۷۴	۷ شہر کشمیر اور اسکی چیل یعنی ڈل کا بیان
۷۴	پہر ایک اور دیکھنا کرنا - -	۷۵	۸ عمارات کے لئے اہل کشمیر کے لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب -
۷۵	بہرے کشمیر تک کو ہستانی راستے اور عجائبات قدرت کا بیان - -	۷۶	۹ دریا کے کنارے کے مکانات اور باغچوں کا ذکر - - -
۷۶	ایک عیب آتش زبں کے تریب بھائیگ کی مٹائی ہوئی ایک عالی شان عمارت سے -	۷۷	۱۰ تفریحی کشمیتوں! ہری پریت اور اسکے مکانات اور باغوں وغیرہ کی خوبصورتی کا ذکر - - -
۷۷	پہر پہاڑ کی چوٹی میں بگیات کی سوئی کے امتیوں کا گہنا اور کئی غوروں کی جان کا نصف ہونا - -	۷۸	۱۱ پہاڑ معروف تخت تیلیماں کا ذکر توں کر نہایت سرسبز پہاڑوں اور ڈل سے پرلی طرف جو پہاڑ ہیں انکے منظر کی خوشنودی اور خوبی آب و ہوا کا بیان - - -
۷۸	ایک چوہا بڑے کی عجیب حکایت	۷۹	
۷۹	پہر خیال پر مصنف کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا - - -	۸۰	
۸۰	(۱) گرمی و سردی کی دو متضاد کیفیتیں	۸۱	
۸۱	(۲) صرف دو سو قدم کے فاصلہ میں دو مختلف سمتوں سے ہوا کا چلنا -	۸۲	
۸۲	(۳) ایک عمر سیدہ درویش کا یہ بتنا	۸۳	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	کشمیر کے بعض چشموں وغیرہ کا کچھ	۸۰	۲۹	چشمہ سوندہ ہلاری کی وجہ تسمیہ اور اسکے جاری و بند ہونے کی عجیب انگیز اوقات اور اس کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال	۸۱
۳۰	انچھل نام ایک چشمہ چشمے اور وہاں کے باغ کا ذکر	۸۲	۳۱	ایک اور بادشاہی باغ اور وہاں کی ایک حوض کی چھیلیوں کا ذکر	۸۵
۳۲	بارہ مولائیں ایک پیر کے مقبرہ پر جاریہ کے شفا پانے کی غلط شہرت اور ایک ایسے ہی اور بیودہ اعتقاد کا ذکر	۸۶	۳۳	ایک جہل کے اندر ایک فقیر کے مکان کی نسبت لوگوں کے بیودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ لڑکت سے پانی پیتا ہے	۸۹
۳۴	ایک چشمہ کا ذکر جو مے لے کر آتا ہے اور اس کے منہ سے پانی نکلنے کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال	۹۰	۳۵	ایک جہل کا ذکر جہیں برف کے بڑے بڑے ٹکڑے بڑے رہتے ہیں	۹۱
۳۶	مقام معروف سنگ سفید کے قدی پھولوں کی بہار اور اس روایت کا ذکر	۹۵			
۳۷	کشمیر کے قریب وچار کے پہاڑی ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اور باشندوں کے مذہب اور سادہ لوحی کا بیان	۹۲			
۳۸	چھوٹی تبت کے فرمانروا کے پیشکش ایک کشمیر میں حاضر ہونے اور اس کی زبانی ملک تبت کے جو حالات معلوم ہوئے ان کا ذکر	۹۳			
۳۹	بڑی تبت کے سیفر کے اونگ زیب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اور جو تحائف وہ لایا تھا ان کا اور اس کی ذیل حیثیت کا ذکر	۹۶			
۴۰	سفر تبت کا اپنے آقا کی طرف سے ادھر اخرج اور تعمیر مسجد کے عہد و بیان کرنا	۹۷			
۴۱	سفر تبت کے ایک ہمراہی طبیب کے مصنف کی ملاقات اور لانا گرو اور مسئلہ تباہی کا ذکر	۹۹			
۴۲	کشمیر سے تبت ہو کر چین کے راستوں اور اشیاء تجارت وغیرہ کا بیان	۱۰۱			
۴۳	ملک کا شعر کا بیان	۱۰۳			
۴۴	کا شعر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان	۱۰۴			
۴۵	ان اطلاعات کے نامکمل ہونے کی بابت مصنف کا عذر	۱۰۴			

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مسٹر تھیو سی نٹ صاحب کے پانچ سوال اور ان کے جواب			بیان - - - - -	۱۱۹
۱	پہلا سوال یہودیوں کے کشمیر میں ہونے کی		۱۳	بنگالہ کی کساندہ اور اس کے نکاس کا ذکر	۱۲۰
۲	بابت - - - - -	۱۰۵	۱۴	بنگالہ میں جو مرہ بنائے جاتے ہیں	
۳	دوسرا سوال ہندوستان کے موسم			ان کا اور مصر کی نسبت بنگالہ میں گہریوں	
۴	برسات کی بابت - - - - -	۱۰۶		کم پیدا ہونے کا اور تھلاری اناج اور	
۵	تیسرا سوال مشرقی سمندر میں کی موسمی	۱۰۵		کھائے جانے والوں کے کثرت سے	
۶	ہوا اور بانی کے بہاؤ کے باب میں -		۱۲۰	ہونے کا ذکر - - - - -	
۷	چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور		۱۵	ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ کے	
۸	دولتمندی اور خوشحالی کے باب میں -			بنگالہ میں آہستہ کا ذکر - - - - -	
۹	پانچواں سوال دریائے نیل کی طغیانی		۱۶	بنگالہ میں روسی ریشم اور سوئی اور ریشمی	
۱۰	کی بابت - - - - -		۱۷	کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر	۱۲۱
۱۱	جواب تھیو سی نٹ صاحب کے پہلے		۱۸	مصنف کا ایران اور شام کے ریشم	
۱۲	سوال کا جواب - - - - -			کو بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا -	۱۲۲
۱۳	جواب تھیو سی نٹ صاحب کے		۱۹	بنگالہ میں ریشم کے کارخانوں اور شورہ	
۱۴	دوسرے سوال کا - - - - -	۱۱۰		کا ذکر - - - - -	
۱۵	جواب تھیو سی نٹ صاحب کے تیسرے		۲۰	بنگالہ کے گوندہ ایفوں - موسم وغیرہ	
۱۶	سوال کا - - - - -	۱۱۲		دواؤں اور گہی کا ذکر - - - - -	
۱۷	شمال اور جنوبی ہواؤں کے پیدا ہونے			اہل یورپ کو بنگالہ کی آب و ہوا کے	
۱۸	اسباب کا بیان - - - - -	۱۱۶		سوائف منہ آنے اور اس سے بچنے	
۱۹	جواب تھیو سی نٹ صاحب کے چوتھے		۲۱	کی تدبیروں کا ذکر - - - - -	۱۲۳
۲۰	سوال کا - - - - -	۱۱۸		بنگالہ میں باج مل سے لیکر لنگا کے	
۲۱	مصنف کا بنگالہ کو مصر پر ترجیح دینا			کنارے سمندر تک جو ملک ہے	
۲۲	بنگالہ کے چاول اور اس کے نکاس کا			اسکی خوشحالی اور ریشم کے کپڑوں	
				کی غذا کے لئے قوت کے درختوں	
				کی کثرت - - - - -	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲	لگا لگا کے بیٹا راپوڑوں اور انکی خوبصورتی	۱۲۲	۱۲۱	میں ہونا چاہئے۔۔۔۔۔	۱۲۱
۲۳	وغیرہ کا ذکر۔۔۔۔۔	۱۲۳	۱۲۲	اتوپیا کی بارش کی نسبت ان سفیروں کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اُسکے تعلق کا ذکر۔۔۔۔۔	۱۲۲
۲۴	جزیروں کا ذکر۔۔۔۔۔	۱۲۴	۱۲۳	نیل کی طغیانی کے متعلق عوام مصر کے بعض تخیلات اور ادم کا ذکر اور ان کا ابطال۔۔۔۔۔	۱۲۳
۲۵	پہیلی سے ہو گئی تک مصنف کا دریاں سفر کرنا۔۔۔۔۔	۱۲۵	۱۲۴	طغیانی کے متخیلہ دن اور شبنم کے چڑھنے میں کچھ تعلق نہیں۔۔۔۔۔	۱۲۴
۲۶	کارپ اور ڈالین چھلیوں کا ذکر۔۔۔۔۔	۱۲۶	۱۲۵	شبنم کے گرنے اور وبائے طاعون میں جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اسکا ابطال۔۔۔۔۔	۱۲۵
۲۷	مصنف کا ایک رات کو غری قوس قزح دیکھنا۔۔۔۔۔	۱۲۷	۱۲۶	خود مصنف کے مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا ذکر۔۔۔۔۔	۱۲۶
۲۸	مصنف کا اپنے اس سفر میں رات کو عجیب و غریب روشنیوں کا دیکھنا۔۔۔۔۔	۱۲۸	۱۲۷	شبنم کے شروع ہونے کے بعد طاعون میں کمی ہونے کا طبی سبب۔۔۔۔۔	۱۲۷
۲۹	پانچویں رات کا سخت طوفان اور بارش میں بسر ہونا۔۔۔۔۔	۱۲۹	۱۲۸	طاعون معروف درے کے قول کے موافق یہی بارش ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے۔۔۔۔۔	۱۲۸
۳۰	جواب تیسویں خط صاحب کے پانچویں سوال کا۔۔۔۔۔	۱۳۰	۱۲۹	سینار کے عجیبوں کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔۔۔۔۔	۱۲۹
۳۱	مصنف کا دہلی میں شاہ اتوپیا کے سفیروں سے دریاے نیل کے حالات دریافت کرنا۔۔۔۔۔	۱۳۱	۱۳۰	ہندوستان کے ویرا لنگا وغیرہ بھی بارش ہی سے طغیانی پر آتے ہیں۔۔۔۔۔	۱۳۰
۳۲	دریاے نیل کے منبع کی بابت اتوپیا کے سفیروں کا بیان۔۔۔۔۔	۱۳۲	۱۳۱	دریاے نیل اور لنگا اور مصر اور لنگا میں جو شبہ ہے اسکا ذکر۔۔۔۔۔	۱۳۱
۳۳	دریاے نیل اپنے منبع سے جدا ہو کر جس شکل سے اور جس جس ملک میں بہہ کر مصر میں پہنچتا ہے اسکا بیان۔۔۔۔۔	۱۳۳	۱۳۲		
	اتوپیا کے سفیروں کے قول کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال				

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۴	ملک سندھ اور مصر کی شباهت کا ذکر	۱۵۰	۱	سورج گہن کے ایک موقع پر فرائض میں لوگوں کے توہمات کا بیان	۱۵۱
مصنف کا خط بنام مسٹر حیدر علی منٹھارا			۲	دکنی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر	۱۵۳
شیراز			۳	سورج گہن کے اٹھان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ	۱۵۵
۱	سورج گہن کے ایک موقع پر فرائض میں لوگوں کے توہمات کا بیان	۱۵۱	۴	سلاطین مغلیہ کا بڑاؤ	۱۵۵
۲	دکنی میں ایک سورج گہن کے دیکھنے کا ذکر	۱۵۳	۵	گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پرن کرکشی وجہ	۱۵۶
۳	سورج گہن کے اٹھان وغیرہ رسوم کے باب میں ہندوؤں کے ساتھ	۱۵۵	جگن ناتھ کی رتہ جاترا کا بیان		
۴	سلاطین مغلیہ کا بڑاؤ	۱۵۵	۱	رتہ جاترا کے موقع پر جاتری نہا	۱۵۶
۵	گہن کے موقع پر پوجا پاٹھ اور پرن کرکشی وجہ	۱۵۶	۲	کثرت سے جمع ہوتے ہیں	۱۵۷
			۳	جگن ناتھ کے رتہ اور صورت کا بیان	۱۵۸
			۴	مورت کے دشمن کی بقت لوگ کثرت از رو حام کے کچل جاتے ہیں	۱۵۹
			۵	جگن ناتھ کے رتہ کے پیچھے کچل کر مرجان بڑا مقام سمجھا جاتا ہے	۱۶۰
			۶	ایک کنواری لڑکی جگن ناتھ کی دولہن بنائی جاتی ہے	۱۶۱
			۷	کبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سانچہ ناجستی ہوئی بہت جیانی کی حرکتیں	۱۶۲
۱	ستی کی رسم اور اسکے باب میں حکام	۱۶۹	۱	ستی کی رسم اور اسکے باب میں حکام	۱۶۹
۲	مغلیہ کی پالیسی	۱۶۹	۲	ایک عورت کا ذکر جس کو مصنف نے سمجھا بوجھا کرتی ہونے سے روکا	۱۶۲
۳	ایک عورت کا ذکر جس کو مصنف نے سمجھا بوجھا کرتی ہونے سے روکا	۱۶۲	۳	مصنف کا ایک بی بی اور انکی پانچ لونڈیوں کو اکٹھے ستی ہوتے دکھانا	۱۶۵
۴	ستی بڑا محبت کے سبب نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم اور یقین کا نتیجہ ہے	۱۶۹	۴	ستی بڑا محبت کے سبب نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم اور یقین کا نتیجہ ہے	۱۶۹
۵	پرکاری کی وجہ سے ایک عورت کا		۵	پرکاری کی وجہ سے ایک عورت کا	
	اول اپنے خاوند کو ہاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے ستی ہونا	۱۸۰	۶	مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوا دکھانا	۱۸۱
	مصنف کا شہر سورت میں ایک عورت کو عجیب استقلال سے ستی ہوا دکھانا	۱۸۱	۷	ستی کے چند واقعات کا بیان جن میں عورتوں کو جبر اچھایا گیا	۱۸۲
	ستی کے چند واقعات کا بیان جن میں عورتوں کو جبر اچھایا گیا	۱۸۲	۸	جو عورتیں چٹائیں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندوؤں میں شامل نہیں ہو سکتیں	۱۸۳
	جو عورتیں چٹائیں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ پھر ہندوؤں میں شامل نہیں ہو سکتیں	۱۸۳	۹	اور خا کر دہوں کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرتی ہیں	۱۸۴
	اور خا کر دہوں کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرتی ہیں	۱۸۴		جو عورت ستی مہنا چاہے مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر تکیہ پناہ دیتے ہیں	۱۸۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰	مصنف کا ایک کم سن لڑکی کو زبردستی جلائے جاتے دیکھنا - - -	۱۸۴	۸	محبت کا بیان اور اس کی نسبت مصنف کی رائے - - -	۱۹۶
۱۱	زندہ جلا دینے کے عوض کبھی زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں - - -	۱۸۶	۹	جوگیوں کے تصور اور وہ بیان چانگ طریقہ کا بیان - - -	۱۹۸
۱	ہندو اپنے فرزندوں سے کیا سلوک کرتے ہیں دل و دیکر لاش کو دریائیں بہا دیتے	۱۸۶	۱۰	جوگیوں کے درویش صورت دکائی دینے کی وجہ - - -	۱۹۹
۲	کی رسم - - - قریب الگ تیار کرتے ہیں اور پانی پونچھ کی رسم کا ذکر - - -	۱۸۸	۱۱	ہندو فقیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے رہسوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ - -	۲۰۰
۱	ہندو فقیروں کا حال گرو یا مہنت کا بنیاد ضروری ہے -	۱۸۵	۱۲	مہوس اور شعبہ ہمازا اور ضمیر بتلانے واسلے رہتے جوگیوں کا ذکر -	۲۰۱
۲	ہندو فقیہ خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں	۱۹۰	۱۳	جین مت کے سادہ ہوؤں اور لڑکی ناپارسانی اور اس غلط فہمی کا ذکر کر اپنے فرقوں کے لئے سہجی بمنزلہ پاوریوں کہیں - - -	۲۰۳
۳	ناتک فقیروں اور ان کی نسبت لوگوں کی خوش اعتقاد وہی کا ذکر -	۱۹۰		ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون	
۴	مشہور و معروف تہذیب کا ذکر -	۱۹۱	۱	ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون	
۵	ہندو فقیروں کی عبادت اور ریاضت کے بعض سخت اور غیر طبعی طریقوں کا ذکر اور ان کی نسبت مصنف کے ابتدائی خیالات - - -	۱۹۲	۲	ہندوؤں کے چار بید اور ان کے نام	۲۰۵
۶	ہندو فقیروں کا سمجھنا یا ختم کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے جنم میں اس کا نہایت عمدہ ثمر ملے گا - - -	۱۹۶	۳	ہندوؤں کے چار برہمنوں اور ان کو باجم شادی کے منع ہونے کا ذکر -	۲۰۸
۷	بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بود و باش اور مراقبہ اور حالت		۴	مناخ ارواح اور حیو ہتیا یعنی قتل حیوانات کی مخالفت اور کاسے پیل کے ادب کا بیان - اور ان کی نسبت مصنف کی رائے - - -	۲۰۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵	کاؤکشی کی ممانعت کے باب میں چٹانگیر	۱۵	۲۱۰	کے ایک حکم کا ذکر - - -	۲۱۰
۶	ترکال سندھیا اور روزمرہ کے اشنان	۱۶	۲۱۱	فرض ہونے کی وجہ - - -	۲۱۱
۷	کے فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال کے موافق اشنان کے	۱۷	۲۱۲	برہما - بشن - میتیش کی پیدائش اور	۲۱۲
۸	بید میں تثلیث کے مسئلہ کے موجود	۱۸	۲۱۳	صفت کا بیان - - -	۲۱۳
۹	ہونیکا لگان - - -	۱۹	۲۱۴	برہما - بشن - میتیش کی جو حقیقت پندتوں	۲۱۴
۱۰	نے بیان کی اس کے ختم سے مصنف کے قاصر رہنے کا ذکر -	۲۰	۲۱۵	برہما - بشن - میتیش اور ان کے اوتاروں	۲۱۵
۱۱	کی بابت فادر رو نام ایک شسری	۲۱	۲۱۶	میتیش اگرہ کا بیان - - -	۲۱۶
۱۲	میتیش کے ایک رسالے اور فادر	۲۲	۲۱۷	کر کر کی ایک کتاب کا ذکر - -	۲۱۷
۱۳	لفظ اوتار اور دیوتا سے ہندوؤں	۲۳	۲۱۸	کی کیا مراد ہے - - -	۲۱۸
۱۴	ہندوؤں کے نزدیک بعض بباد	۲۴	۲۱۹	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۱۹
۱۵	اور سورماہی دیوتا ہونے لگے ہیں -	۲۵	۲۲۰	انسانی پرہم آتما یعنی ذات اسی کا ایک	۲۲۰
۱۶	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۶	۲۲۱	جزو ہے - - -	۲۲۱
۱۷	انسانی پرہم آتما یعنی ذات اسی کا ایک	۲۷	۲۲۲	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۲
۱۸	جزو ہے - - -	۲۸	۲۲۳	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۳
۱۹	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۹	۲۲۴	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۴
۲۰	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۰	۲۲۵	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۵
۲۱	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۱	۲۲۶	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۶
۲۲	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۲	۲۲۷	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۷
۲۳	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۳	۲۲۸	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۸
۲۴	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۴	۲۲۹	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۲۹
۲۵	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۵	۲۳۰	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۰
۲۶	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۶	۲۳۱	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۱
۲۷	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۷	۲۳۲	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۲
۲۸	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۸	۲۳۳	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۳
۲۹	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۳۹	۲۳۴	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۴
۳۰	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۰	۲۳۵	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۵
۳۱	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۱	۲۳۶	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۶
۳۲	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۲	۲۳۷	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۷
۳۳	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۳	۲۳۸	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۸
۳۴	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۴	۲۳۹	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۳۹
۳۵	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۵	۲۴۰	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۴۰
۳۶	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۶	۲۴۱	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۴۱
۳۷	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۷	۲۴۲	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۴۲
۳۸	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۸	۲۴۳	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۴۳
۳۹	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۴۹	۲۴۴	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۴۴
۴۰	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۵۰	۲۴۵	ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی روح	۲۴۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	بعضے مآدہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵	۲۸	بعضے مآدہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵
۲۹	بعضے عناصر اور اجزاء اور اکاش کو موجود کی اصل جانتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵	۲۹	بعضے عناصر اور اجزاء اور اکاش کو موجود کی اصل جانتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۰	لفظ اکاش کا لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۰	لفظ اکاش کا لفظ پرائی ویشن کے قریب المعنی ہونا۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۱	بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اول ہے۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۱	بعض کے نزدیک نور و ظلمت اصل اول ہے۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۲	بعض کے نزدیک ایک یا چند پرائی ویشن ہی اصل اصول ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۲	بعض کے نزدیک ایک یا چند پرائی ویشن ہی اصل اصول ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۳	بعض سمندرہ ہی کو اصل سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۳	بعض سمندرہ ہی کو اصل سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۴	ہندوؤں کے نزدیک اصول و سبب و اثر و اثری واجب ہی ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۴	ہندوؤں کے نزدیک اصول و سبب و اثر و اثری واجب ہی ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۵	ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۵	ہندوؤں کی طب کی کتابوں کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۶	ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونے کا ذکر اور اسکی مثالیں اور اس کی نسبت مصنف کی رائے۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۶	ہندوؤں کے طریق معالجہ کے اہل یورپ سے مختلف ہونے کا ذکر اور اسکی مثالیں اور اس کی نسبت مصنف کی رائے۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۷	ہندوستان کے مسلمان طبیب ہی بعض معالجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵	۳۷	ہندوستان کے مسلمان طبیب ہی بعض معالجات ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۲۵
۳۸	مسلمان طبیب قصہ زیادہ لیتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۳۰	۳۸	مسلمان طبیب قصہ زیادہ لیتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۳۰
۳۹	فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت۔۔۔۔۔	۲۳۱	۳۹	فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت۔۔۔۔۔	۲۳۱
۴۰	ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۳۲	۴۰	ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۳۲
۴۱	چاند گن کے سبب کی نسبت ہندو۔۔۔۔۔	۲۳۲	۴۱	چاند گن کے سبب کی نسبت ہندو۔۔۔۔۔	۲۳۲
۲۳۲	کا عقیدہ۔۔۔۔۔	۲۳۲	۲۳۲	کا عقیدہ۔۔۔۔۔	۲۳۲
۲۳۳	ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۳۳	۲۳۳	ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں۔۔۔۔۔	۲۳۳
۲۳۴	سورج ہی دیوتا ہیں۔۔۔۔۔	۲۳۴	۲۳۴	سورج ہی دیوتا ہیں۔۔۔۔۔	۲۳۴
۲۳۵	خیالی سپارٹسمیر کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۳۵	۲۳۵	خیالی سپارٹسمیر کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۳۵
۲۳۶	علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفیت کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۳۶	۲۳۶	علم جغرافیہ سے ہندوؤں کی ناواقفیت کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۳۶
۲۳۷	ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے۔۔۔۔۔	۲۳۷	۲۳۷	ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے۔۔۔۔۔	۲۳۷
۲۳۸	مصنف کا شہر بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چہنہ اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات۔۔۔۔۔	۲۳۸	۲۳۸	مصنف کا شہر بنارس کے ایک بڑے پنڈت کے ساتھ چہنہ اور پنڈتوں سے ملنا اور بت پرستی کی نسبت اُن کے جوابات۔۔۔۔۔	۲۳۸
۲۳۹	عمرونیہ کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان۔۔۔۔۔	۲۳۹	۲۳۹	عمرونیہ کی نسبت ان پنڈتوں کا بیان۔۔۔۔۔	۲۳۹
۲۴۰	پنڈتوں کا بیان۔۔۔۔۔	۲۴۰	۲۴۰	پنڈتوں کا بیان۔۔۔۔۔	۲۴۰
۲۴۱	لنگ شریر کا سلسلہ جڑ شاستروں میں ہے اسکی نسبت ان پنڈتوں کا بیان۔۔۔۔۔	۲۴۱	۲۴۱	لنگ شریر کا سلسلہ جڑ شاستروں میں ہے اسکی نسبت ان پنڈتوں کا بیان۔۔۔۔۔	۲۴۱
۲۴۲	وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۴۲	۲۴۲	وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر۔۔۔۔۔	۲۴۲
۲۴۳	مصنف کے خط کا خلاصہ۔۔۔۔۔	۲۴۳	۲۴۳	مصنف کے خط کا خلاصہ۔۔۔۔۔	۲۴۳
۲۴۴	مصنف کا خط بنام انشور دی لاما تھی لی ویراز۔۔۔۔۔	۲۴۴	۲۴۴	مصنف کا خط بنام انشور دی لاما تھی لی ویراز۔۔۔۔۔	۲۴۴
۱	یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے۔۔۔۔۔	۱	۱	یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں کے۔۔۔۔۔	۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۳۷	مختلف النوع ہونے کا سبب -	۲۳۷	۱۳	پیر میں اور دہلی کی آبادی یا محلہ لوگوں	۲۳۷
۲۳۸	شہر دہلی کا ذکر - - -	۲۳۸	۱۴	شہر گڑھ عرف اکبر آباد کا ذکر - -	۲۳۸
۲۴۰	قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر -	۲۴۰	۱۵	جیوٹ نرق کے عیسائیوں کے	۲۴۰
۲۴۱	دروازہ معروف ہتیا پول کا ذکر -	۲۴۱	۱۶	ایک گرجا اور کالج کا ذکر - -	۲۴۱
۲۴۲	قلعہ کے دروازہ کا ذکر	۲۴۲	۱۷	ڈچ لوگوں کی تجارت کا ذکر -	۲۴۲
۲۴۳	مکان عام و خاص اور نقار خانہ کا ذکر	۲۴۳	۲۰	مقبورہ معروف پنج گنج کا ذکر -	۲۴۳
۲۴۴	شاہی مجلسہ اکابیان - -	۲۴۴	۲۱	تقریظ - - -	۲۴۴
۲۴۵	دربار اور محنت طاموس کا بیان -	۲۴۵			
۲۴۶	مینا بازار کا ذکر - - -	۲۴۶			
۲۴۷	ہاتھوں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر	۲۴۷			
۲۴۸	جامع مسجد کا ذکر - - -	۲۴۸			
۲۴۹	کاروانسہ کا ذکر - - -	۲۴۹			

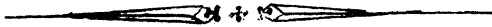
فہرست مضامین متعلق حواشی

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مٹی کے برتن میں پانی کے ٹھنڈا رہنے کا سبب - - -	۱	۱	قدیم یونانیوں کے مذہبی توہمات	۱
۲	اوزنگ زیب کے سفر کشمیر کا مختصر ذکر بروایت عالمگیر نامہ - -	۲	۵	کلبیان - - -	۵
۳	لفظ شور کی تحقیق - - -	۳	۶	کوہ ہری پر بت واقع کشمیر کے نام کی تحقیق - - -	۶
۴	سکندر اعظم کے گھوڑے جیس فدا کی وجہ تسمیہ - - -	۴	۷	باغ شالامار کے نام کی تحقیق -	۷
۵	کوہ الیپس اور اسکی نسبت	۵	۸	شال کشمیر کا ذکر - - -	۸
			۹	جڑی تبت کے رئیس ولد نمنجیل کا ذکر بروایت عالمگیر نامہ -	۹

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۹	لامارڈ کا ذکر - - -	۹۹	۲۵	مشہور درویش سید کی مختصر سرگزشت	۱۹۱
۱۰	جہولے اور چینگے کا بیان جن کے		۲۶	یونان کے حکما سینک کی وجہ تسمیہ -	۱۹۳
	زورید سے لوگ بعض پاڑی دیا		۲۷	دیو جانش اور افلاطون حکیم کا مختصر	۱۹۳
	سے عبور کرتے ہیں - - -	۱۰۲		حال - - - - -	۱۹۴
۱۱	شال منیر نامی ایک ظالم بادشاہ		۲۸	جے رام کارٹون حکیم کا مختصر ذکر -	۱۹۷
	کا ذکر - - - - -	۱۰۷	۲۹	ڈاکٹر پیکٹ اور ہاروے کا مختصر حال	۲۰۵
۱۲	ڈالٹن مجمل کی تحقیق -	۱۲۶	۳۰	حکیم ڈی کارٹس کا مختصر ذکر - -	۲۰۶
۱۳	فری توس فرج کی تحقیق - -	۱۲۷	۳۱	بید کے راتہ تالیف کی تحقیق - -	۲۰۸
۱۴	دریا نیل کے کچھ حالات	۱۳۱	۳۲	ہندوؤں کے بتاؤں کا ذکر - -	۲۱۵
	حکیم تعلیموس اور کتاب طبی کا ذکر	۱۴۲	۳۳	شہر بنارس کا ذکر - - -	۲۲۰
۱۵	فرانس کے دو حکیموں گنیںڈی اور		۳۴	اس الزام کی تردید کہ ہندوستان	۲۲۱
	رابرڈ کا مختصر حال - - -	۱۵۳		کے مسلمان بادشاہ غیر مذہب کی کتابیں	
۱۷	سورج گھن کے موقع پر بقیام			جلوادی تھے - - - -	۲۲۳
	تھانیر سندھ و فیروں کی لڑائی کا ذکر	۱۵۵	۳۵	جہولے شائستروں کے بانیوں کے	۲۲۴
۱۸	قدیم زمانہ کے بھرت نامی ایک بت			نام وغیرہ - - - -	۲۲۴
	کا کچھ تاریخی حال - - -	۱۵۸	۳۶	ڈی مارکیتس اور اپیکورس حکیموں	۲۲۵
۱۹	بنگالیوں کے کیمٹاج کا ذکر - -	۱۶۱		کا عقیدہ مبادی اجسام کے باب میں	۲۲۶
۲۰	سندھ جگن ناتھ کی نسبت ڈاکٹر رکان		۳۷	مشہور مسلمان فلاسفر ابن رشد کا مختصر	
	کا چشم دید بیان - - -	۱۶۲		حال - - - - -	۲۲۹
۲۱	تسی ہونے کے استماع کا ذکر -	۱۶۸	۳۸	حکیم جالیتوس کا ذکر - -	۲۳۱
	ایک افرتی سیاح معروف ابن بطوطہ	۱۶۹	۳۹	کتاب گلشن راز کا ذکر - -	۲۳۳
۲۲	کاستی کی نسبت چشم دید بیان - -	۱۷۵	۴۰	رابرٹ فلڈ نامی ایک فلاسفر کے	۲۳۴
۲۳	تسی کی نسبت ایک ہندی شش -	۱۸۱		اعتقادات کا ذکر - - -	۲۴۱
۲۴	قدیم زمانہ کے ڈائینا نامی ایک بت کا		۴۱	شاہ جہان آباد کی تاریخ آبادی -	۲۴۹
	و کچھ تاریخی حال - - -	۱۸۵	۴۲	شاہ جہان آباد کی شہر چاہ -	۲۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸۷	شہر دہلی کی وجہ تسمیہ - -	۲۵۰	۵۲	تحت طاووس کا دلاویز بیان - -	۲۸۷
۲۸۸	قلعہ شاہجہان آباد کا ذکر - -	۲۵۱	۵۳	یونان کے قدیم مصنف پلوٹارک کا ذکر	۲۹۸
۲۸۹	جزائر کسری کا ذکر - -	۲۵۲	۵۴	جامع مسجد کا ذکر - -	۲۹۸
۲۹۰	قلعہ شاہجہان آباد کے دروازہ برف	۲۵۳	۵۵	ایک پرانے مندر کا ذکر جسکو آری تھورا	۳۰۲
۲۹۱	سترہ لپل کی تحقیق - -	۲۵۴	۵۶	نے بنوایا تھا - -	۳۰۴
۲۹۲	شاہجہان آباد میں جو نہر ہے اسکی تحقیق	۲۵۵	۵۷	جہانگیر نے اگر وہ سے لاہور کو جو سر	۳۰۹
۲۹۳	قلعہ شاہجہان آباد کے مکان عام	۲۵۶	۵۸	بنوائی تھی اسکا سال تعمیر - -	۳۱۰
۲۹۴	خاص کا ایک دلچسپ بیان - -	۲۵۷	۵۹	اکبر آباد کے نام کی تحقیق - -	۳۱۱
۲۹۵	مکان عام و خاص کی وجہ تسمیہ - -	۲۵۸	۶۰	تماشا خانوں معروف ایم فی تھیٹر کا	۳۱۲
۲۹۶	مکان معروف عثمانیہ کی تحقیق - -	۲۵۹	۶۱	دلچسپ حال - -	۳۱۳
۲۹۷	برج نمشن کا ذکر - -	۲۶۰	۶۲	مقبورہ معروف تاج گنج کا سالانہ وغیرہ	۳۱۴

تاکلیم



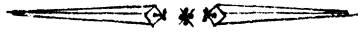
جلد دوم

وقایع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنی اربعہ شاہجہان و اورنگ زیب

یعنی ڈاکٹر موصوف کے چند خطوط متضمن حالات ہندوستان

ہر کہ عاقل بود از خوبی عنوان داند کہ دریں نامہ چہ اسرار نگہیاد بود

مصنف کا پہلا خط بنام نانشیوردی مرویس من مقام دہلی موزعہ و ستمبر
سن ۱۰۹۰ سو چوتھہ عیسوی متضمن حالات سفر اورنگ زیب بجانب
کشمیر حینت نظیر



اورنگ زیب کا بیماری سے صاحب من اجب سے اورنگ زیب کا مزاج مائل بصحت
شفا باکر بغرض تبدیل آئے ہوا ہے اسی وقت سے یہ خبر راز شہر موزی تھی کہ بادشاہ بغرض تبدیل
ہوا کشمیر کو جانا۔ اب وہاں آئندہ گرمی سے بچنے کیلئے جبکہ باعث عود مرض کا اندیشہ نہ تھا اور

بعض فرانسیسی نام جو اس کتاب میں ہیں معلوم نہیں کہ خاص ان کے لب و لہجہ کے موافق ان کا صحیح تلفظ
کیا ہے اگرچہ یہ وقت اگر تیزی میں ہی ہے کہ جن حروف سے کسی لفظ کو لکھتے ہیں تلفظ اس کا اکثر مطابق
اصوات مقررہ ان حروف کے نہیں ہوتا۔ مگر یہ وقت فرانسیسی الفاظ و اسامی تہی میں ایہ بھی زیادہ ہے
اور خاص اہل زبان سے سننے بدون تصحیح ناممکن ہے۔ س۔ م۔ ح۔

† م۔ ن۔ ش۔ می موزی۔ تم دے ل س 1 Monsieur de Merveilles

کشمیر کی سیر کا عزم رکھتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت سے عقیل آدمیوں کو اس بات کے یقین کرنے میں تاہل تھا کہ جس حالت میں کہ اسکا باپ اگرہ کے قلعہ میں مقید ہے وہ ایسا دور دراز سفر کرنے کی جرأت کس طرح کرے گا !

اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا لیکن بہر حال حفظ صحت کے خیالات مصالحت سلطنت زیادہ تر باعث روشن آرا پر غالب آئے اور زیادہ تر روشن آرا بیگم کی ترغیب بیگم کی تحریک تھی۔

و تحریض اسکا باعث ہوئی جو بہت دنوں سے اس امر کی آمرو منہ تھی کہ بہ نسبت اپنے محلات کی ہوا کے زیادہ صاف ہوا سے تفریح حاصل کرے اور اس اپنے اقتدار کے زمانہ میں شاہانہ کردار سے فوج کے ساتھ جاے جیسے کہ اسکی بہن بیگم صاحب شاہجہاں کے عہد میں گئی تھی۔

اورنگ زیب کا چھٹی دسمبر میں الغرض بادشاہ نے اس مہینے کی چھٹی تاریخ تین بجے سو نہ سوچتے تھے عیسوی کوہور کے موافق دہلی سے لاہور کو کوچ کرنا

جو پاتے تخت سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے جا کر قیام فرمایا اور وہاں چھ روز کامل اس غرض سے توقف فرمایا کہ اس لمبے سفر کے سامان کیو اسطے جو ڈیڑھ برس میں ختم ہونے والا ہے لوگوں کو فرصت اور مہلت ملے۔ اور آج ہم سنتے ہیں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ خیام شاہی لاہور کی سڑک پر لگائے جائیں اور یہ کہ دو مقام کرینکے بعد پھر کوچ میں اور زیادہ توقف نہ ہوگا۔

اورنگ زیب کے سفر کشمیر میں اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ ^{۳۵} دہی پنیشی ہزار جو فوج زیادہ تھی اسکی تعداد سوار نہیں ہیں جو بطور قاعدہ مقررہ ہمیشہ اسکے ہمراہ رہتے

ہیں اور نہ صرف وہ معمولی سپاہ سپاہ جو دس ہزار سے زیادہ ساتھ رہا کرتی ہے بلکہ بھاری توپخانہ اور ہر گاہ توپخانہ بھی ساتھ ہے۔

ہر گاہ توپ خانہ اور اس توپ خانہ کو ہر گاہ توپخانہ اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی ذات خاص سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ بھاری توپخانہ

وقت ہیوقت راہ کے نشیب و فراز وغیرہ کے باعث رکاب شاہی سے علیحدہ ہو کر پیچھے سے سہولت کے ساتھ آیا کرتا ہے۔

بھاری توپخانہ - بھاری توپخانہ میں ستر توپیں ہوتی ہیں! جنہیں زیادہ پتیل کی ہیں اور

اکثر ایسی بھاری ہیں کہ بیلوں کی بیشٹیل میں چوڑیاں اُن کے کھینچنے کی واسطے ضرور ہیں اور بعض تو ایسی بھاری ہیں کہ جب راہ نامہوار ہو یا کہ چڑبانی کا موقع ہو تو معمولی بیلوں کی مدد کے واسطے ہاتھی درکار ہوتے ہیں تاکہ توپ کے تخت اور پیلوں کو اپنے سر اور سوٹ سے ڈھکیلیں۔

ہر گاہ توپ خانہ کلبیان ہر گاہ توپخانہ میں پچاس یا ساٹھ میدانی چھوٹی توپیں ہوتی

ہیں! اور سب پتیل کی ہیں! اور ہر ایک توپ ایک چھوٹے سے خواص اور خوش رنگ تخت پر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس پر زینت کی واسطے چند سرخ جھنڈیاں

لگاتے ہیں چنانچہ اسکا ذکر میں نے کسی اور مقام پر ہی کیا ہے۔ ہر توپ کو وہ خواص اور گھوڑے کھینچتے ہیں۔ جنکو ایک گولنداز ہانکتا ہے۔ اور ہر ایک جوڑی کے ساتھ

ایک تیسرا گھوڑا کوئل ہوتا ہے جسکو ایک اور سپاہی لیکر چلتا ہے۔ یہ میدانی توپیں بہت تیز ہانکی جاتی ہیں تاکہ بارگاہ شاہی کے سامنے قائم کیجا میں اور اتنی پہلے پہنچ

جائیں کہ بادشاہ کے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی سلامی آتا سکیں۔

فوج و لشکر کی کثرت سے لوگوں کا یہ بادشاہی لشکر اور ہر کاب فوج ایسی بڑی اور کثیر التعداد ہے
 بیشہ کرنا کہ کشمیر کی جگہ ہم قندھار کے لوگوں کو پیشہ ہو گیا ہے کہ ہم کشمیر جانے کی جگہ
 کی ہم پر جاتے ہیں۔ قندھار کے محاصرہ کے واسطے جاتے ہیں۔ جو حدود ایران اور

ہندوستان اور ملک ازبک کے مابین ایک نہایت کار آمد مقام ہے قندھار ایک
 خوش نما اور زرخیز ملک کا دار الحکومت اور بڑی آمدنی کی جگہ ہے اور اس وجہ سے
 اس پر قبضہ حاصل کرنے کو بادشاہان ایران اور ہندوستان کے باہر بڑے بڑے
 سخت معرکے اور محاربے ہمیشہ وقوع میں آتے رہے ہیں۔ اس عظیم الشان
 فوج کے کوچ کا اصل میں خواہ کچھ ہی منشا اور مقصد ہو مگر ہر ایک تنفس کو جو اس سے
 علاوہ کرتا ہے اب دہلی سے روانہ ہوتے ہیں جلدی کرنا ضروریات سے ہے
 اگرچہ اس کے ضروری امور کیسے ہی مقتضی اس بات کے ہوں کہ کچھ توقف کرے پس
 اگر میں اپنے جانے میں دیر لگاؤں تو لشکر میں شامل ہونا مجھے مشکل ہو جائیگا۔

نواب دانشمند خان کے علمی علاوہ ہیں ہمارا نواب دانشمند خان میرا نہایت منتظر ہے کیونکہ
 شوق کا ایک ضمنی ذکر ہمارا آقا جو وزیر معاملات متعلق ممالک غیر اور سواروں کی فوج کا
 میجر جنسی بہتہ اپنے منصب کے اہم کاموں سے اسکو صبح کی وقت تو فرصت نہیں
 ملتی اس وجہ سے وہ اپنے سپہ کے وقت کو جو کتب حکمیہ کے مطالعہ کے لئے
 مختص کیا ہوا ہے ضایع کرنا نہیں چاہتا۔ اسکو علم ہیئت اور جغرافیہ اور شیعہ کا خاص
 شوق ہے۔ اور وہ گیسٹینڈمی اور ڈس کارٹس کی تصانیف کو بڑے
 شوق سے پڑھتا ہے۔

1 Gasseudi.

2 Descaries.

۱۵ گیسٹینڈمی

۱۵ ڈس کارٹس

معنف کی تنہا اور اُن چیزوں کا پس اپنے ذاتی امور کا بندوبست کر لینے کے بعد میں آج رات کو ہی روانہ
 بیان جو سفر کشمیر میں اُس نے ہو لگا اور چلنے سے پہلے مجھے اس قدر اسباب و سامان درست
 ضروری سمجھ کر ساتھ لیں۔ اگر لینا چاہیے جس قدر کہ رسالہ کے ایک ذی عزت عمدہ دار کو درکار ہے
 کیونکہ میری تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار ہے اور اسلئے ضرور ہے کہ دو اچھے ترکی گھوڑے
 مع ایک سائیس کے میرے پاس ہوں۔ اور ایک مضبوط ایرانی اونٹ بھی مع ایک
 شتر بان کے ساتھ ہونا چاہیے اور ایک بادچی اور ایک خدمتگار ہونا چاہیے جو ملک کے
 دستور کے موافق بانی کی صراحی لیکر گھوڑے کے آگے آگے چلتا ہے۔ میں نے ضروری اور
 آرام کی اور بھی سب چیزیں ساتھ کئے تیار کر لی ہیں۔ مثلاً ایک درمیانہ خیمہ ایک قالین اور
 ایک ہلکی سفری چارپائی جو چار ہلکے اور مضبوط بانسوں سے بنتی ہے اور ایک تنکیہ اور دو
 لحاف جنہیں سے ایک کو دوسرا کر کے تو شک کا کام لیا جاتا ہے۔ اور ایک گول چرمی
 سفرہ کھانا کھانے کے واسطے اور چند رنگین رومال اور تین چھوٹے تھیلے بادچی خانہ کے
 ظروف اور گلی ظروف وغیرہ کے واسطے جو یہ سب ایک بڑے تھیلے میں رکھ جاتے ہیں
 اور یہ بڑا تھیلہ اچھرا ایک ٹاٹ کے بڑے شلیمے میں جسکے دو حصے ہوتے ہیں اور جسمیں
 قسمے لگے ہوئے ہوتے ہیں باندھا جاتا ہے۔ علاوہ بریں شلیمے میں اُٹا دال وغیرہ کھانے
 کی چیزیں مع آقا اور ملازموں کے بستر اور کپڑوں وغیرہ کے رکھی جاتی ہیں۔ میں نے احتیاطاً پانچ
 چھ روز کے خرچ کے موافق کچھ عمدہ چاول اور کچھ میٹھے بسکٹ بھی جنکو چاشنی اور نمبو کے
 عرق سے خوش ذائقہ بنایا گیا ہے رکھ لئے ہیں اسکے سوا ایک کپڑے کی ایک تھیلی مع
 ایک آہنی قلابے کے جس میں لٹکا کر دی کو چھانا جاتا ہے۔ میں نے یاد کر کے ساتھ رکھ لی ہے
 کیونکہ اس ملک میں نیبو کا شربت اور دہی نہایت مضر چیز ہے۔ یہ سب چیزیں جیسا کہ میں نے

ابھی بیان کیا ہے ایک بڑے شعلیتہ میں باندھ دی گئی ہیں جو حسب معمول ایسا بیڈ ہنگا پھیلا ہوا ہے کہ اُسے تین چار آدمی مشکل سے اونٹ پر لا دے سکتے ہیں حالانکہ اونٹ شعلیتہ کے نہایت قریب بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور لاونے والوں کو صرف راتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ شعلیتہ کا ایک سر ازمین سے اٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر اُلٹ دیں۔ ایسے لمبے سفر میں اگر آرام چاہو تو مذکورہ بالا اشیاء میں سے ایک بھی فالتو نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے ملک میں ہکو فرانس کے سے اِن یعنی مسافر خانوں اور آرام و آسائش کے سامان کی ہجرت کی امید نہیں ہے اور ہماری جہاں سراسر ہمارا وہی ڈیرہ ہے جبکہ عرب اور تاتاریوں کی طرح ہکو ایک منزل سے اُکھاڑ کر اور دوسری منزل پر لیجا کر روزمرہ لگانا چاہیے۔ اور ہم اپنی حاجت روائی کوٹ کھسوٹ سے ہی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے۔

شہر دہلی کی بازاری روٹی اور بانی اس طویل سفر کے اختیار کرنے میں میرے دل کو صرف اتنی کی خرابی اور اس سے ناروے کی ہی خوشی ہے کہ ایک تو ہم شمال کی طرف کچھ کرتے ہیں بیماری کے پیدا ہونے کا ذکر۔ دوسرے یہ کہ معمولی برسات کی بارشیں ہو چکی ہیں اور موسم سرما کا آغاز ہے اور فی الحقیقت ہندوستان میں سفر کی واسطے یہی موسم مناسب ہے کیونکہ جاڑے کے شروع میں بارش بھی ہو چکتی ہے اور گرمی اور گرد و بھی ایسی نہیں رہتی کہ جسکی برداشت نہو سکے۔ اور میں اس خیال سے ہی خوش ہوں کہ اب مجھ کو دہلی کے باندک کی روٹی کھانے کی آفت: اٹھانی پڑے گی جو اکثر خراب پکائی جاتی ہے

اور دو غبار سے صاف نہیں ہوتی اور آبِ یہ بھی امید ہے کہ پینے کا پانی بھی دہلی سے بہتر ملے گا جبکہ میلانِ محسوس سے بیان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر انسان و حیوان بیٹھ کر وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور پانی کو انوع و اقسام کے میل کچیل کا مخزن بنائے رکھتے ہیں۔ اس پانی سے بہت عسیر العلج تپین پیدا ہوتی ہیں اور پٹلی میں کیڑے یعنی ناروے پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں بڑی سخت سوزش اور ورم ہوتا ہے اور آئندہ بڑے بڑے اندیشے ہوتے ہیں۔ اگر مریض دہلی سے کہیں چلا جائے تو یہ کیڑے جلد دفع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ کبھی کبھی ایک برس اور کبھی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تکلیف دیتے ہیں۔ یہ کیڑے اکثر عرض و طول میں چپکارے گئے تارے تانت کے موافق ہوتے ہیں اور جرن پر بے تکلف انس یا پٹھے کا دھوکا ہوتا ہے۔ ان کے نکالنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں اور ان کے نکالنے کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ ایک تنکے پر لپیٹ کر روزمرہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا نکالا جائے۔

دربار دہلی کے امرا کا معمولی پانی کی جگہ گنگا جل استعمال کرنا۔ میرے لئے یہ بات نہایت اطمینان کی ہے کہ میں اس قسم کی بے آرامیوں اور خطروں سے محفوظ رہوں گا کیونکہ ہمارے نواب نے نہایت مہربانی سے حکم دیا ہے کہ ایک تازہ خانہ ساز روٹی اور گنگا کے پانی کی ایک صراحی ہر روز صبح کی وقت مجھے عنایت ہوا کرے کیونکہ اؤر امرا سے دربار کی طرح ہمارے نواب نے بھی اپنے ساتھ کے لئے گنگا جل کے بہت سے اونٹ لے لئے ہیں۔

صریح یا ٹی کے برتنوں میں پانی کی صراحی ایک ٹین کا برتن ہے جس پر سنج کپڑا منڈا ہوا

پانی ٹھنڈا کرنے کی ترکیب
 اور اسکی وجہ۔

آتا ہے لیکن اپنے اپنی صراحی قصداً دوسیر کی بخوائی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ تیر میرے لئے بہت مفید ہوگی۔ اس صراحی میں پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کپڑا جو اسپرینٹ ہوا ہوتا ہے تر رہے اور صراحی بردار اسے ہلا ہلا کر ہوا دیتا رہے یا اسے ایک ہوا دار جگہ میں جیسا کہ یہاں عموماً معمول ہے زمیں سے اونچی ایک تپانی پر رکھا جائے تاکہ زمین کی گرمی صراحی کو نہ لگے۔ پس کپڑے کی نمی اور ہوا میں ہلانا یا ہوا میں رکھنا پانی ٹھنڈا رہنے کی واسطے از بس ضرور ہے گویا کہ یہ نمی جس سے کپڑا تر ہے اُن چھوٹے چھوٹے آتشیں اجزا (فائری پارٹی کلن) کو جو ہوا میں ہوتے ہیں اور جن سے پانی گرم ہو جاتا ہے صراحی کے اندر داخل ہونے سے روک لیتی ہے معذرا اُن شوریلے اجزا (ناکٹرس پارٹی کلن) اور آؤر اجزا کو جو اس کپڑے اور ظرف کے اندر گھس کر پانی میں سکون کا اثر پیدا کر کے اسکو ٹھنڈا کر دیتے ہیں نہیں روکتی جس طرح شیشے میں سے روشنی تو اندر آ جاتی ہے مگر پانی نہیں آ سکتا اور یہ امر شیشے کی بناوٹ اور اسکے اجزا کی خاصیت اور اس فرق کی وجہ سے ہے جو پانی اور روشنی کی لطافت میں ہے۔

۱۵ ناعری پ ارٹ ی ک ل

۱۶ ناعری پ ارٹ ی ک ل

جب کوئی سیال جسم مثلاً پانی مٹی کے ایک ایسے برتن میں بھر جائے جس کا رخ پھرا یا ہوا نہ ہو تو پانی کے اجزا برتن کے مسامات میں سے بھاگ نکل کر اُٹھاتے ہیں اور اس بھاگ کے ساتھ بہت سی حرارت بھی جو

یہ صراحی کہیں باہر جانیکے وقت کام آتی ہے۔ لیکن جب ہم لوگ مکان پر ہوتے ہیں تو پانی کو مٹی کے مشکوں میں جو مسالا مٹی سے بناے جاتے ہیں رکھتے ہیں اور ان پر تر پڑا پٹیتے ہیں اور اگر یہ مشکوہاں کو جائیں تو انکا پانی ان صراحیوں ہی ہی زیادہ خشک ہوتا ہے۔ شورہ سے پانی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اُمر اُخواد شہر میں ہوں خواہ لشکر میں شورہ استعمال کرتے ہیں کرنے کی ترکیب اور اسکی ترکیب یہ ہے کہ یہ پانی یا جو چیز سرد کرنی منظور ہو جست کی صراحی میں جبکی گردن لمبی اور پیٹ گول انگریزی بوتل کا سا ہوتا ہے ڈال کر اُسکو سات یا آٹھ منٹ تک اُس پانی میں ہلاتے ہیں جس میں تین چار ٹھی شورہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور صراحی کے اندر کی چیز نہایت سرد ہو جاتی ہے اور کسی طرح ناگوار یا مضر نہیں ہوتی جیسا کہ مجھے پہلے خیال ہوا تھا مگر ابتداً کبھی کبھی کچھ تلین کا اثر کرتی ہے لیکن معلوم نہیں بجائے ان خیالوں کے کہ شام سفر سرد پکھڑی ہے۔ اور اس ملک کی جلتی بلتی دھوپ میں جو کسی موسم میں بھی کامل ایذا بخالی نہیں جو ذرہ جلنا پڑے گا اور ہونے اسباب کے سطح لاوا اور آتا جا جائیگا اور نوکروں کو ہمیشہ یہ دہ کرنے کو کہا جائیگا اور کبھی خیمہ لگانا اور کبھی اکھاڑنا ہوگا اور کبھی رات کو اور کبھی دن کو کوچ کرنا پڑے گا خصوصاً

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۔ پانی میں جذب ہونے سے نکل جاتی ہے تو اس یزن میں پانی بیشک ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سطح پر جم سکتا ہے اور یہ تاثیر اس وقت اور ہی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ برتن کی دھوپ میں رکھا جائے اور اُس کے باہر کے سطح کو جس سے بچاں خلیں ہوتی رہتی ہے ہر طرف سے برابر تر پڑا لپٹا جائے۔ اگلے زمانہ کے علم کیمیا کے علما کا یہ قیاس تھا کہ کوئی نہایت لطیف شے جبکہ انہوں نے مختلف نام رکھے ہوئے تھے اس عمل کے وقت یزن کے مسات سے خارج ہوتی ہے اور زمانہ حال کے علما اس شے کو کیلوکس یعنی جوہر حرارت کہتے ہیں ۱۲ مہر جو انگریزی۔

جبکہ ایسی بے شکمانی اور خاندان بدوشی کی گزیران یقیناً ڈیڑھ برس تک جبکی بابت
حکوم مل چکا ہے کرنی پڑیگی۔ میں یہ علمی جھگڑے کیوں بے بیٹھا۔
اویار آب خدا حافظ! میں اپنا وعدہ پورا کر دنگا اور آپ کو اپنے حالات کی وقتاً
وقتاً اطلاع دیتا رہوں گا۔ اور چونکہ فوج اس موقع پر بزم زم کچ کر گئی کیونکہ کچھ اضطراب
اور کسی دشمن کا فکر تو ہے ہی نہیں بلکہ ایک بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت
سے جیسا کہ بادشاہان ہند کا معمول ہے کچ ہوئے اسلئے میں سب دلچسپ
واقعات لکھتا رہتا ہوں تاکہ لاہور پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں بھیجوں۔



مصنف کا دوسرا خط بنام نانشیوری مرویس موزر
۲۵ فروری ۱۶۶۵ء بمقام لاہور

دہلی اور لاہور کے فاصلے
اور شکار کیلئے کی غرض سے
دیباے بننا کتنا
کنارے اور رنگ زیب کے
آہستہ آہستہ کوچ کرنا ذکر۔
صاحب من! یہ کوچ فی الواقع آہستہ اور باشان و شکست
طور کا ہے جسے ہم یہاں اعلیٰ حضرت کا سفر کہتے
ہیں۔ لاہور دہلی سے قریب سو سو بیگ یا پندرہ منز
کے ہے۔ مگر مکہ لاہور پہنچنے میں قریب دو مہینے کے لگے
حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ نے فوج کا ایک بڑا حصہ ساتھ
لیکر شائع عام سے علیحدہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ شکار کے عمدہ عمدہ موقعے
پاتہ آئیں اور دریائے جمن کا پانی آسانی سے ملتا ہے۔ چنانچہ ہم ان دونوں

بائوں کی خاطر معمولی شائع عام سے دس طرف کو روانہ ہوئی اور جسطح بادشاہ نے بلحاظ آرام و آسائش مناسب خیال کیا آہستہ آہستہ دریا جسے کنارے کوچ ہوتا رہا اور ایسی لمبی لمبی گھاس جین میں سوار ہی نظر نہ آتے تھے بندوق کا اور تپہ کی شکاری جانوروں کا شکار ہوتا رہا اور جسطح کا شکار بکثرت ملا اور اب ہم ایک عمدہ شہر میں بڑے آرام سے ٹھہرے ہوئے ہیں اور مجھ کو اپنے صرف اوقات کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ طرح طرح کے حالات جنگی طرف میرا دل دہلی چھوڑنے کے وقت سے متوجہ رہا ہے قلب بند کروں مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد آپ کو کشمیر کی سیر کر اؤں گا اور آپ کو ایک ایسا ملک دکھانے کا جو دنیا میں ایک نہایت خوشنما قطعہ ہے۔

بادشاہی پیش خانہ (پیش خیمہ) کے جب کبھی بادشاہ بڑے لاؤشکر کے ساتھ سفر کرتا ہے سازدساں اور بابر داری وغیرہ کا ذکر تو اس کے ذاتی آرام و آسائش کے لئے دوسرا سا

ملکہ تاکہ اس مضمون کی زیادہ تشریح ہو جائے اس سفر کا حال عالم گیارہ سے بطور انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔ آئین لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر کی سیر کرنا چاہتا تھا اور بعض صحابہ ملک داری کے لحاظ سے یہی پنجاب کا جانا ضروری تھا اسلئے غزہ جمادی الاول ۱۰۸۰ھ کو کہ اس کے جلوس کا سال پنجم اور ”روز جشن وزن مقدس“ یعنی تل دان کا دن تقریب سالگرہ آغاز سال جمیل و پنجم حساب شمسی اور روز شروع سال جمیل و ششم حساب قمری تھا اور اٹھلانہ شاہجہان آباد سے خیمہ جات شاہی باغ اغوا بادین (جسکو اس کتاب کے مصنف یعنی ہرنیر نے شالام لکھا ہے) نصب ہوئے اور ساتویں ماہ جمادی الاول کو مطابق ۷ ماہ آذر فارسی ساعت مقررہ یعنی ہورت کے موافق حضرت شاہ شریعت پناہ نے سوار ہو کر باغ مذکور میں ڈیرہ کیا گیا اور جوین کہ یہاں سے کوچ کر کے چند روز اٹانہ شکار گاہوں میں جو وہاں سے قریب تھیں بسنے گئے اور پھر قصبہ بیہود پت یعنی منبت کی راہ سے ۴ کوکر نال پہنچا۔ یہاں سے فاضل خاں میرساں کو منع لشکر و اسباب زاریہ دیا تھا اور کوکر دانہ کیا اور آپ معمولی

خمیسون ڈیروں وغیرہ کا ہمراہ ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک پراسہ امان ہمیشہ ایک دن آگے جاتا ہے تاکہ بادشاہ کو منزل پر پہنچتے ہی سبطح سے سجا سجا یا اور تیار ملے اور اسید واسطہ اسکو پیش خانہ (پیش خمیمہ) کہتے ہیں یہ دونوں پیش خانے قریباً ایک ہی سے ہیں۔ اور ایک پیش خانے کے اٹھانیکے واسطہ ساتھ ستر باختی دوسواونٹ سوخچر اور سو جمال درکار ہوتے ہیں۔ بھاری اسباب تو ہاتھیوں پر لاداجاتا ہے جیسے بڑے بڑے ڈیرے اور انکی بھاری بھاری چوبیس جو باعشت درازی اور وزن کے تین ٹکڑوں کی ہوتی ہیں۔ اور چھوٹے ڈیرے اونٹوں پر لادے جاتے ہیں۔ اور بادچی خانہ کا سامان خچروں پر۔ اور ہلکی اور زیادہ قیمتی چیزیں جمال لیجاتے ہیں۔ جیسے چینی کے برتن جو بادشاہی دسترخوان پر لگائے جاتے ہیں۔ اور روغنی یا ملمع کے پائون کے پلنگ اور دہ قیمتی خرگاہ جسکا ذکر ہم بعد ازیں کریں گے۔

بقیہ ماشیہ صفحہ ۱۱۔ شاہراہ چھوڑ کر خلع پور کی یہوشکار کو چلے گئے اور وہاں سے شکار کیساتھ ہوئے پانچویں جمادی الآخر کو قصبہ خضر آباد میں (جو جنانہ کے دائیں کنارے فی زمانہ خالص انبالہ تحصیل جنگا دہری کے متعلق ہے) دیرا کے اس پار آ پہنچے اور نوادی خضر آباد کے شکار کے بعد گیا رہوین تیارخ کو انبالہ میں ڈیرہ کیا۔ چند رہوین کو مرند آئیں کو لدھیانہ پہنچے دیراے ستلج پر پہلے سے کشتیوں کا بل بندہ چکا تھا۔ اسلئے دوسرے دن پہلوڑ ڈیرہ ہوا۔ چونکہ بادشاہی ”قراولوں“ یعنی میر شکار اور پہلوڑ کے نزدیک کے جنگل میں وہ شیر دیکھے تھے اسلئے بادشاہ سوار ہوئے اور دونوں کو جنگل سے شکار کیا۔ اس کے بعد چھبیل کو نوحی تو ٹڈی میں ڈیرہ کیا (وہ تکلیف اور سرگردانی جو شیر کے شکار میں کل اہل لشکر کو اس سفر میں اٹھانی پڑی تھی اور جسکا ذکر ڈاکٹر بری نے آگے بہت تفصیل سے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہی جگہ مابین پھلوڑ اور تارناؤ ٹڈی کے تھی) بعد ازیں دیراے

خیام شاہی کے لئے جس احتیاط پیش خانے کے منزل پر پہنچتے ہی میرسا مان ایک عمدہ سے اور بقدر جگہ تجویز کی جاتی تھی موقع خیام شاہی کے واسطے تجویز اور انتخاب کرتا ہے اور جس فریضے سے شاہی اور کمال توجہ کے ساتھ حتی الامکان اسمیں کوشش کرتا ہے کہ تمام لشکر کا نسبت اور فریضہ کے ساتھ ہوا اور خانہ وغیرہ لگائے جاتی ہیں اسکا ذکر ایک مربع قطعہ جسکی چاروں طرفین تین تین سو معمولی قدم کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہیں داغ بیل لگا کر محدود کر دیا جاتا ہے اور سبیلدار فوراً اسکو صاف دھوا کر کے اسکی سطح کو چوبترے کے طور پر ذرا بلند کر دیتے ہیں پھر اس کے گرد و گرد قناتین جنگلی بلندی سات یا آٹھ فرانسیسی فٹ کے برابر ہوتی ہے گہر بڑھاتی ہیں جنگے کھڑے کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ مینجین گاڑ کر انکی رسیدیں کو ان سے باندھ دیا جاتا ہے اور ہر دولں قدم کے فاصلہ پر دو دو چوبین جنگے نیچے کے سرے زمین پر جمے ہوئے ہوتے ہیں تھانے کی واسطے دو دونوں طرف اس طور پر کھڑی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲- "بیاہ" یعنی بیاس کو بعضوں نے بذریعہ شنی کے اور بعضوں نے پایاب پور کیا اور فتح آباد میں مقام ہوا اور دوسری جب کہ لاہور پہنچ کر باغ فیض بخش میں راجو شاہ جہاں کو وقت میں شالا لاکر تھیر کی طرز پر تعمیر ہوا تھا اور جسے ہمارے زمانہ میں عموماً شالا کہتے ہیں ٹھیک کیا اور چونکہ شہر اور قلعہ لاہور میں داخلہ کی ساعت زمیں جب غرہ اسفندیار راہ فارسی وقت دوپہر سے پہلے نہیں تھی اسلئے تاج مقرر تاک اس باغ میں بدستور مقام ملا۔ وضع ہو کہ جنگا کی وہ نہر جو اس دریا کے بائیں کنارے سے چلی گئی ہے اور جو نہر چننی کہتے ہیں شاہ جہاں نے اس کے سر پر نہایت عمدہ عمارتیں بنوائی تھیں اور آٹھ گنگہ کو اسوقت مخلص پر کہتے تھے فی زمانہ مخلص پور کوئی بستی نہیں ہے۔ البتہ کچھ کھنڈر جنگلوں کا بادشاہی محل کہتے ہیں بائیں فیض آباد و موضع کھاراکہ جنگے آٹھ تین چار میل کا فاصلہ ہے اور جہاں ہمارے زمانہ میں اس نہر کا مرقع جو ان عمارتوں کا بتہا ہے تھے ہیں فیض آباد مخلص سہا پور کے متعلق اور غرض آباد۔ کٹھنادی جہاں پار ایک مختصر قصبہ ہے۔ ۱۲- س- م- ج-

کیجاتی ہیں کہ ایک چوب دو سہری کے بہارے ہوتی ہے۔ یہ قناتین ایک مضبوط کپڑے کی بنائی جاتی ہیں اور اسپر ہندوستانی چھینٹ سے نقش و نگار اور بھول وغیرہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔

بادشاہی ڈیوڑھی جو اس مربع قطع کے ایک ضلع کو عین وسط میں رکھی جاتی ہے وسیع اور مکلف ہوتی ہے اور اسکی قناتوں کے اندر نقش و نگار نسبت ان قناتوں کے جس سے اس قطع کی باقی طرفیں گھیری جاتی ہیں زیادہ خوشنما اور خوبصورت اور قیمتی ہوتی ہیں۔

خیمہ معروف عام دربار خاص اور بادشاہ کے وہ پہلا اور سب سے بڑا ڈیڑھ جو خیمہ شاہی میں لگایا دونوں وقت دربار کرنے کا ذکر۔ جاتا ہے اسکو عام و خاص کہتے ہیں۔ جان بادشاہ

اور امر انوبجے صبح کے جمع ہو کر امور سلطنت پر غور اور انصاف و عدالت کیا کرتے ہیں ہندوستان کے بادشاہ خواہ تخت گاہ میں ہوں خواہ سفیر میں روزمرہ دو دفعہ دربار کرتے ہیں جنہیں کبھی ناعہ نہیں ہوتا اور یہ دستور ایک فرض واجب اور بخلا آئین سلطنت سمجھا جاتا ہے جسکی بجا آوری میں بہت ہی کم فر و گداشت ہوتی ہے۔

خیمہ معروف غسل خانہ کا ذکر دوسرا ڈیڑھ جو دراجھوٹا اور اندر کی طرف کو کچھ بڑا ہوا ہوتا ہے اسکو غسل خانہ کہا جاتا ہے یہاں سب امر اشام کی وقت مقررے کے لئے اسی قاعدہ سے جمع ہوتے ہیں جیسے کہ خاص ذیل میں۔

اشام کے دربار کے لئے مشعلوں اس شام کے دربار سے امر کو بہت بے آرامی اور کے ساتھ امر کے آنے جانے تکلیف ہوتی ہے لیکن جب وہ خیمہ گاہ شاہی کے کا ذکر اور دشمن بنانے کی ترکیب طول طویل سنڈریں ہوں سے مشعلین ساتھ لئے

ہوئے غسل خانہ کی طرف جاتے یا وہاں سے اپنے ڈیروں کو واپس آتے ہیں

تو دور سے اندھیری رات میں یہ ایک بڑا اور دلچسپ تماشا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ شعلیں ہمارے وطن فرانس کی طرح دھوم سے نہیں بنتیں لیکن بہت دیر تک جلتی ہیں اور صرف اس طرح سے تیار کی جاتی ہیں کہ ایک لکڑی پر لوہے کی ایک نلکی جڑی جاتی ہے اور اس کے اندر گوڑ کا ایک موٹا فیتلہ لگایا جاتا ہے جو تیل میں تر ہوتا ہے اور جب پتھوری پتھوری دیر کے بعد تیل کی گہبی سے جو شعلہ پھی کے ہاتھ میں پڑتی ہے اور جب کا کلا تنگ اور لٹبلا ہو ہے یا پتیل کا نام دیا جاتا ہے تیل دالتے اور بوقت ضرورت اس گوڑ کو بدلتے رہتے ہیں۔

خیمہ معروف خلوت خانہ کا ذکر [ان دونوں سے چھوٹا اور زیادہ اندر کو بڑھ کر ایک تیسرا خیمہ ہوتا ہے جس کو غلہ خانہ کہتے ہیں اس خیمہ میں سوائے بڑے بڑے امرا اور وزرا کے کوئی شخص داخل نہیں پاتا اور سلطنت کے امور اعم اور خاص کر منہ انجام کے لئے ہی جگہ ہے۔ بادشاہ کے خاص الخاص خلوت خانہ سے اور آگے کو بادشاہ کے خاص الخاص خیمے خیموں کا ذکر۔] ہوتے ہیں جن کے گرد اگر دوا چھوٹی قناتیں جو فہم

سے زیادہ نہیں ہوتی لگی رہتی ہیں ان قناتوں میں سے بعض کے اندرونی جانب پچھلی پٹن کی عمدہ چھینٹ چڑھی ہوئی ہوتی ہے جس پر جدا جدا مختلف قسم کے پھول بنے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ریشمی شجر سے آراستہ اور باریک ریشمی جھالرا پڑکی ہوئی ہوتی ہے۔

یگمات اور محسوس کی متعلقہ ان شاہی خیموں کے متصل یگمات اور اور معزز مستورات کے خیموں کا ذکر [خاتونوں اور محسوس کی بڑی بڑی نوکروں چاکروں کے ڈیرے لگتے ہیں۔ یہ ڈیرے بھی مکلف قناتوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں

اور ان کے بیچ میں ادنیٰ درجہ کی عورتوں یعنی اصلوں اور خانہ تراووں اور
 اور ملازم عورتوں اور متعلقات محسّر کے ڈیرے ہوتے ہیں اور یہ ڈیرے
 ان عورتوں کے مراتب اور درجہ کے لحاظ سے قرینہ کے ساتھ لگائی جاتے ہیں
 خیمہ معروف عام خاص کی اچائی عام خاص اور پانچ چھ اور خیمے سب ڈیروں سے
 اور تکلفات وغیرہ کا بیان بلند ہوتے ہیں جس سے دو مطالب ہیں ایک
 یہ گرمی سے حفاظت ہو۔ دوسرے یہ کہ دوسرے پہچانیں جاسکیں۔

ان کے باہر کی جانب کا کپڑا مضبوط اور سخت سرخ رنگ کا ہوتا ہے جس پر جاوٹ
 کے لئے بڑی بڑی رنگارنگ کی پٹیاں لگی ہوتی ہوتی ہیں جس سے
 مصنف کی مراد غالباً پٹا پی کا کام ہے۔ لیکن اندر کی جانب خوبصورت
 مچھلی پٹن کی چھینٹ ہوتی ہے جو مخصوص اسی کام کی واسطے بنائی جاتی ہے
 جس پر عمدہ اور بڑھیا رنگ رنگ کے ریشمی مشجر لگے ہوئے اور اسپریشیم یا سرخ و سفید
 زرخی کا کارچوبلی یا چکن کا کام مع نہایت نفیس اور باریک حجاب کے بنا ہوا ہوتا
 ہے۔ اس میں تین چار انچ موٹے ردئی کے گدیوں کا فرش ہوتا ہے اور ان پر
 مکلف قالین اور زربفت کی مربع مسدین آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھنے کے لئے
 بھیجی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان خیموں کی چوبین ملمع یا عمدہ روغن کاری کی ہوتی ہیں
 اور ان دولوں ڈیروں میں جنہیں بادشاہ مع امراء ارکان دولت رونق
 بخش ہو کر نظم و نسق امور مملکت کیا کرتا ہے بادشاہ کے لئے ایک نہایت
 ہی مکلف اور آراستہ مرتفع جگہ ہوتی ہے جس پر ایک مخمل یا ریشمی مشجر کے
 وسیع شامیانہ کے تلے میٹر بادشاہ لوگوں کا سلام مچرائتا اور عرض حال سنتا ہے۔

خرگاہ کا بیان اور ڈیروں میں بھی ایسے ہی شامیا نے ہوتے ہیں گراؤں میں
 خرگاہیں ہوتی ہیں جو مثل ایک چھوٹی ٹسی کو ٹھہری کے ہیں اور ان کے چھوٹے
 چھوٹے دروازوں میں چاندی کے قفل لگے رہتے ہیں۔ خرگاہ کا نقشہ سمجھنے
 کے لئے یہ تصور کر لینا چاہیے کہ گویا ہمارے ملک فرانس کا لپٹ جانے
 والا ایک مربع چھپر کھٹ ہے۔ جو بقیہ دار دو چھپر کھٹوں کے بلندی میں ہے
 مگر چھپٹ اس کی چوڑی نہیں ہے بلکہ گنبد کی طرح کی ہے۔ لیکن خرگاہ اور
 چھپر کھٹ میں بڑا فرق یہ ہے کہ خرگاہ کے چاروں طرف پردوں کی جگہ بہت
 پتلی اور سبک باہر کی جانب ملمع یا روغن کئے ہوئے تختے لگے ہوئے
 ہوتے ہیں اور زیبائش کی واسطے گردا گرد ایشم اور زری کی جھالڑکی ہوتی اور
 اندر کی طرف قرمزی رنگ کا ایشمی شجر یا زلفیت منڈھا ہوا ہوتا ہے۔
 ان حالات کے لکھنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ اس مربع قطعہ کے اندر جو جو
 امور قابل بیان دلچاظ تھے سینے ان میں سے کوئی نہیں چھوڑا۔

شاہی ڈیوڑھی کے دو دنوں اب اس مربع قطعہ کے باہر کی جانب کے منظر کا ذکر کرتے

اس جگہ لفظ چھپر کھٹ ہندوستانی مذاق کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے مگر اصل کتاب میں لفظ سکینا
 ہے جس کے معنی چھپر کھٹ کے نہیں ہیں بلکہ اوٹ اور پردہ کے ہیں اور چونکہ انگریزوں کے گھروں میں
 اکثر ایک قسم کے کپڑے سے منڈھے ہوئے لکڑی کے ایسے چوکٹھے دیکھنے میں آتے ہیں
 جو تنہ کئے جاسکتے ہیں اور جن کو کمرے کے اندر کسی مناسب جگہ پر کھڑا کر کے تنات یا پردہ کا کام لیا جاتا
 ہے تو اس سے خیال ہوتا ہو کہ غالباً مصنف نے کسی ایسی ہی قسم کی چیز سے خرگاہ کو تشبیہ کی جو اس میں

طرف سے بجائے کوتل گھڑوں ہوئے پہلے میں اُن دو خوبصورت ڈیروں کا ذکر کرتا ہوں
 کے کھڑے رہنے اور ہر کاب جوشاہی ڈیوڑھی کے دونوں جانب ہوتے ہیں
 تو پخانہ کی توپوں کا ذکر۔ یہاں چرچت عمدہ کوتل گھڑے کسے کسائے اور
 نہایت مکلف ساز و سامان سے سجے بجائے کھڑے رہتے ہیں تاکہ کسی
 ناگمانی ضرورت کیوقت فوراً کام آسکیں لیکن بڑی غرض اس سے شان و شوکت
 اور تکلف دکھانا ہے۔

اسی شاہی ڈیوڑھی کے دونوں طرف ہر کاب تو پخانہ کی پچاس ساٹھ توپیں جو
 چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں ایک قاعدہ سے لگی رہتی ہیں اور جس وقت بادشاہ خیمہ میں
 داخل ہوتا ہے اطلاع اہل لشکر کے لئے انہیں سے سلامی کی جاتی ہے۔
 خیمہ معدن تقارخانہ کا ذکر بادشاہی ڈیوڑھی کے سامنے بقدر مناسب ممکن ایک
 وسیع صحن جس میں کوئی خیمہ وغیرہ بالکل نہیں لگایا جاتا ہمیشہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس صحن
 کی انتہا پر ایک بڑا ڈیرہ کھڑا ہوتا ہے جسکو تقارخانہ کہتے ہیں کیونکہ اس جگہ تقارے
 اور شہنائیں رہتی ہیں۔

امرا کے چوکی دینے کا ذکر اسی ڈیرہ کے قریب ایک اور بہت بڑا ڈیرہ لگتا ہے جسکو
 جہنم خانہ کہتے ہیں۔ یہاں امرا تو بہت نبوت ہفتہ میں ایک بار چوبیس گھنٹے
 پرہ دیتے ہیں۔ مگر اکثر امرا ایسا کرتے ہیں کہ خاص اپنے ہاں کا ایک ڈیرہ
 ٹھیک چوکی خانہ کے متصل زیادہ آسائش و خلوت کی غرض سے کھڑا کر لیتے ہیں
 مختلف کارخانوں کے ضیون کا ذکر اس بڑے مربع قطعہ کی باقی ماندہ تینوں جانب کچھ
 تھوڑا سا فاصلہ دیکر بعض عمدہ داروں اور ایسے کارخانوں کے خیمے لگائے

جاتے ہیں جسے خاص خاص قسم کے شاہی امور متعلق ہیں اور اگر کوئی خاص وجہ
 مثل تنگی مقام وغیرہ مانع نہ ہو تو یہ خیمے ہمیشہ ایک ہی ترتیب اور قرینہ سے
 لگا کرتے ہیں۔ ان ڈیروں کے جا بجا نام اور لقب ہیں لیکن ان ناموں کا تلفظ
 مشکل ہے اور چونکہ میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ میں آپ کو ہندوستانی زبان کی تعلیم دوں
 پس یہ کافی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب بیان کر دوں یعنی ان میں سے ایک
 دیرے میں تو بادشاہی ہتھیار رہتے ہیں اور دوسرے میں نہایت قیمتی زمین
 اور جزاؤں وغیرہ اور تیسرے میں کھواب اور زلفیت کی قبائیں وغیرہ جو بادشاہ
 کی طرف سے اکثر خلعت میں زیبائی ہیں۔ اور چار علییہ علییہ خیمے واسطے
 گنگا جل اور شورے کے جس سے پانی ٹھنڈا کرتے ہیں اور قسم قسم کے
 میووں اور حلوں اور مٹھیا کیوں اور پان وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ پان ایک
 قسم کا پتلا ہے جو کچھ خاص مصالحے لگا کر تیار کیا جاتا ہے اور بطور علامت عنایت
 و الطاف شاہی کے عطا ہوا کرتا ہے جسکے چبانے سے مونہ سے خوشبو
 آتی ہے اور لب رخ ہو جاتے ہیں۔ پندرہ سولہ ڈیرے اور ہوتے ہیں جو
 باورچی خانہ اور اس کے متعلقہ اشیاء کے کام آتے ہیں اور ان سب کے واسطے
 بہت سے عمدہ داروں اور خواجہ سراؤں کے ڈیرے ہوتے ہیں۔

سب سے اخیر خانہ گھوڑوں کے واسطے چھ ڈیرے اور ہیں جو نہایت
 بلے بلے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ڈیرے خاص بادشاہ کی
 سواری کے ہاتھیوں اور شکاری حیوانوں اور شکاری جانوروں کے لئے جو ہمیشہ
 بادشاہ کے ہمراہ رہا کرتے ہیں اور جن سے دونوں مطلب حاصل ہوتے ہیں

یعنی شاں و شوکت بھی اور سواری کی وقت شکار بھی اور شکاری کُتوں اور چیتوں کے لئے جو تیرن اور پیل گاہے کو پکڑتے ہیں۔ اور شیروں اور گینڈوں کے لئے جو شوکت دیکھانے کے لئے ہمراہ لائے جاتے ہیں اور بنگالی بھینٹوں کے لئے جو شیر پر حملہ کرتے ہیں اور پہلے ہوئے ہرنوں کے لئے جو اکثر بادشاہ کے سامنے لڑائے جاتے ہیں۔

خیام شاہی کے مفہوم ہیں لفظ خیمہ گاہ شاہی کے سمجھنے کے لئے یہی خیال وہ خیمہ بھی داخل ہیں مختلف نہ کر لینا چاہیئے کہ جو خیمے اُس مربع قطعہ کے اندر ہیں صرف کازمانوں وغیرہ متعلق ہیں انہیں سے یہ لفظ متعلق ہے بلکہ وہ بہت سے خیمہ جاتا جنکا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں وہ بھی خیمہ گاہ شاہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس تمام شاہی خیمہ گاہ کے لئے یہ امر ضروریات سے ہے کہ حتی الامکان اسکا موقع ہمیشہ سپاہ کے وسط میں ہو۔

خیام شاہی کی شان و شوکت اور عجیب پر شکوہ منظر کا بیان اب آپ بات سنی سمجھ لینے کہ یہ شاہی بارگاہ کس شان و شوکت اور کس کیفیت کی ہے اور جب یہ عظیم الشان سوخ خیموں کا مجموعہ ایک بڑی سپاہ کے بیچ میں قرب و جوار کی کسی بلندی سے دیکھا جائے تو دل پر اسکی شان و عظمت کا ایک عجیب اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ لشکر گاہ کا میدان بقدر کافی کشادہ اور اس قسم کا ہو کہ ہزاروں لوگ سپاہ کے سب دستے اپنی اپنی معمولی ترتیب اور قرینہ سے اُس میں اتر سکیں۔

۱۵ ان بھینٹوں سے جنگلی بھینٹے جنکو آڑنا بھینٹہ کہتے ہیں مراد ہیں ۱۲ س - م - ح -

لشکر کے بازاروں اور انکی جیسا کہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے سب سے اول میر سامان شاخت کے ذریعوں کا ذکر کہ یہ لشکر کرنی پڑتی ہے کہ پیش خانہ شاہی کے واسطے

ایک معقول موقع انتخاب کرے۔ اور سب خیموں سے خیمہ عام و خاص بلند موقع پر لگایا جائے۔ کیونکہ تمام لشکر کے اترنے کا انتظام اور ترتیب اسی کے باقرینہ نصب ہونے پر موقوف ہے۔ پھر وہ شاہی بازاروں کی جہاں سے تمام فوج کو رسد ملتی ہے دراغ بیلین لگواتا ہے۔ بڑا بازار ایک بڑی وسیع سڑک کی شکل پر کبھی عام و خاص کے دائیں اور کبھی بائیں ہستور سے لگایا جاتا ہے کہ کل لشکر کے اخیر سرے تک برابر چلا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے ہمیشہ اُس طرف لگایا جاتا ہے کہ جس طرف سے کہانگی منزل کے راستہ پر پڑے۔ دوسرے باد شاہی بازار جو عرض و طول میں ایسے نہیں ہوتے اور جنکے راستے اسی بڑے بازار میں سے ہوتے ہیں بارگاہ شاہی کے کوئی ایک طرف اور کوئی دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور ہر ایک بازار میں امتیاز اور شاخت کی واسطے ایک ایک نہایت بلند چھتہ اجسمیں سے پھر پیر اور سرے پر سورہ گائے دم لگی ہوتی ہے تین تین سو تدم کے فاصلے پر نصب ہوتا ہے۔

اگر کے خیمہ گاہیں اور ان کے اسکے بعد میر سامان اُمرا کی خیمہ گاہوں کے لئے قرینوں وغیرہ کا ذکر جگہ تقسیم کرتا ہے تاکہ ہمیشہ ایک ہی فریاد اور ترتیب ملحوظ رہے اور ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ بارگاہ شاہی سے اپنے اپنے معمولی جہل پر ہر خواہ دائیں ہو خواہ بائیں اور کوئی شخص اپنی معمولی جگہ کو جو اسکے لئے مقرر ہے

یا اُس جگہ کو قبل از شروع سفر کسی شخص کی درخواست پر اُس کے واسطے مخصوص ہو چکی ہو بدل نہ سکے۔

جو تعریف کہ مینے اُس بڑے مربع قطعہ کی کی ہے اکثر صورتوں میں دہی تعریف
اُمرا اور ارجاگاں کی خیاں گاہ پر بھی صادق آتی ہے یہ لوگ بھی عموماً اسطرح
دوپیش خانہ کرتے ہیں اور انکی خیمہ گاہیں اُسی طور پر قائم ہوتی ہیں۔
جوان کے زنانوں کے بڑے خیموں کے گرد اگر دنگائی جاتی ہیں گھر کر مربع
شکل کی ہو جاتی ہیں اور ان کی این مربع صورت کی خیمہ گاہوں کے باہر بدستور
اُن کے سرداروں اور سواروں کے ڈیرے کھڑے ہوتے ہیں اور اسطرح
ایک بازار بھی ہر امیر کی خیمہ گاہ کے متعلق ہوتا ہے۔ جس میں اُن کی فوج کے
ہرکاندار اور بہر کے لوگ چھوٹی چھوٹی پالیں وغیرہ دگا کر گھاس دانہ چاول گئی
وغیرہ اجناس بیچا کرتے ہیں اور اسطرح ہر اُمرا کے لشکروں میں بادشاہی
بازاروں سے جنہیں کل سامان اور اجناس اکثر مثل پائے تخت کے میسر
آسکتی ہیں کسی شے کی خریداری کی چندان احتیاج نہیں پڑتی۔ ہر ایک
بازار کے دونوں سروں پر ایک ایک جھنڈا مع علیحدہ علیحدہ رنگ کے پھریں
جو بلند میس بادشاہی بازاروں کے جھنڈوں کے برابر ہوتے ہیں استادہ
رہتا ہے۔ تاکہ ہر ایک امیر کی خیمہ گاہ دور ہی سے جدا جدا معلوم ہو جائے۔

اُمرا کو بہت اونچے اور سرخ رنگ کے خیموں کے اگرچہ بڑے اُمرا اور بڑے بڑے راجے
رکھتے اور خیاں شاہی کی طرف پشت کر کے اونچے اونچے ڈیرے رکھنا اپنا فخر جانتے
اپنے خیمے لگوانے کی مانت کا ذکر۔
ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ وہ اس قدر اونچے

نہ ہوں کہ پادشاہ کی نظر اُن پر پڑ جائے اور وہ اُن کے گرا دینے کا حکم دیدے
 جیسا کہ اُس نے ہمارے اسی سفر میں کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی ضرور ہے
 کہ اُن کے خیموں کی بیرونی جانب ہی تمام سرخ نہ ہو کیونکہ یہ رنگ صرف
 بادشاہی ڈیروں کے واسطے مخصوص ہے۔ اور شاہی تنظیم اور ادب
 کے خیال سے یہ بھی واجب ہے کہ امرا کے خیموں کے موہنہ عموماً عام و خاص
 اور قیام شاہی کی طرف کو رہیں (یعنی پشت وغیرہ اُس طرف نہ ہونے پائے)
 چھوٹے درجہ کے امرا اور اُوڑاہل شکر باقی زمین جو مابین خیم شاہی اور امرا کے
 کے خیموں وغیرہ کے قریب کا ذکر۔ خیمے گاہوں اور بازار کے ہوتے ہیں اس میں
 چھوٹے درجہ کے امیروں اور منصف داروں اور اہل توحیدانہ اور ہر قسم
 کے تاجروں اور دکان داروں اور ملکی عہدہ داروں اور اُوڑا شخصاء کے
 خیمے نصب ہوتے ہیں جو اپنی اپنی اغراض اور مطالب مختلفہ کی وجہ
 سے لشکر کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس سبب سے اس لشکر میں عجیب و شمار خیمے
 ہوتے ہیں اور زمین کا ایک بہت ہی بڑا سطح اُن کے کھڑے ہونے کے
 لئے درکار ہوتا ہے۔

کل لشکر کے لئے جب قدر زمین درکار اگرچہ کل اشخاص موجودہ لشکر کی تعداد اور
 ہوتی ہے اُس کا بیان۔ وسعت زمین خیمہ گاہ کی نسبت بعض رنگین

سیاحوں نے بہت مبالغے کئے ہیں مگر اصل یہ ہے کہ جب کبھی
 لشکر کا قیام کسی ایسے پڑاویں بھی ہوتا ہے کہ جسمیں ترتیب معینہ کے موافق
 کل خیمہ جات بخوبی فراغت سے نصب ہو سکیں تب بھی میرے قیاس

میں لشکر کا کل دور چھ سات میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ لشکر گاہ کے اندر زمین کے بعض قطعات اکثر یوں ہیں خالی اور بے مصرف پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ البتہ مجھے اس جگہ یہ بات بھی ظاہر کر دینی واجب ہے کہ بجاری تو پختہ جبکہ ہمیشہ بہت جگہ درکار ہوتی ہے عموماً کل لشکر سے ایک دو منزل آگے چلا جایا کرتا ہے۔

بادشاہی لشکر کے عجیب | علیٰ ہذا القیاس جو عجیب انتشار اور شور و غل اس لشکر میں ہوا انتشار اور شور و غل کا ذکر۔ | کرتا ہے اور جو کسی نوادار شخص کو حیرانی میں ڈالتا ہے

اسکے بیان میں بھی بہت سبالذہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آپ کو اگر تھوڑی سی ہی ذائقہ اس امر کی ہو کہ اس لشکر میں خیمے کس تفریق و ترتیب سے نصب ہوتے ہیں تو آپ ایک تھوڑی سی وقت کے ساتھ ہر جگہ جہاں ضرورت ہو پہنچ سکیں گے۔

لشکر کے مختص الموضع جھنڈون اور خیام شاہی اور ہر ایک امیر کے مختص الموضع خیمے نشانوں کے رہنا ہونیکا ذکر۔ اور نشان اور وہ سورہ گائے کی دم والے جھنڈے

جو بادشاہی بازاروں میں لگتے ہیں۔ اور جو سب بہت دور سے نظر آتے ہیں۔ چند روز کے تجربہ کے بعد ایسے راہبر ہو جاتے ہیں کہ کہو لنے نہیں دیتے

منزل پر پہنچنے کے وقت فرد و گاہ کے پہچاننے اور اُس تک پہنچنے میں جو مگر واقعی باوجود ان سب احتیاطوں اور علامات کے بھی کہی کہی ڈیرے کے پہچاننے اور ملنے میں ایک نہایت غلط ملامت اور وقت

ہوتی ہے خصوصاً فجر کو جب نوح اپنی فرد و گاہ پر آتی ہے اور ہر تنفس بڑی سرگرمی سے اپنی خیمہ گاہ کی تلاش اور ڈیرہ کرنے کے بندوبست میں

مشغول ہوتا ہے اور گرد و غبار کے مارے یہ سب نشان اور علامتیں بالکل چھپ جاتی ہیں اور بارگاہ شاہی اور مختلف بازاروں اور امرا کے خیموں کا پہچاننا اور امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ علاوہ برین وہ خیمے جو نصب کئے جانے کے لئے پھیلائے ہوئے یا نیم استادہ ہوتے ہیں اکثر راستہ ملتے میں حاج ہوتے ہیں اور نیز وہ طول طویل رسیاں جو کم و جب امرا اور منصب دار جنگے پاس پیش خیمے نہیں ہوتے ہیں اپنی اپنی حدود کے گھیر لینے کو اور بغرض اسد آمد و رفت عوام اور اُس مراد سے (بصورتیکہ اُن کے قبائل ساتھ ہوں) کہ اُن کے قریب کوئی غیر شخص ڈیرہ نہ کر سکے بندھوا دیتے ہیں بڑی سدا رہا ہوتی ہیں۔ کیونکہ اُن کے نوکر چاکروں کی ایک فوج کی فوج ہاتھوں میں ٹونڈے لئے نگہبانی کے لئے کھڑی رہتی ہے جو ان رسیوں کو نہ تو سرکانے ہی دیتے ہیں اور نہ نیچا کرتے دیتے ہیں اور لامحالہ اُلٹے پاؤں پھرنا پڑتا ہے اور اس عرصہ میں جو اس طرف راستہ لینے میں بیفائدہ سعی ہوتی رہے دوسری طرف کا راستہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

اب اونٹ لدے کھڑے ہیں اور اُن کے نکال لیجانے کی بجز اسکے کوئی سبیل نہیں ہے کہ اُن نوکر چاکروں کو وہمکائے بھی اور سنت سماجت بھی کیجئے اور سمجھانے بوجھانے کے ساتھ کبھی ایسا غصہ دکھلائیے کہ گویا تم اُن کو ابھی پیٹ ڈالو گے مگر کیوں ہاتھ تک لگاتا نہیں چاہیے۔ اور دونوں طرف کے نوکروں چاکروں کے باہم اول ایک سخت قال و مقال پیدا کر کے پھر اُن کو یہ ڈرا دینا چاہیے کہ اس حرکت کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اور اس طرح پر

اُن کے باہم صلح کر کر وقت کو غنیمت جانیئے اور اپنے اونٹ نکال لیجائیئے۔
 شام کی وقت دہویں کی کثرت سے اہر اُدھر جانے میں قوت پیش آتی ہے اسکا ذکر۔

اور اونٹوں کی مینگلیاں اور گیلی لکڑیاں جلاتے ہیں اور اُن کے سید و شمار چوٹھو نکا دھواں خصوصاً جبکہ ہو کام ہو نہایت مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور آسمان بالکل تیر و تار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں ہی تین چار بار اس دہویں کے سمندر میں بھنس گیا تھا اور ہر چہ راستہ دریافت کرتا تھا مگر نہیں ملتا تھا اور اگرچہ ادھر ادھر بہت سا چکر اٹا پھر اگر کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ دہویں کے موقوف ہونے اور چارہ کے نکلنے تک ایک جگہ توقف کرنا پڑا اور پھر

ایک دوسری مرتبہ میں بڑی مشکل سے اکاس دیئے تک پہنچا اور مع اپنے اکاس دیا اور اسکے فائدہ کا ذکر گھوڑے اور سائیس کے اُسی کے نیچے رات بسر کی۔

یہ اکاس دیا جہاز کے ایک بڑے مستول کی مانند مگر نہایت نازک اور پتلا ہوتا ہے جسکے اتار تے وقت الگ الگ تین ٹکڑے ہو جاتے ہیں یہ بارگاہ شاہی کی طرف نقار خانہ کے قریب لگایا جاتا ہے۔ اور رات کی وقت اسکی چوٹی پر ایک قندیل لٹکتی رہتی ہے۔ یہ نہایت ہی مفید چیز ہے۔ کیونکہ اس دھواں دھارتاریکی میں جب کچھ نظر نہیں آتا تو یہ دکھائی دیتا ہے اور جو لوگ راستہ بھول جاتے ہیں وہ یا تو اسی کے نیچے چروں سے امن میں رات کاٹ لیتے ہیں یا وہاں پہنچ کر پھر اپنے ڈیڑے کو ڈھوڑ ڈھانڈ کر بتا لگاتے ہیں۔

لفظ اکاس دیا کا ترجمہ آسمانی روشنی کے لفظ کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ قندیل دور سے ستارہ سا چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

بادشاہی لشکر میں چوری کے انسداد
انسداد دزدوں کے واسطے ہر ایک امیر اپنے اپنے
خیمہ پر چوکیدار رکھتا ہے جو رات کو برابر ڈیرے
کا جو انتظام ہے اُس کا ذکر۔

کے اُس پاس گشت کرتے ”خبردار خبردار“ پکارتے رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ تمام فوج کے گرد اگر دہان سو قدم کے فاصلہ پر پہرہ والے ہوتے ہیں جو اپنے پاس آگ جلائے رکھتے اور ”خبردار خبردار“ پکارتے رہتے ہیں۔ اس احتیاط کے علاوہ کوئوال ہر ایک طرف اپنے برقدار بھیجتا ہے جو خاص کر بازاروں کی زیاد و خیر خبر گیری کرتے اور شور و غل کے علاوہ نرسنگا بھی بجاتے رہتے ہیں۔ مگر باوجود ان سب احتیاطوں اور خبرداروں کے چوری اکثر ہوتی رہتی ہے اسلئے مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ہمیشہ بڑی خبرداری اور چستی سے رہنا چاہیے اور اپنے ملازموں کی حفاظت اور بیداری پر زیادہ بھروسہ نہ رکھنا چاہیے اور رات کو اول وقت کچھ آرام کر لینا چاہیے تاکہ باقی ماندہ رات کو حفاظت کے واسطے گنجائش ہو۔

بادشاہ کی سواری کے طریقہ کا بیان
اب میں شہنشاہ کے سفر کرنے کے وہ مختلف طریقے
جو اُس نے اس موقع پر اختیار کئے تھے بیان کرتا ہوں۔

تحت رواں کا ذکر
اکثر اوقات بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتا ہے جسکو کمار اٹھاتے ہیں۔ یہ تخت ایک قسم کا مکعب جو بین بنگلہ ہوتا ہے جسکے روغن کاری اور طع کے ستوں اور آئینہ دار کھڑکیاں ہوتی ہیں جو تیز ہوا اور بارش وغیرہ کے دقت بند کیجاتی ہیں۔ اس تخت کے چاروں ڈنڈے جو کماروں کے کاندھے پر ہوتے ہیں تیز رنگ کی سرخ

بانات یا کخواب سے منڈھے ہوئے اور زری اور لیشم کی نہایت کا مدار حجار سے
اڑاستہ اور سبھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر ایک ڈنڈے کو دو مضبوط اور خوش پوشاک
کما رنگے رہتے ہیں جنکی بدلی کے واسطے نوبت بہ نوبت اڑا آٹھ کما موجود رہتے ہیں۔
کبھی بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب موسم موافق اور قابل شکار
کے ہو اور کبھی ہاتھی پر میگہ ڈنبر یا ہودے میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے جو نہایت ہی شان دار
اور باشوکت سواری ہے۔ کیونکہ اسکی جھول ایسی عمدہ اور سازد سامان اس قدر
قیمتی اور مرغ اور زرق برق کا ہوتا ہے کہ اسکی زیبائش پر کوئی چیز فوق نہیں لیجا سکتی۔
ہاتھی کے میگ ڈنبر اور ہودے کا بیان
میگہ ڈنبر و عنکاری اور طبع کا ایک چھوٹا سا چوبی بنگلہ
مربع شکل کا سمجھنا چاہیئے۔ اور ہودہ ایضاً فوی شکل کی ایک نشست ہے جسکے سنہری
اور نہایت منقش تلو فیر ایک نہایت مکلف شامیانہ ہوتا ہے۔

کچ کے وقت امر اور راجے بادشاہ کے
ساتھ جس طرح سے چلتے ہیں اسکا بیان
ہر ایک کوچ میں بادشاہ کے ہمراہ بہت سے امرا
اور راجے ہوتے ہیں جو بہت قریب قریب اسکے
پیچھے گھوڑوں پر چلتے ہیں اور بطور ایک بے ترتیب مجمع کے سب کے سب باہم اس طرح
لے چلے چلتے ہیں جنہیں چنداں کما کسی قاعدہ کا نہیں ہوتا۔ کوچ کے روز علی الصلیح
سب امرا باستاندراؤن کے جن کی عمر زیادہ ہو یا ان کا عمدہ ہی منتقصی اس استثناء کا
ہو خیر عام و خاص میں جمع ہوتے ہیں اور اس کوچ سے امرا کو بہت کو گفت اور
ماندگی ہوتی ہے خصوصاً آشکار کے دن کیونکہ اس حالت میں اکثر اوقات پہر یعنی
تین بجے تک برابر دھوپ اور گرمیوں کی مانند حیران ہونا پڑتا ہے۔
امرا بادشاہ سے علیحدہ جس لطف سے منزل طو کر رہے ہیں اسکا بیان
مگر یہ آسائش پسند امر آج بادشاہ

کے ہر کاب نہیں ہوتے تو اور ہی طرح سفر کرتے ہیں اور نہ تو ان کو دھوپ
 ہی ستاتی ہے اور نہ گرد ہی بلکہ حسب پسند طبع بندیا کملی پاکی میں ایسے جاتے
 ہیں جیسے پلنگ پر لیٹے ہوئے اور بلا وقت آرام سے سوتے ہوئے اپنے
 خیمہ میں جا پہنچتے ہیں جہاں ان کو یقیناً عمدہ کھانا اور ہر ایک ضروری چیز تیار
 ملتی ہے۔ کیونکہ یہ سب سامان رات کو کمانا کمانیکے بعد فوراً آگے کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔

سواری کے وقت جو گرز بردار سواری کی حالت میں ان امر اگے گرد پیش بہت سے
 امر اور بادشاہ کی سواری سواجن کو گرز بردار کہتے ہیں اور جن کے پاس چاندی کا گرز
 کر ساتھ رہتے ہیں نکا ذکر ہوتا ہے سب طرح سے ساز و سامان سے درست موجود ہوتی ہیں

بہت سے گرز بردار بادشاہ کے بھی ہر کاب ہوتے ہیں جو آگے آگے واپس
 اور بائیں سپیدوں کے ایک بڑے جگہٹ کے ساتھ چلتے ہیں۔ گرز بردار چیت

اور وجہ یہ جو ان ہوتے ہیں اور احکام اور فرائض شاہی وغیرہ
 ان کے ہاتھ بھیجتے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے عصا ہوتی ہیں
 اور بادشاہ کی سواری کے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہتے ہیں تاکہ راستہ صاف ملے

راجاؤں کی سواریوں کے بعد راجاؤں کی سواریوں کے بعد تو رچلتا ہے جس میں بہت
 تو جس طریقہ سے چلتا ہے ان کا بیان سی شہنائیں اور نثار سے بھی ملے ہوئے چلتے

۱۵ نور دن در) بمعنی ہتھیار کی لفظ ہے اور اس سے بادشاہی سلطنت مراد ہے۔ آئین اکبری
 میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے یہ آئین باندھا تاکہ مختلف قسم کے سلاحت مثل تلوار، نیزہ، خنجر
 کمان، جھنڈہ، گھڑ وغیرہ جیسے کہ اس وقت ہر درجہ سے روزمرہ ایک مقررہ تعداد کے موافق منسلک
 اور اہدیوں کی ایک جماعت کو اس مطلب سے سپرد رہتے تھے کہ بادشاہ سفر اور حضر میں

ہیں۔ اس تو ریس جیسا کہ سینے پہلے میاں کیا ست چاندی کی بنی ہوئی بہت سی مختلف الوضع چپے بن بھی جو ایک چاندی کی لمبی چوب پر نصب کی ہوئی ہوتی ہیں شامل ہو کر چلتے ہیں۔ جنہیں سے بعض تو عجیب عجیب جانوروں کی صورت کی ہیں بعض ہاتھ کے پنجہ اور ترازو اور مچھلی وغیرہ اور بعض اور عجیب الفہم اشیا کی شباہت کی۔

تورخانہ کے بعد منصب داروں کا اس کے پیچھے ایک بڑا غول منصب داروں یعنی کم درجہ جو غول آتا ہے اس کا بیان۔ کے امر اکا آتا ہے جو تھیا سچاے عمدہ گھوڑوں پر چڑھا

ہوتے ہیں یہ لوگ دل امر اسے جو بادشاہ سے پیچھے چلتے ہیں۔ تعداد میں کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان منصبداروں کے علاوہ جنگل و انہی پر کیو جوہ سے علی الصباح بادشاہی خیمہ پر بادشاہ کی ہمراہی کے لئے جمع ہونا ضرور ہے اور یہی بہت سے منصب دار اس غرض

سے شریک جلوس سواری ہو جاتے ہیں کہ بادشاہ کی زیر نظر ہر کچھ ترقی حاصل کریں بیگمات کی سواری کی چیزوں شہزادیاں اور محل کی بڑی بڑی بیگمیں بھی کئی قسم کی اور انکی زیب و زینت کا بیاں سوار یوں میں چلتی ہیں جنہیں سے کسی کو تو چوڑا دل پسند

ہے جبکہ کمار اٹھاتے ہیں اور تخت رواں سا ہوتا ہے اور جس پر طبع اور روغن کاری کا کام بنا ہوا ہوتا ہے اور رنگارنگ کے ریشمین خوش نما گھٹا ٹوپ پڑے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹ جو وقت چاہے ان میں سے کوئی ہتھیار لیکر خواہ خود استعمال کرے خواہ رقم

کے موافق کسی سردار یا سپاہی کو حسب ضرورت بخش دے اور سفر کے وقت جب یہ سلخ خانہ چلتا تھا تو شاہ و شوکت دکانے کیلئے سماں جلوس شاہ یعنی نشانوں اور ماسی مراتب اور نقاروں وغیرہ کے ساتھ مل جل کر چلتا تھا گو دراصل یہ کارخانے قور سے علیحدہ تھے۔ س م ح

ہوے اور زری کی جھالیں اور خوبصورت پھندے وغیرہ جگے جگے ہوتے ہیں۔ بعض عمدہ عمدہ بالکیوں میں جو چوڑوں کی طرح خوب سجی سجائی ہوتی ہیں سوار ہوتی ہیں۔ اور بعض شاہزادیاں بڑے بڑے محلوں میں جو وہ مضبوط اونٹوں یا دو چھوٹے ہاتھیوں کے پیچ میں معلق ہوتے ہیں چلتی ہیں۔ جانتے سینے کبھی کبھی روشن آرا میگو کو محفل میں سوار دیکھا ہے اور کئی بار یہ بھی دیکھا ہے کہ محفل کے آگے کی جانب جو کھلی ہوئی تھی ایک لوجوان خوش لباس لونڈی بیٹھی ہوئی گرد اور مکھٹیوں کے دور کرنے کے لئے میگو صاحب کو موچھل کر رہی تھی یگیں اکثر ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتی ہیں جنکے بڑے بڑے چاندی کے گھٹنے پڑے ہوئے اور بڑے قیمتی ساز و سامان سے بچے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جنگی جھولیں وغیرہ نہایت زرق برق اور بیش قیمت اور وہاں ایشی چپ زین جو جھول وغیرہ میں لٹکانی جاتی ہیں نہایت عمدہ زردوزی کام کی ہوتی ہیں۔ حسین اور ممتاز میگیں اپنے میگو ڈنبروں میں بیٹھی ہوئی یون دکھائی دیتی ہیں گویا ہوا میں پریاں اڑتی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک میگو ڈنبر میں آٹھ عورتیں بیٹھ سکتی ہیں۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور میگو ڈنبر کے ہر ایک خانہ پر ریشمین حالی کا غلاف بڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور چوڑوں اور تخت رداں کی شان و شوکت اور زرق برق سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ اور بیگمات کی سوار یوں کا تجمل اس قدر دلچسپ ہے کہ اس سفر میں یہ تماشا میرے لئے بدرجہ غایت کشش دلی کا باعث رہا ہے اور اسکی یاد اور خیال سے اب بھی طبیعت کو ایک مسرت حاصل ہوتی ہے۔

روشن آرا بیگم کی سواری چنانچہ آپ اپنے خیال کو خواہ کیسی ہی وسعت اور طول کے جلوس کا ذکر۔۔۔ دیکھئے مگر روشن آرا بیگم کی سواری سے زیادہ کوئی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کا تماشا قیاس میں نہ آئیگا۔ یہ بیگم بیگم کے ایک نہایت عمدہ اور بڑے قد اور ہاتھی پر ایسے میگہ ڈنبر میں سوار ہوتی ہے جسکی سنہری اور لاجوردی رنگتوں کی چمک دمک قابل دید ہے۔ اُسکے ہاتھی کے پیچھے پانچ چھ اور ہاتھی چلتے ہیں جنپر اُسکے محل کی معزز عورتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے میگہ ڈنبر بھی شان اور خوبصورتی میں روشن آرا بیگم کے میگہ ڈنبر جیسے بلکہ قریباً ویسے ہی ہوتے ہیں شاہزادی کے قریب بڑے بڑے اور خاص خاص خواجہ سر بھاری بھاری پوشاکین پہنے ہوئے نفیس گھوڑوں پر سوار ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ہوئے چلتے ہیں اور اُسکے ہاتھی کے ارد گرد ایک رسالہ کشمیری اور تاناری عورتوں کا ہوتا ہے جو بڑے بناؤ سنگار کئے ہوئے خوبصورت اور بادا گھوڑوں پر سوار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے خواجہ سر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں جنکے ساتھ ایک بڑی بھٹی پریڈل ملازموں کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں بڑی بڑی چھڑیاں لئے ہوئے شاہزادی کی سواری کے دائیں بائیں بہت دور آگے اس مراو سے چلتے ہیں کہ راستہ کو صاف اور کھلا رکھیں۔ اور ہر ایک شخص کو جو سامنے آجائے مٹھائے تے جاتیں۔

بڑی بیگم اور اور بیگم کی روشن آرا بیگم کی سواری کے ساتھ ہی محل کی بڑی بیگم سوار ہوں کا ذکر۔۔۔ کی سواری نمودار ہوتی ہے اور قریباً ہی سب تکلفات اسیں بھی ہوتے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح پندرہ سولہ بڑی بڑی بیگمیں شان و کثرت

اور دھوم دھام کے ساتھ جوان کے مرتبہ اور مشاہدہ اور منصب کی مناسبت سے کم زیادہ ہوتی ہے گزرتی ہیں۔

بیگمات کی سواریوں کی شان اور مسگڈنبروں کی وہ چمک دمک اور نہایت دشوکت اور دلچسپی کا ذکر۔

خوش لباس اور بے شمار ہیرا ہریوں اور خدمت چشم کا انوکھ واقعہ میں دیکھنے والے کے دل پر شاہی شان و شوکت کا ایک عجیب اثر ڈالتا ہے اور اگر میں ان سب و نظریہ سامان کو فلسفیانہ بے اعتنائی کی نظر سے نہ دیکھتا تو بیشک میں بھی انہیں ہندوستانی کیشیروں کی مانند جو استعارے کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ یہ شاہزادیاں نہیں بلکہ دیویاں ہیں جو ہاتھیوں پر مسگڈنبروں میں بیٹھی ہوئی حلاوت کی نظروں سے پوشیدہ پوشیدہ جا رہی ہیں اپنے خیالات کی بلند پروازی کا مغلوب ہو جاتا۔

جو سخت انتظام گیوں کی سواری کے نزدیک بجانے کے باب میں ہے اسکا اور ایک اپنے پرگز ہے کو نظر آسکیں پس واسے بر حال اس سوار کے جو کسی اتفاق سے بیگمات کی سواری کے نزدیک

جلنے لگے کیونکہ یہ شخص خواہ کیسا ہی ذی رتبہ کیوں نہ ہو خواجہ سراؤں اور خواصوں وغیرہ کے ہاتھ سے پٹے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ لوگ ایسے موقع پر بڑے شوق سے اسکی خوب ہی گت بناتے ہیں۔ چنانچہ میں ایسی جلدی نہیں بھول سکتا کہ ایک بار میں بھی اس بلا میں پھنس گیا تھا اور ہزار وقت و شکل اس سیر حمانہ سنوگ سے

نجات پائی تھی جس میں بہت سے سوار پھنس چکے تھے۔ میں نے یہ ٹھکانہ لی تھی کہ خواہ کچھ ہی ہو ایک خوب مقابلہ کئے بغیر میں اُن سے ماہ نہیں کمانیکا۔ پس میں نے اپنی تلوار کی بچ ل اور خوش نصیبی سے میرا گھوڑا بھی مضبوط اور بہت جاندار تھا اور اس طرح پر اس قابل ہو گیا کہ تیغ بکٹ اُن حملہ آوروں کی بھیڑ کو چیر کر نکل گیا اور ایک تیز روندی میں جو سامنے تھی گھوڑا ڈال کر پارا تر گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام فوج میں یہ بات ایک مثل کی طرح مشہور ہے کہ تین موقعوں سے نہایت بچنا اور احتیاط کرنا واجب ہے۔ اول غاصے اور اکوئل گھوڑوں میں جا گھسنے سے جہاں دو لٹیاں اور پشت تکیں بھیساب ہیں۔ دویم شکار گاہ میں جاد داخل ہونے سے۔ سویم بیگیاں شاہی کی سواری کے قریب جا رہنے سے۔ ! اور ایران میں تو یہ تیسری صورت سب سے بڑی ہے۔ کیونکہ میں سنتا ہوں کہ اگر وہاں کوئی شخص خواجہ سراؤں کو اتنے فاصلہ پر بھی نظر پڑ جائے کہ جہاں سے بیگیاں تک ایک میل کا فاصلہ ہو تو اُس غریب کی جان نہیں بچ سکتی اور یہ ضرور ہے کہ جس شہر اور گائو میں ہو کر بیگیاں کی سواری نکلے وہاں کے تمام مرد اپنے اپنے مقام و مسکن کو چھوڑ کر بہت فاصلہ پر بھاگ جائیں۔

بادشاہ کے شکار کیلئے اب میں کچھ بادشاہ کے شکار کا بیان کرتا ہوں میری سمجھ میں کسی نہ آتا تھا کہ شہنشاہ مغل ایک لاکھ آدمی کے لشکر کے ساتھ کس طرح شکار کہیل سکتا ہے۔ لیکن بلا شک ایک خاص صورت ہے جس کے سبب سے دو لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ فوج کے

بادشاہ کے شکار کیلئے کے طریقہ کا ذکر۔

ساتھ شکار کیل سکتا ہے۔ چنانچہ وہ صورت یہ ہے کہ اگر وہ دہلی کے نواح میں دیاے جہنا کے کنارے کنارے کو ہستان تک اور اُس شاہراہ کے دونوں جانب جو لاہور کو جاتا ہے زمیں کا ایک بڑا حصہ بخر پڑا ہوا ہے جو جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف الاقسام گھاس سے جو دو دو گراؤ پچی ہے ڈھکار ہوتا ہے۔ اور ان سب زمینوں کی بڑی نگرانی سے محافظت کی جاتی ہے۔ اور سوائے تیر بٹیر اور خرگوش کے جنگو ہندوستانی لوگ بال سے پکڑتے ہیں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو شکار گاہ میں جا کر کسی قسم کے شکار کو جو احتیاط اور حفاظت کی وجہ سے بیکار ہے نہیں چھیڑ سکتا۔ جب کبھی بادشاہ شکار کو جاتا ہے تو وہ شکاری جسکے ضلع کے قریب ہو کر لشکر شاہی کا گزر ہو حاضر ہو کر میر شکار شاہی کو اپنے علاقہ کے مختلف القم شکاروں کے حالات اور اُس جگہ کے احوال سے جہاں شکار با فراط موجود ہو مطلع کرتا ہے اور اُسکے اطلاع دینے پر شکار گاہ کے ناکوں اور خاص خاص موقعوں پر پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ قطعہ جو منتخب کئے گئے ہیں کامل طور پر محفوظ رہیں۔ یہ قطعات کبھی کبھی دنل میل کے وسعت میں ہوتے ہیں اور اُس شکار گاہ سے کہ جہاں بادشاہ شکار کیلا جاتا ہے اہل لشکر کوچ کے وقت دائیں یا بائیں کو اس طرح ہر سچکر چلتے ہیں کہ بادشاہ بغیر کسی طرح کی وقت کے صرف اُس قدر امر اور لوگوں کے ساتھ جنگو اجازت دی گئی ہو شکار گاہ کے اندر بلا ہرج مرج داخل ہو کر بخوبی واطمینان تمام انواع و اقسام کے شکاروں سے جیسا جیسا کہ موقع اور حالت ہو محفوظ

دوسرے ہوتا ہے۔

پچھتے وغیرہ کے شکار کا ذکر اب میں اول یہ بیان کرتا ہوں کہ سدھا سے چھتوں سے ہرن کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے مجھ کو یاد ہے کہ مینے کسی اور موقع پر آپکو لکھا تھا کہ ہندوستان میں سینگ والے ہرن بکثرت ہیں جو ہمارے ملک کے اُس قسم کے ہرن سے جسکو فانٹ کہتے ہیں بہت مشابہ ہیں۔ اور ان کی ڈائیں ہوتی ہیں جن میں اکثر پانچ چھ ہرن سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور ایک ہرن ڈار کے پیچھے چلتا ہے جو اپنے رنگ سے باسانی بھیجا جاتا ہے۔

اب شکار کا طریقہ سنئے کہ ہرن کی ڈور کے نظر پڑتے ہی ایک چھتے کو جو ایک چھوٹی سے گاڑی پر زنجیر سے بندھا رہتا ہے وہ ڈار دکھلا دیتے ہیں اور یہ سیانا اور مکار جانور فوراً اُسکے طرف نہیں دوڑ پڑتا بلکہ ایک بڑی احتیاط سے اُنکے ارد گرد چھپ چھپ کر اور دبک دبک کر چلتا ہے اور اس طریق سے بے معلوم ایسا نزدیکیاں پہنچتا ہے کہ پانچ ہی چھتے ہرن میں جنکی بعید القیال سرعیت اس جانور میں مشہور ہے اُن کے پکڑ لینے کا قابو بخوبی حاصل کر لیتا ہے اور اگر اپنے حملہ میں کامیاب ہوتا ہے تو معاشکار کے خون اور دل و جگر سے پیٹ بھر لیتا ہے۔ اور اگر دار خالی جاتا ہے دچنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے تو پھر دوسرا حملہ نہیں کرتا بلکہ چپکا کھڑا ہو جاتا ہے! فی الواقع اس امر میں کوشش کرنا کہ سیدھی اور واجبی دوڑیں چیتا ہرن کو پکڑے بیفائدہ ہے کیونکہ ہرن چیتے سے بہت تیز دُور دُور دم ہوتا ہے! چیتے باہن کو اُسکے پس پرکا کر گاڑی پر

لے ف ا ن

بٹھا دینے میں کچھ وقت نہیں اٹھانی پڑتی چنانچہ آہستگی سے اُسکے پاس جا کر
چمکارتا اور دو ایک گوشت کے ٹکڑے آگے ڈال کر اور آنکھیں بند کر کے زنجیر سے
باندھ دیتا ہے۔

اسی سفر میں ایک چلتے نے اتفاقاً ہم لوگوں کو ایک عجیب اور حیرت افزا
تماشا دکھلایا یعنی ایک روز جو ہر نون کی ایک ڈار فوج کے درمیاں ہو کر نکل بہاگی
جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے تو اتفاقاً وہ جیتوں کے بہت ہی قریب ہو کر نکلی
جو حسب معمول گاڑیوں پر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور اُن میں سے
ایک نے جب کسی آنکھیں بند نہ تھیں ایک ایسی تیز چھٹ کی کہ زنجیر توڑ کر ہر نون
کے پیچھے دوڑ پڑا۔ لیکن کیوں کہ بڑے بڑے گاڑیوں کو انکی دوت دھک اور لقاب سے
مجبور ہو کر یہ ہر نون کی ڈار جو پھر پیچھے کوڑھی اور ایک ہرن اُسی چلتے کے پھر قریب
ہو کر نکلا تو اُس نے باوجودیکہ جھٹ سے ٹھوڑے اور ادنیٰ بیج میں حامل تھے
جھپٹ کر اُسکو پکڑ لیا اور اس سے یہ عام مقولہ کہ چھیتا اپنے شکار پر چاول دفعہ کی
جھپٹے بیج جاے پھر نہیں دوڑتا، غلط ثابت ہو گیا۔

نیل گائے کے شکار کے یہ نظریہ بہت دھسپ نہیں ہے۔ ان کو بڑے بڑے
 وسیع جالوں میں گھیر کر بتدریج ان کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب وقت
اُسکی وسعت بہت کم رہ جاتی ہے تو بادشاہ امرا اور شکاریوں کو ساتھ لیکر اُس میں
داخل ہوتا ہے اور انکو تیرا دربر چھی اور تلوار اور ق۔ این سے مار لیتے ہیں اور
کبھی کبھی یہ جانور اسقدر مارے جاتے ہیں کہ بادشاہ اُن کا گوشت تحفہ کے
طور پر سب امرا کے لئے بھیجتا ہے۔

کو بچوں کے پکڑنے کا عجیب اور قابل دید طریقہ ہے اور ان کی اس جرات کے دیکھنے سے جو وہ اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے شکاری پرندوں کے مقابلہ میں دکھاتی ہیں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی وہ اپنے حریف کو مار بھی لیتی ہیں لیکن سست پروازی کی وجہ سے جو بھرتی کے ساتھ اودھراؤ دھرنیں بھر سکتیں دشمنوں سے جنگی تعداد و مہدم بڑھائی جاتی ہے مغلوب ہو جاتی ہیں لیکن ان سب شکاروں میں شیر کا شکار صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ خاص بادشاہی شکار ہے کیونکہ بجز خاص اجازت کے جو کسی امیر کو دیجائے بادشاہ اور شہزادوں کے سوا اس شکار میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اسکے شکار کے لئے سب سے پہلے یہ ترکیب کی جاتی ہے کہ شکاری لوگ جب یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ شیر فلاں جگہ اگر سوتا ہے تو وہاں ایک گدھا باندھ دیتے ہیں جس پر بھیسب کو شیر بچھا کھاتا ہے اور چونکہ یہ اسکے پیٹ بھرنے کو کافی ہوتا ہے پھر وہ کسی اور شکار کی تلاش نہیں کرتا اور بغیر اس کے کہ کسی سیل یا بھڑ بکری یا کسی چرواہے کو ستائے پانی کی تلاش میں جاتا اور پانی پیکر پھر اپنی اسی آرامگاہ پر آ جاتا ہے اور اگلی فجر تک بڑا سویا کر تا ہے۔ چنانچہ شکاری لوگ چند روز تک یہی حکمت اسکے ایک ہی جگہ پر مائل رہنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور جب بادشاہ کے قریب پہنچنے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک اور گدھا جسکے حلق میں بہت سی افیوں ٹھوس دیجاتی ہے اسی موقع پر جہاں اس قدر کہ ہے قربانی ہو چکے تھے باندھ دیتے ہیں اور یہ آخری دعوت بیشک اس مراد سے ہوتی ہے کہ شیر کہا پیکر سکھ کی نیند سو جائے۔ اس کے بعد یہ تدبیر

کیجاتی ہے کہ قرب و جوار کے گنواروں کو جمع کر کے بڑے بڑے وسیع جال جو خاص اسی کام کے واسطے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تنوادیئے جاتے ہیں اور جیسا کہ نیل گائے کے شکاریوں کی جاتا ہے ان کو بتدریج کھینچ کر ان کے دائرہ کی وسعت کو تنگ کرتے جاتے ہیں اور جب سب سامان اس طرح ہر تیار ہو جاتا ہے تو بادشاہ ایک ہاتھی پر چہرے فولادی پاتھر پڑی ہوئی ہوتی ہے مع میسر شکار اور چند نیل نشین امیروں اور بہت سے گرزبردار سواروں اور پیدل شکاریوں کے جن کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی برچھیاں ہوتی ہیں جلدی سے جال کے باہر کی طرف ٹھہر کر شیر پر ایک بڑی بندوق سے فیر کرتا ہے لب شیر جو اپنی عادت محمودہ کے موافق زخم کھا کر ہاتھی پر چھپتا ہے تو جال میں اوکھچ کر رہ جاتا ہے اور بادشاہ پیہم گولیاں مار کر اسکو مار لیتا ہے۔

اسی سفر کے ایک شکاریوں ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بچہ ہوا شیر جال پر سے کود کر ایک سوار پر جا پڑا اور اس کے گھوڑے کو مار ڈالا اور اس طرح پر کچھ دیر کے لئے جان بچا کر بھاگ گیا مگر شکاریوں نے تلاش اور پیروی کر کے ڈھونڈ ہی لیا اور پھر جال سے جا گھیرا! شیر کے بھاگ جانے کی اس واردات سے تمام فوج کو نہایت دقت اور پریشانی اٹھانی پڑی یہاں تک کہ بہترین چارہ و زینت برابر ایک ایسی سرزمین میں سرگرداں رہے جس میں پہاڑوں سے ندیاں اور نالے اگر گرتے تھے اور تمام میدان جھاڑیوں اور اونچی اونچی گھاس سے جس میں اونٹ تک چھپ جائیں ڈھکا ہوا تھا کچھ بازاروں کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا اور کوئی شہر اور بستی ہی نزدیک نہ تھی پس وہ لوگ

بڑے ہی خوش نصیب تھے جو اس پریشانی اور سرگردانی میں کسی طرح کچھ اپنی
 گرسنگی رفع کر سکے! کیا اب میں آپکو اس نالائق مقام میں غیر ضروری
 توقف کا اصلی سبب بھی بتا دوں؟ اور لو بتائے دیتا ہوں۔ آپکو خوب
 جان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ ایک شیر مارتا ہے تو یہاں اسکو بڑی مبارک
 فال سمجھا جاتا ہے اور اسکے برعکس اگر شیر بچ جائے تو سید و نہایت بدشگونی
 اور سلطنت کیواسطے بڑی بدفالی خیال کی جاتی ہے اسلئے جب شیر کے شکار
 کا انجام حسب دلخواہ ہوتا ہے تو اس مبارک تقریب میں بڑے اہتمام اور تکلفات
 عمل میں لائے جاتی ہیں چنانچہ بادشاہ ایک عام دربار کرتا ہے جس میں سب امرا
 حاضر ہوتے ہیں اور مارا ہوا شیر بادشاہ کے حضور میں لایا جاتا ہے اور جب اسکی
 لاش بڑی احتیاط سے ناپ لی جاتی ہے اور بڑی تفصیل اور باریک بینی سے
 اسکا امتحان اور ملاحظہ ختم ہو لیتا ہے تو بادشاہی دفتر میں نلکھ کر رکھا جاتا ہے
 کہ فلان بادشاہ نے فلان تاریخ ایک شیر اسقدر لٹیا اور اس طرح کے قدر و قامت
 اور جلد و پوست کا جسکے دانت اسقدر دراز تھے اور جسکے پنجوں کی مقدار ایسی
 اور ایسی تھی شکار کیا۔

شکار کی اس کیفیت کے ساتھ مجھکو چپ لفظ اس انیون کی بابت بھی جو
 گتھے کو کہلائی جاتی ہے اضافہ کرنے واجب ہیں چنانچہ ایک ذی رتبہ
 میر شکار نے مجھے کہا کہ یہ تو صرف تمہقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانی ہے۔ اصل
 یہ ہے کہ شیر جب خوب پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو یہ شکم سیری ہی اسکی گہری نیند
 کا باعث ہو جاتی ہے۔

پنجاب کے دریاؤں اور سینے دیکھا کہ بڑے بڑے دریاؤں پر عموماً ہل نہیں ہیں کشتیوں کے بلونکا ذکر اور ان دریاؤں سے فوج نے بذریعہ دوسرے بلوں کے جو کشتیوں سے کسیندر سمجھ بوجھ ہی کے ساتھ بنائے گئے تھے عبور کیا۔ ان بلوں کے باہم دو تین سو قدم کا فاصلہ رکھا جاتا ہے اور ان کے سطح پر مٹی اور بھوس ملا کر ڈال دیا جاتا ہے تاکہ چوپایوں کے پاؤں نہ پھسلین اگر ان دونوں کے سروں پر ایک بڑی گھبراہٹ اور پریشانی اور دھکا پیل کا موقع ہوتا ہے نہ صرف اسوجہ سے کہ وہاں ایک سخت بھیر بھاڑ اور بڑے ہنگامے اور چپقلش کی جگہ ہوتی ہے بلکہ زیادہ تر اس باعث سے کہ ان کے دونوں سروں کی سلامی اور گزر گاہ چونکہ نرم اور گیلی پھسلنی مٹی سے بنائی جاتی ہے اس وجہ سے راستہ ٹوٹنا پھوٹا ہوتا ہے اور اُس میں اتنے گڑھے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کہ گھوڑے اور لد نے ہوئے بیل ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں اور اہل لشکر کو اُنہیں گرے پھنسنے حیوانات کے اوپر سے کمال بے ترتیبی اور گھبراہٹ سے گزرنا پڑتا ہے اور اگر کل فوج کو ایک ہی دس میں پارنا ترنا پڑتا ہے تو یہ خرابی نہایت ہی بڑھ جاتی ہے لیکن بادشاہ یہ تدبیر کرتا ہے کہ دریا کے دار ایک میل کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے کھڑے کروا کر ایک دو دن وہیں ہی ٹھہرے رہنے کی تکلیف گوارا کرتا ہے اور پھر اسی طرح دریا کے پار جا کر دوسرے کنارے پر قیام کرتا ہے اور اس تین دن کے عرصہ میں سب اہل لشکر آہستہ آہستہ دریا سے عبور کر جاتے ہیں۔

بادشاہی لشکر کی تعداد اندر سے
 کے ہر پہنچانے کے طریقہ کا ذکر
 لشکر کے لوگوں کی تعداد کی نسبت فوج اور ہر سمیت
 ایک ٹھیک اور صحیح حد مقرر کرنی آسان نہیں ہے
 کیونکہ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اگر بہر حال میں بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں
 کہ کشمیر کے اس سفر میں کم سے کم ایک لاکھ تو سوار ہوں گے اور ڈیڑھ لاکھ سے
 زیادہ جانو یعنی گھوڑے خچر اور ہاتھی اور ان کے علاوہ آونٹ بھی بچاں
 سے کم نہ ہوں گے اور قریباً اس قدر بیل اور ٹٹو جن پر غریب بازاری لوگ
 خانہ بدوشوں کی طرح اپنے اہل و عیال اور غلہ وغیرہ اجناس لادے ہوئے
 لشکر کے ساتھ رہتے ہیں۔

اب اہل فوج کے نوکر چاکر بھی ضرور ہے کہ بشمار ہوں کیونکہ بغیر ان کی
 مدد کے کچھ کارروائی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً میر اور جہ صرف ایک دو اپنے سوار
 کی مانند ہے اور اس پر ہی تین نوکروں سے کم میں میری گز نہیں ہو سکتی
 اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ کل لشکر کی تعداد تین اور چار لاکھ آدمی
 کے اندر ہوگی۔ بعض کا یہ قیاس ہے کہ یہ تخمینہ بہت کم ہے اور بعض
 لوگ اس تعداد کو مبالغہ سمجھتے ہیں! لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح
 تعداد بغیر مردم شماری کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ البتہ میں اتنا دعویٰ ضرور
 کر سکتا ہوں کہ فوج کا ہجوم اور انہوہ حید اور قیاس سے باہر ہے اور دہلی
 کی تمام خلقت حقیقتاً لشکر میں جمع ہے۔ کیونکہ ان کے کام کلج اور
 گزران بادشاہ اور لشکر ہی پر منحصر ہے اور ان کے لئے اس کے سوا کچھ
 چارہ نہیں ہے کہ یا لشکر کے ساتھ جائیں یا دہلی میں پڑے بھوکے مرا

کریں! کچھ شک نہیں ہے کہ آپ اس کیفیت کو پڑھ کر مجھے یہ سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ اس قدر انسانوں اور حیوانوں کے لئے کچھ کی حالت میں خوراک اور چاراکس طرح ہم پہنچتا ہوگا؟ اس کا مختصر اور سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ ہندوستان میں کی خوراک نہایت سیدھی سادی ہے چنانچہ ایک لاکھ سواروں میں سے صرف دس ہزار بلکہ پانچ چھ ہزار ہی ایسے ہونگے جو گوشت کھاتے ہوں ورنہ سب کے سب کچڑی ہی پرتلنے میں۔ جو چاندوں کے ساتھ مونگ یا ماش وغیرہ ملا کر پکاتے ہیں اور تھوڑا سا گھی اُس میں ڈال لیتے ہیں اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اونٹ بہا تک سفر اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا سکتے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے اور تھوڑے سے ہر قسم کے چارے پر قناعت کر سکتے ہیں چنانچہ ہر کوچ کے بعد تنگل میں چرنے کو چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور ہر قسم کا گھاس بھوس اور جھاڑی وغیرہ اُن کے چارے کا کام دیتی ہے۔

یہ امر بھی بالضرور لحاظ کے لائق ہے کہ وہ اہل بازار جو دہلی میں سب قسم کے اجناس وغیرہ بیجا کرتے ہیں وہی سفر میں بھی ان اشیاء کی بھر سانی کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور انہیں کی دکانیں خواہ دہلی میں ہوں خواہ سفر میں رسد سانی کے لئے برابر موجود رہتی ہیں۔ ان بیچاروں کو گھاس اور چارے کے ہم پہنچانے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور وہ اس کام کے لئے گاؤں درگاؤں پہرتے ہیں مگر جو چیز لاتے ہیں اُسکو فوج میں اچھے داموں بیچنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کا عوامیہ معمول یہی کہ ایک خاص قسم کی گھاس جو تمام

سیدالانوں اور جنگلوں میں جا بجا موجود ہے زمین میں سے کھرپے سے کھدولاتے ہیں اور اسکو عجبار کر یا دھو کر لشکر میں کبھی تو بہت گراں اور کبھی بہت ارزاں فروخت کرتے ہیں۔

بادشاہ کے خیمہ گاہ میں بادشاہ کے حال کے متعلق ایک عجیب بات ہی داخل ہونیکے متعلق بعض لکھنئی باقی ہے۔ جبکہ بیاں کرنا میں بھول ہی گیا تھا خاص طور کی رسموں کا ذکر اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ لشکر گاہ میں کبھی تو ایک طرف سے اور کبھی دوسری جانب سے داخل ہوتا ہے۔ یعنی ایک دن تو ایک جانب کے اُمرائے خیموں کے قریب سے گزرتا ہے اور اگلے دن دوسری طرف کے اُمرائے ڈیروں کے نزدیک سے۔

آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ یہ ایک اتفاقیہ امر ہے نہیں بلکہ اس غرض سے ہے کہ وہ اُمرائے جبکہ بادشاہ اُن کے ڈیروں کے قریب ہو کر گزرنے کا افتتاح بحثتا ہے اُن کو ضرور ہے کہ اپنے اپنے خیموں سے اشرافیوں کی ایک ایک تھیلی جنکی تعداد اُن کے حوصلے اور مشاہرے کے موافق بیٹل سے پچاس تک ہوتی ہے پیش کش کے واسطے ہاتھوں میں لئے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں! میں اُن شہروں اور قصبوں کا جو دہلی اور لاہور کے راستہ میں پڑتے ہیں کچھ بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ میں نے اُن میں سے شاید ہی کسی کو دیکھا ہے۔ سبب یہ! کہ ہمارے آقا کا ڈیرہ فوج کے وسط میں نہیں ہوتا تھا جہاں سے شائع عام اکثر مل سکتا ہے بلکہ دائیں جانب کے سامنے ہوتا تھا اور اسلئے ہم لوگوں کا

یہ معمول تھا کہ رات کو کوچ کی وقت ستاروں کا خیال رکھ کر کھیتوں اور
اُچک ڈنڈیوں کے راستے سے چل پڑتے تھے اور اس سبب سے
اکثر راہ بھول جاتے تھے اور پو پھٹتے تک سیدھا راستہ ملنے میں
بہت دشواریاں پیش آتی تھیں اور اس طرح پرچاے دس بارہ میل کی
مسافت کے چودہ دنوں پڑاؤں میں معمولاً ہوتی ہے پندرہ یا اٹھارہ میل
کی منزل روزمرہ طے کرنی پڑتی تھی۔



تیسرا خط بنام ہانشیور دی مرویلس جو اس وقت لاہور
سے لکھا گیا جبکہ بادشاہ نے کشمیر کی طرف کوچ کیا

پنجاب کے درباروں اور شہر صاحب من ! یہ امر بوجہ نہیں ہے کہ وہ ملک
لاہور کا بیان۔ جبکہ پائے تخت لاہور ہے پنجاب کہلاتا ہے کیونکہ

واقع میں بابنج دریا اُن پڑے پہاڑوں سے جنہوں نے ولایت کشمیر کا
محاصرہ کیا ہوا ہے نکل کر اور اس صوبہ کے میدانوں میں بہک کر دریا
اباسیس میں گرتے ہیں جو ملک سندھ میں حلیج فارس کے دہانے کے
قریب سمندر میں جا ملتا ہے۔

میں یہ امر معین نہیں کر سکتا کہ لاہور وہی قدیم شہر ہے جس کو یونانی
لوگ نیوس فلا سکتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ الگزینڈر کا نام جسکو اس ملک میں

Monsieur de Merrilles.

میں فلاسٹین میں چل کے سر کر سکتے ہیں اور اس گھڑے کا یہ نام اس نسبت سے رکھا تھا کہ اسے اس شکل
کا دماغ دیا جوا تھا اور اسکے مرنے کی جگہ یاد گاری کیو اسے ایک شہر کے نام پر پایا گیا تھا اس م ح۔

سکندر ابن فیلقوس کہتے ہیں بخوبی معروف و مشہور ہے۔ مگر یہاں کے باشندے اسکے گھوڑے کی نسبت کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔

لاہور کے قریب جواداں وہ دریا جسکے کنارے شہر لاہور آباد ہے پنجاب کے دریا ہے اس کا ذکر۔ پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے جیسا فرانس

میں دریا ہے لوہا ہے اور ویسے ہی بلیٹ راور سنگین بشتہ کا محتاج ہے جیسا کہ لوہا کے کنارے پر بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس دریا میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں جس سے بڑا نقصان ہوتا ہے اور دریا اپنی جگہ کو اکثر بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر پورا نصف میل لاہور سے دور ہٹ گیا ہے جس سے باشندوں کو کمال بے آرامی اور تکلیف ہوئی ہے۔

لاہور کی عمارت کا ذکر لاہور کی عمارتیں دہلی اور آگرہ کے برخلاف بہت اونچی اونچی ہیں اور چونکہ بیش بہا سے زیادہ ہو گئے کہ بادشاہ مع امرا اور بار آگرہ یا

دہلی میں رہتا ہے اس لئے لاہور کے اکثر مکانات حالت ویرانی میں ہیں بلکہ واقع میں بہت سی عمارتیں بالکل منہدم ہو گئی ہیں اور پچھلے چند برسوں

کی شدید بارشوں میں بہت سے باشندے بھی مکانات سے دیکر مر چکے ہیں مگر اب تک بھی چار پانچ بازار بہت بڑے بڑے ہیں جنہیں سے دو تین

تو طول میں دو میل سے بھی متجاوز ہیں لیکن ان میں اکثر مکانات بالکل ڈھے پڑے ہیں۔ اور چونکہ دریا کا رخ تبدیل ہوتا جاتا ہے اس لئے پادشاہی

محل دریا کے کنارے سے دور ہو گئے ہیں اور یہ شاہی مکانات بھی اگرچہ

بہت عمدہ اور عالیشان بنے ہوئے ہیں لیکن محلات شاہی واقع دہلی اور
آگرہ سے ہر ایک بات میں بہت کم ہیں۔

لاہور سے کشمیر کی جانب دو مہینے سے زیادہ ہوئے کہ بانتظار اس امر کے
کچھ کا ذکر۔ کہ کوہستان کشمیر کی برف پچھل کر راستہ آسانی سے

گزر کے لایق ہو جائے ہم لاہور میں مقیم تھے۔ مگر اب کل کو ہمارا کچھ ٹھیر
چکا ہے اور بادشاہ کو تو لاہور چھوڑے دو روز ہو چکے ہیں۔ میں نے

کل رات ایک خوبصورت چھوٹا سا کشمیر کے لایق خیمہ خرید لیا ہے کیونکہ
میرے دوستوں نے یہ صلاح دی تھی کہ اپنے پہلے خیمے کو جوڑا دو

بھاری ہے اب آگے نہ لیجا نا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے چھاڑوں
پر جہاں اونٹ نہیں جاسکتے ہمارے تمام خیموں کی واسطے جگہ ملنی بہت

مشکل ہوگی اور چونکہ اس صورت میں مجھ کو اپنی بار برداری کے واسطے مزدور
اور قتل درکار ہونگے تو اپنے پہلے خیمے کے ساتھ لیجانے کی حالت میں

بہت خرچ پڑتا۔ والسلام۔



چوتھا خط بنام مانٹینوردی مرویلےس جولاہور سے کشمیر
کو جاتے ہوئے چوتھی منزل پر لکھا گیا

راستہ کی سخت گرمی اور اس کے سبب کامیاں صاحب من! مجھ کو یہ امید تھی کہ جیسی گرمی

۱۵ عالمگیر نام میں لکھا ہے کہ اونیوین و غفان سن ایکڑا بہتر جری کولاہور سے کچھ ہوتا ۱۲۱۸ سن

ابناے باب المندب کے قریب بمقام مٹھ میں اٹھا چکا ہوں پھر آفتاب کی ایسی سوزان شعاعیں روے زمین پر کسی جگہ نہ پاؤں گا۔ لیکن چار روز ہوئے یعنی جب سے کہ بوجھ نے لاہور سے کوچ کیا ہے وہ میری اُمید بالکل رخصت ہو گئی ہے۔ ہندوستانی لوگ جو اسی گرم ملک کے باشندے ہیں جبکہ وہ بھی لاہور سے چلتے وقت یہ اندیشہ اور تردد ظاہر کرتے تھے کہ بھمبر تک پہنچنے میں (جو کہ ہستان کشمیر کا دروازہ اور گیارہ بارہ دن کا سفر ہے) بڑی ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی! تو اسکے سننے سے مجھ کو ایک تعجب ہوتا تھا۔ مگر اتنی ہی واقع یہ میرا تعجب بالکل رفع ہو گیا ہے اور میں بلا سہانہ اکتاہوں کہ گرمی کی شدت سے نزع کی حالت کو پہنچ گیا ہوں اور کوئی باور نہ کر رہا کہ آج صبح کو جب میں اٹھا تو مجھے بہت ہی تھوڑی اُمید تھی کہ آج کی دھوپ مجھ کو زندہ چھوڑے گی۔

یہ عجیب گرمی کشمیر کے بلند پہاڑوں کے باعث سے ہے جو ہمارے راستے سے شمال کی طرف ہونے کی وجہ سے شمالی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوا کے ہر دم تک پہنچنے کے مانع اور سد راہ ہیں! اور مزید سے برآں انہیں پہاڑوں کے سبب سے آفتاب کی سوزان شعاعیں اس قطعہ ملک پر برسبیل انعکاس پڑ کر تمام زمین کو خشک کر دیتی ہیں جن ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔ لیکن یہ شدید گرمی جو شاید کل تک مجھے زندہ بھی نہ چھوڑے اس کی نسبت ایسی فلسفیانہ رائیں لکھنا کیا ضرور ہے۔

پانچواں خط بنام ناشیوردی مرویلس جو لاہور سے
کشمیر کو جاتے ہوئے چھٹی منزل سے لکھا گیا

دریائے چناب اور اس کے صاحبِ من اہل ہیں ہندوستان کے ایک بڑے
پانی کی عمدگی کا ذکر۔ دریائے جسکو دو چناب کہتے ہیں پاراؤترا اس دریائے

لطیف اور عمدہ پانی سے جسکو بڑے بڑے اُمرا بجائے گنگا کے پانی
کے جوا بتک اُن کے ساتھ تھجا اپنے اپنے خرچ کے لئے بھر رہے

ہیں! مجھ کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس دریائے کا منبع جدہر کو ہم جا رہے ہیں ہیں
تحت الشریٰ کو نہیں لیجائیگا بلکہ فی الواقع کشمیر کی طرف رہبر ہو گا۔
جبکی بابت سب لوگ مجھ کو تسلی دے رہے ہیں کہ وہاں کی برف اور
سرخ کی سیر و تماشے سے تم خوش ہو جاؤ گے۔

ہر روز روز گذشتہ سے زیادہ ناقابلِ برداشت پیش آتا ہے اور جتنے ہم
آگے بڑھتے ہیں اتنی ہی گرمی بھی بڑھتی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ سینے ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں جبکہ سب
لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں دن ڈھلنے کے انتظار میں آرام کر رہے
تھے کشتی کے پل سے عبور کیا۔ لیکن اگر میں اپنے ڈیرے میں گھسنا
بیٹھا رہتا تو غالباً مجھے اپنی تکالیف میں کچھ کمی ہو جانے کی توقع نہ تھی! اور
میں نے جس مراد سے یہ تدبیر اختیار کی تھی وہ مطلب حاصل ہو گیا! یعنی
یہ کہ ہم بلا وقت و تشویش پل سے پار ہو گئے۔

جب پریشانی اور دقت سے جب سے ہم دہلی سے روانہ ہوئے ہیں ایسی پریشانی اس دریا کا عبور کیا اُسکا ذکر۔ اور حقیقت میں نے کسی دریا کے گھاٹ پر نہیں دیکھی مگر شاید میری ہوشیاری اور دوراندیشی ہی اس امر کا باعث ہوئی کہ میں اس دریا پر کسی تہلکہ میں پڑ جانے سے بچ گیا۔ کیونکہ پل کے دونوں سروں کی سلامی چڑھنے اور اترنے کے لئے نہایت خراب اور خطرناک تھی جس کا سبب یہ تھا کہ یہ سلامی جسے چڑھنا اور اترنا امر ضروری ہے نرم مٹی اور ریت سے بنائی گئی تھی جو بیشمار جانوروں کے پانوں کے نیچے دریا کے زور کے مارے بھی جاتی تھی اور اس وجہ سے بڑے بڑے گڈھے پڑ گئے تھے جنہیں بہت سے اونٹ بیل اور گھوڑے گرتے اور لوگوں کے پانوں سے کچلے جاتے تھے اور اس طرح یہ تھا کہ ہر طرف برابر دھکم دھکا اور گونہ گونہ مچا رہی تھی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عموماً یہ ہوتا ہے کہ عہدہ دار اور سوار جو امرا کے ہمراہ ہوتے ہیں! اپنے آقا اور اُن کے اسباب وغیرہ کے پہنچانے کی خاطر راستہ میں سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے بڑی بیباکی سے ڈنڈے بازی کرتے ہیں! اس دریا پر ہمارے نواب کا بھی ایک اونٹ مع بوسہ کے تنور کے جو اُس پر لدا ہوا تھا ضائع ہو گیا ہے۔ اور اب مجھ کو یوں لگتا ہے کہ ہمیں بازار کی روٹی کھانی پڑے گی۔



چھٹا خط بنام مانشیوردی مرویس جو لاہور سے کشمیر
کو جاتے ہوئے آٹھویں منزل سے لکھا گیا

گرمی کی شدت کے مارے
جو حالت تھی اُسکابیان
مشفق من ایک یوروپین شخص کا ایسی سخت گرمی
کے تحمل پر آمادہ ہو جانا اور ایسی ہولناک اور پرتعب

منازل اور سفر کے مخاطر میں پڑ جانا خود بخود اس سوال کا باعث ہوتا ہے
کہ پھر کونسی چیز کہ جس کے سبب سے کوئی شخص خواہی خواہی ان مصیبتوں
کی برداشت کے لئے تیار ہو جائے ؟ افسوس کہ اس کا جواب بجز اس
کے کچھ نہیں ہے کہ ہم لوگوں میں دنیا کے عجائبات کی دید کا شوق جو دہی
حد سے بڑھا ہوا ہے وہی ان سب تکلیفوں کا باعث ہے حالانکہ

شوق کیا ہے ایک سخت حماقت و نا عاقبت اندیشی جو چنانچہ اس سفر میں میری
حالت ایک مسلسل اور غیر قطع خطر کی حالت میں پڑی ہوئی ہے اور کچھ امید ہے تو
صرف یہ ہے کہ شاید اس بُرائی میں کوئی بہلائی اور نادمہ بھی نکل آئے۔

جب میں لاہور میں تھا تو رات کو سایہ کئے بغیر صحن چبوترے پر سونے
کے باعث شہنم اور سردی کے سبب سے ایک سخت زکام اور دردا عضا
میں مبتلا ہو گیا تھا (حالانکہ دہلی میں اس طرح پر سونے سے کچھ اندیشہ نہیں ہوتا)

اور میری صحت حالت خرابی میں تھی۔ لیکن جب سے سفر شروع ہوا ہے
تو آٹھ نو روز سے بشدت پسینہ آنے کے سبب سے تمام فاسد دھوتیں
جسم سے خارج ہو گئی ہیں اور میرا بھنا اور مر چھایا ہوا جسم گویا پانی کی چھلنی بن گیا ہے

اور سیر بھر پانی جو میں ایک ہی دم میں چڑھا جاتا ہوں بدن کے روئیں روئیں
بلکہ انگلیوں کے پورے دن تک سے فوراً نکل پڑتا ہے۔ چنانچہ مجھے
یقین ہے کہ آج دنس گیارہ سیر سے کم پانی نہیں پیا۔ مگر ہماری سب
آفتوں اور مصیبتوں میں یہ بڑی تسکین کی بات ہے کہ جس قدر جی چاہے ہم
اسی قدر پانی بشرطیکہ صاف اور شیریں ہو بلا اندیشہ پی سکتے ہیں۔



ساتواں خط بنام ہاشیوروی مردیلس جو لاہور سے
کشمیر کو جاتے ہوئے دسویں منزل سے صبح کی وقت لکھا گیا

گرمی کی شدت کے لئے صاحب من، آفتاب اب تک اچھی طرح نکلا ہی نہیں
ابنی زیست سزا میدہو جانا مگر اس پر بھی گرمی کا یہ عالم ہے کہ اٹھائی نہیں جاتی
بادل نام کو بھی نہیں اور ہوا کی یہ حالت ہے کہ پتا تک نہیں ہلتا میرے
گھڑے بالکل تھک گئے ہیں۔ کیونکہ جسدن سے لاہور چھوڑا ہے ان
غریبوں نے ہری گھاس کا تنکا تاک نہیں دیکھا! میرے ہندوستانی
نوکرے کو بھی باوجود اپنے کاسے اور خشک اور سخت بدن کے آگے
قدم بڑھانے کا حوصلہ نہیں رہا۔ ہمارے چہرے اور ہاتھوں اور ہاتھوں کی
جلد تمام پھٹ گئی ہے اور سارا بدن چھوٹے چھوٹے سرخ گرمی دانوں
سے بھر گیا ہے جو سوئی کی طرح چھبھتے ہیں! کل ہمارا ایک غریب سوار جبکہ
پاس ڈیرہ نہ تھا ایک درخت کے نیچے جکے سایہ میں وہ ٹھہرا ہوا تھا

مردہ ملا اور مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج دن ہی دن میں تمام
ہو جاؤنگا ! اور میری ساری اُمیدیں یا تو اُن چار پانچ کاغذی نیبوؤں
پر منحصر ہیں جو ابھی باقی ہیں یا تھوڑے سے خشک کئے ہوئے دہی
پر جبکہ میں پانی اور قند ملا کر بھی پینے والا ہوں۔

تو اچھا خدا حافظ ! سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہوئی جاتی ہے اور
قلم ہاتھ سے گر جاتا ہے۔



اٹھواں خط بنام مانشینوروی مرویس جو مقام جمہریہ جہاں
سے کشمیر کے پھاڑوں کی چڑھائی شروع ہوتی ہے لکھا گیا

جمہریہ کی جگہ ہے اور وہاں صاحبِ من ! آخر کار ہم جمہریہ میں آپہنچے جو ایک اونچے
سے کشمیر کی جانب بادشاہ اور سیاہ اور جھلے ہوئے پہاڑ کے دامن میں ہے
اور امر کے نوبت بہ نوبت اور ہمارا نیمہ ایک خشک پہاڑی ندی کے بہاؤ میں
کوئچ کرنے کا ذکر۔ پتھرلوں اور جلتی ہوئی ریت پر جبکہ ٹھیک آگ کی

جھٹی کسنا چاہیے لگا ہوا ہے۔ اور اگر آج اتفاق سے ایک خوب مینہ کا
چھینٹا نہ پڑ جاتا اور عین وقت پر پہاڑ سے ایک معقول مقدار سے نیبو
دہی اور مرغ وغیرہ نہ پہنچ جاتے تو معلوم نہیں کہ آپ کے اس بیچارے
و قلیع نگار کا کیا حال ہو جاتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ بالفعل تو ہوا ایک قدر
سرد ہو گئی ہے اور میری بھوک بھی کھل گئی ہے اور طاقت میں ترقی معلوم

ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو میں نے اپنی بازیافتہ صحت سے
کوئی کام لیا ہے تو وہ اس خطا ہی کا لکھنا ہے ! اب آئندہ آپ نئی نئی
منزلوں اور نگلیفوں کے حالات سے ضرور مطلع کئے جائیں گے۔
کل رات کو بادشاہ نے اس جگہ کو جہان دم گھٹا جاتا ہے چھوڑ دیا ہے
اور اسکے ہمراہ روشن آراہیم اور محل کی ادبیگیں اور راجہ رگھوناتھ جو وزیر کا
کام کرتا ہے۔ اور فاضل خاں میر سامان اعلیٰ گئے ہیں ! اور شب گزشتہ
کو بادشاہی میر شکار بھی مع کئی بڑے بڑے عمدہ داروں متعلقہ کارخانجات
خاصہ شریفیہ اور چند معزز خاتونوں کے روانہ ہو گیا ہے اور آج رات کو ہماری
باری ہے۔ اور ہمارے گروہ میں ہمارے نواب دانشمند خاں کے
کہنے کے لوگوں کے سوا محبہ امین خاں خلف مشہور میر حلیہ کا بہت
کچھ ذکر لکھا جا چکا ہے اور میر امعز دوست دیانت خاں اور اسکے دو بیٹے
اور بہت سے اور امر اور راجہ اور منصب دار شامل ہیں ! اور امر بھی
جنہیں کشمیر چلنے کا حکم ہے۔ اس طرح نوبت بہ نوبت روانہ ہو گئے تاکہ اس
پانچ دن کے مشکل اور کوہستانی راستہ میں جو بھمبر اور کشمیر کے مابین ہے
بے آرامی اور ابتری کم ہو جائے۔

بادشاہ کو واپس تفریف لانے تک بہت کام کا حفاظت	باقی اہل دربار جیسے فدائی حناں
کیسے بھرپور چھوڑے جائیکہ ذکر مکرہ بعض اور انتظام	میر آتش (افسر اعلیٰ توپخانہ) اور تین چار

اس بالیقت بوڑھے ہندو وزیر نے اسی سفر میں انتقال کیا اور اسکے بعد جو بھی فاعل خاں وزیر ہوا
تو وہ بھی صرف چند روز زندہ ہو کر اسی سفر میں بمقام کشمیر چل گیا۔ س م ح (از عالمگیر نامہ)

بڑے بڑے راجہ اور بہت سے امرا تین چار مہینے تک یعنی جب تک کہ گرمی کا موسم گزر جائے اور بادشاہ سلامت واپس تشریف لائیں محافظت کیواسطے پہرہ کے طور پر اسی قصبہ یا اسکے قریب دھوا میں مقیم رہیں جن میں سے بعض تو اپنے ڈیرے دریاے چناب کے کنارے لگانے لگے اور بعض قریب اور گردنواح کے شہروں اور دیہات کو چلے جائیں گے اور باقی کو اسی بھمبر کی جلتی ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے پڑے رہنا ہوگا۔

بادشاہ کے ہمراہ بہت ہی کم اور خاص خاص لوگ جائیں گے تاکہ کشمیر کی چھوٹی سی ولایت میں سرد وغیرہ کی طرف سے دقت نہ ہو۔

بیگمات میں سے صرف وہ اعلیٰ درجہ کی خاتونس جائیں گی جو روشن آراہ کی ہمد اور سیلیاں ہیں۔ یا وہ عورتیں جن کا ساتھ ہونا سرانجام خدمات کے لئے ضروری ہے! امرا اور فوج کے لوگ بھی جہاں تک ممکن ہے کم ہی ہونگے اور جن امرا کو ہمراہی کی اجازت ملی ہے ان کے ساتھ ان کے سواروں میں سے فیصدی پچیس سوار سے زیادہ ہونگے لیکن جو ضروری عمدہ داروں کے ذاتی کارخانجات پر مقرر ہیں وہ بہر حال ساتھ جائیں گے۔

ان قاعدوں کی بجا آوری میں کوئی بہانہ پیش نہیں چل سکتا کیونکہ ایک امیر ہار کے در سے پر متعین کیا گیا ہے جو ایک ایک آدمی کو شمار کرتا ہے اور بموجب اپنے اختیار اس کے منصب داروں کی بھٹی کو جو کشمیر کی ٹھنڈی اور لطیف ہوا کے مشاق ہیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے دوکان داروں اور بازاری کو صرف کمانے کمانے کی خاطر آئے ہیں درے

میں داخل ہونے سے روکتا رہتا ہے۔

چند منتخب ہاتھی بھی زنانی سوار یوں اور بار برداری کے واسطے بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ جانور بہت بہاری اور بڑے قد و قامت کے ہیں لیکن نہایت ہی جان بچ کر قدم رکھتے ہیں اور راستہ کے مشکل اور خطرناک ہونے کی حالت میں سطح ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں کہ جب تک پہلا قدم بخوبی جم نہیں جاتا دوسرا قدم نہیں اٹھاتے۔ بادشاہ کے ہمراہ کچھ خچر بھی ہیں۔ لیکن اونٹ جو بہت کار آمد ہیں نیچے چھوڑ دیئے گئے ہیں کیونکہ انکی سخت اور لمبی لمبی ٹانگوں کے واسطے یہ پہاڑی راستے موزوں نہیں ہیں

اورنگ زیب کے کشمیر کے سفر میں اور اسلئے اُن کے عوض قلی اور مزدوروں سے جو قلی درکار تھے انکی تعداد کام لیا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے سن ہے اور اجرت وغیرہ کا ذکر کہ صرف ایک لے بادشاہ کے واسطے چھ ہزار مزدور مطلوب ہیں تو اس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ کس قدر مزدور درکار ہونگے۔ چنانچہ

مجھے اپنی ذات خاص کے واسطے تین مزدور بہم پہنچانے ضروریات سے ہیں باوجودیکہ میں نے اپنا بڑا خیمہ اور بہت سا سباب لا ہوا ہوں چھوڑ دیا اور ہر شخص نے بلکہ بڑے بڑے امرا اور خود بادشاہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پھر بھی حساب کیا گیا ہے کہ کم سے کم پندرہ ہزار مزدور بھجیے جس میں ہر چکے ہیں جو کچھ تو کشمیر کے صوبہ دار اور قرب و جوار کے راجاؤں نے بھیجے ہیں اور کچھ اپنی مرضی سے مزدوری کرنے کو چلے آئے ہیں اور بادشاہ کے حکم سے شہر اجرت یہ قرار پائی ہے کہ سوا من یعنی پچاس سیر بوجھ کیوا سٹے چھیس روپے مزدوری دیا جائے اور شہر کیا گیا ہے کہ

کوئی تیس ہزار مزدور اس وقت مطلوب ہیں۔ اور جبکہ خیال کیا جائے کہ بادشاہ اور امرا اپنا اپنا اسباب اور سودا اگر لوگ اپنی سب قسم کی رسد وغیرہ ایک مہینے پہلے سے برابر بھیجتے رہے ہیں تو مزدوروں کی یہ تعداد نہایت ہی زیادہ ہے۔



مصنف کا نواں خط بنام ہانشیوردی مرویس جو ہندوستان کے بہشت یعنی کشمیر میں تین مہینے کے قیام کے بعد لکھا گیا۔

قدیم زمانہ میں کشمیر کے ایک	صاحب من کشمیر کے قدیم راجاؤں کی تاریخ میں یوں
جھیل ہونے کی روایت	مندرجہ ہے کہ یہ تمام ملک اگلے زمانہ میں ایک بڑی
کی نسبت مصنف کی رائے	جھیل تھا جس کے پانی کو ایک بڑھے رشی نے جس کا

نام کاشپ تھا اپنی کرامات سے بارہ مولا کے پہاڑ کو چیر کر نکال دیا۔

یہ حال اس کتاب میں مل سکتا ہے کہ جو جاناگیر کے حکم سے کشمیر کی قدیم تاریخوں کا خلاصہ کر کے فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور جس کا میں آج کل ترجمہ کر رہا ہوں۔ بیشک میرا دل بھی اس بات کے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا کہ یہ طبقہ کسی وقت پانی میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔ چنانچہ تھسالی اور آؤرملکوں کی نسبت بھی ایسی ہی روایتیں چلی آتی ہیں۔ لیکن میں آسانی سے یہ امر یاد نہیں کر سکتا کہ یہ شکاف کسی انسان کا کام ہے۔ کیونکہ یہ پہاڑ

۱۵ ملک یونان کے ایک ضلع کا نام ہے۔ دس۔ م۔ ح۔ تھسالی۔ تھسالی۔ Thessaly

جسمیں سے پانی کا گزر ہوا ہے بہت ہی لمبا چڑا اور نہایت بند ہے۔ بلکہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑ کسی قدر تی خنلا میں جو سرنگ کی طرح پہاڑوں میں اکثر ہوتی ہیں کسی سخت بھونچال کے صدمہ سے جو اس ملک میں بہت ہی آتے رہتے ہیں دھس گیا ہے! اگر ہم اُس نواح کے عربوں کے قول کا بھی اعتبار کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ باب المندب بھی کسی زمانہ میں اسی طرح بنا تھا کہ تمام شہر اور پہاڑ ایک غار میں دھس کر بڑے بڑے تالاب اور جھیلیں بن گئیں۔

ولایت کشمیر کے عرض و طول کا بیان بہر حال اب تو کشمیر جھیل نہیں ہے بلکہ ایک خوشنما ملک ہے جس میں بہت سی متفرق پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں۔ اور جسکا طول قریب تیس لیگ یعنی نوے میل انگریزی کے ہے اور عرض دس بارہ لیگ کشمیر کے موقع اور حدود کا بیان ولایت کشمیر لاہور سے شمال کی طرف ملک ہندوستان کے انتہا پر واقع ہے اور اُسکی سرحد پر ایسے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو کوہ قاف سے نیچے چھوٹی اور بڑی تبت کے بادشاہوں اور راجہ گومان کی عملداریوں میں ہیں۔

کشمیر کے پہاڑوں کے جو پہاڑ کشمیر کے گردا گرد بہت ہی نزدیک ہیں ان کی سرسبز اور عمدہ چراگاہیں ہندی اعتدال کے ساتھ ہے اور سبز درختوں والا مال ہونیکا ذکر۔ سے آراستہ اور چراگا ہوں سے مالا مال ہیں جن پر

گائیں بہترین بکریان گھوڑے۔ اور سب قسم کے مویشی چرتے نظر آتے ہیں

لہک و غم ان

کشمیر میں سب قسم کے مویشی اور اور سب قسم کے شکار مثلاً تیتیر، خرگوش اور سینگوں
سب طرح کے شکار اور شہد کی والے ہرن اور گستور اہرن بکفرت موجود ہیں اور شہد
کی ہمالیہں بھی بافراط ہیں۔

کشمیر میں ہر قسم کے موزی اور بر خلاف ہندوستان کے ایک عجیب اور نادریات
جہاں نورنگو کیاب ہنیکاندر سمجھی جاسکتی ہے کہ یہاں موزی جہاں مثلاً سانپ
یہ بچہ۔ شیر۔ چیتا وغیرہ کیاب کیا بلکہ محدود ہیں اور ان اوصاف کے
باعث ان پہاڑوں کو صرف خوشنما اور بریفز اور بیلخیش ہی نہیں کہنا چاہیے
بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ گویا ان میں دو وہ اور شہد کی نہریں افراط کے سانچ
جاری ہیں۔ ان پہاڑوں سے بریل طرف اوڑھے بڑے عظیم الشان پہاڑوں کی بنیاد
نظر آتی ہیں جنکی برف سے ڈھکی ہوئی سفید پیچٹیاں معمولی ابراہ بادلوں سے ہمیشہ زیادہ
بلند اور اونچی اور کواہ اونیٹس کی مانند روشن اور صاف معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ رنگستان میں سینگ والے ہرن کم ہوتے ہیں۔ اسلئے مصنف نے ہرن کے لفظ کے
ساتھ سینگوں والے کا لفظ لکھا ہے ۱۲۔ س۔ م۔ ح۔

۲۔ یہ پہاڑ یونان کے صوبہ تھیسالی اور بیسی ڈونیا (مقدونیا) کے مابین سرحدی خط پر واقع ہے
اور مقدونیا کے میدان سے جو اسکے شمال میں اور خوشنما داوی ٹیپ سے جو اس کے جنوب
میں ہے نہ ہزار سات سو چون فٹ اونچا اور اس پاس کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں سے
بلند ہے۔ اور شاہ بلوط اور اخروٹ وغیرہ درختوں کے جنگلوں سے لدا ہوا ہے۔ اسکا چٹان دار
جس پر کچھ آگے بڑھ کر بہت سی چوٹی چوڑی کوہوں میں منقسم ہو گیا ہے اور اسکی چوڑی چوٹی برف کی
سفید اور چمکدار چادر اور ہے ہوئے گویا آسمان سے باتین کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور پوس
کے اس عظیم و شان کی وجہ سے قدیم یونانیوں نے اسکو اپنے دیوتاؤں کا

۱) اول سے م پ س 10 olympus۔ س ی ن 2 Soine
5 Jupiter 6۔ ٹ سے م پ 5 Tempe

کثیر کے چشموں اور دریا کا بیان | ان سب پہاڑوں میں سے بشمار چہتھے اور گولین

بڑے زور شور سے جاری ہیں جو بعض علی ذریعوں سے چھوٹے چھوٹے
ٹیلوں پر بھی جو اس وادی میں ہیں پہنچا دیجاتی ہیں۔ اور اس طرح سے لوگ
اپنے دھانوں کے کھیت بخوبی پہنچ سکتے ہیں! اور یہ سب پانی اس
دل چپ ملک میں ہزاروں چشموں اور آبشاریں بن کر آخر کار خوبصورت
اور کشتیوں کے چلنے کے لایع ایک ایسا اور یابن جاتا ہے جیسا ہمارے
ملک فرانس میں دریا "سین" کہہ ہے۔ یہ دریا تدریج اور آہستگی کے ساتھ
اس ملک کے گرد اگر دو چرخ کھاتا اور یہاں کے شہر پاسے تخت میں سے
ہو کر چپ چاپ بارہ مولا کی طرف خم کھاتا ہوا نکل گیا ہے جہاں اسکو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹۔ مسکن خیال کیا تا اور انکا یہ اعتقاد تھا کہ انکا دیوتا جو جو چوٹی بڑ
یعنی مشتری کا دوسرا نام ہے۔ اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے لحاظ سے اس جگہ
تمثیلاً اندر کہنا چاہئے اسی پہاڑ پر بیٹھ کر آسمان کو گرجنے والے بادلوں سے پر کرتا اور
انہی بجلی کے آتشیں تیروں کو ادھر ادھر پھینکتا تھا اور وہ اپنے محل میں جسکو لوگوں نے
دیوانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنی زیر زمین کی آگ دیوتاؤں کا دیوتا نام اس کے لئے یہاں بنایا تھا
دیوتاؤں کو جمع کر کے سما اور جگہ چاکرنا تھا اور ایک راستہ سے جو اس آسمانی محل کے دہاتی
گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل تختوں کا کام دیتے تھے جب
چاہتا تھا اس جہاں کے اُس طرف چلا جایا کرتا تھا۔ یونان کے قدیم شاعروں نے اس
پہاڑ کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے اور فی الواقع وہ اب بھی اپنے سرسبز اور ہرے بھرے
سایہ دار جنگلوں اور اپنی دہاروں اور گھوڑوں اور سفید سفید چمکیلے چوٹیوں کے سبب سے ایسا ہی
قابل تعریف ہے نقطہ ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا - ۱۲ س م ح۔

دو عجیب چٹانوں کے مابین ایک مخزن ملتا ہے اور یہاں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں سمیت جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں ایک بہت سیڑھی ڈھال پر گر کر شہر آگے کے نزدیک دریا سے اباسین سے ملتا ہے

کشمیر کی سرسبز اور کھیتیوں
اور ترکاریوں اور میوہ نگاریاں
بیشمار نہریں اور آبشاریں جو پہاڑوں سے جاری ہیں
وہ اس داوی اور یہاں کی پہاڑیوں کو نہایت
سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں اور تمام ملک سرسبز اور سیر حاصل اور ایک
سجھولا پھللا بلوغ معلوم ہوتا ہے اور اس خوشنما اور دلکش سرسبزی کے
اند رکھیں تو گاناؤں اور موزے دیکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں ہری بھری چراگاہیں
اور انگور۔ دھان۔ گیہوں۔ سن۔ زعفران اور ترکاریوں کے کھیت جن
میں کہیں تو چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں اور کہیں نہریں اور کولیں اور کسی
جگہ آبشاریں اور چشمے جو ایک عجیب اور دل فریب کیفیت دکھاتے ہیں
اور زمین کا تمام سطح فرنگستان کے پھولوں اور پودھوں سے مینا کا نظر
آتا ہے۔ اور ہمارے ملک کے میوہ سید ناشپاتی۔ لوجہ
خوبانی اور اخروٹ کے درختوں سے جنہیں بیشمار پھل لگے ہوئے ہیں لدا
ہوا ہے! خرپوزہ۔ ترپوزہ اور آڈر ہمارے دیس کی اکثر ترکاریاں مثل چقندر
وغیرہ اور آڈر ساگ پات اور نباتات جنہے ہم واقف بھی نہیں یہاں کے
عام کھیتوں اور باغیچوں میں بکثرت ہیں۔

کشمیر کے میوہ کے رنگتوں کے
میسوں سے خوبی میں کہ ہونگی وجہ
یہاں کے پھل ہمارے ملک کے میوہوں سے
خوبی میں بلا شک کم ہیں اور نہ اتنی قسم ہی کے

ہیں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں کی زمین کا تصور نہیں ہے بلکہ اسکا باعث کاشتکاروں اور باغبانوں کی نادانی ہے جو اہل فرانس کی طرح فن زراعت اور درختوں کو پیوند وغیرہ کرنے کے ہنر سے ماہر نہیں ہیں بہر حال میں نے اپنے قیام کشمیر کے زمانہ میں نہایت نفیس اور لطیف میوہ بکشت کھائے ہیں اور کچھ شک نہیں ہے کہ اگر یہاں کے لوگ درختوں کی حالت کو ترقی دیں اور انہیں غیر ملکوں کے درختوں کے پیوندگانے کی نسبت ذرا توجہ کریں تو یہاں کے میوے فرنگستان کے میووں کی خوبی کو پہنچ سکتے ہیں۔

شہر کشمیر اور اسکی جھیل یعنی ملک کشمیر کے پائے تخت کا نام بھی کشمیر ہی ہے اور
ڈل کا بیان۔ اس کے گرد کوئی شہر بنا ہوا نہیں ہے۔ اس کا طول و عرض سے کچھ زیادہ ہے اور عرض ڈیڑھ میل! شہر کشمیر ایک میدان میں واقع ہے جسکا فاصلہ پہاڑوں سے قریب چھ میل کے ہے۔ اور یہ پہاڑ بصورت نصف دائرہ کے نظر آتے ہیں۔ اور شہر ایک شیریں اور خوشگوار بانی کے دو ڈل کے کنارے جسکا محیط بارہ یا پندرہ میل سے کم نہ ہو گا آباد ہے یہ ڈل ان چشموں اور نالوں سے بنگیا ہے جو پہاڑوں سے آکر گرتے ہیں اور اس کا پانی پذیر لیچ ایک نہر کے جس میں کشتیاں بے تکلف چل سکتی ہیں اس دریا میں جالٹا ہے جو شہر کے بیچ میں بہتا ہے۔ شہر میں اس دریا پر لکڑی کے سوڈل بنے ہوئے ہیں اور شہر کے مکانات اگرچہ اکثر چوبی ہیں لیکن خوبصورت اور دو منزلہ اور تہ منزلہ ہیں۔

عمارات کے لئے کھنڈ کشمیر کے اگرچہ اس ملک میں ایک نہایت نفیس ریگٹ دار

لکڑی کو پتھر پر ترجیح دینے کا سبب پتھر با فراط موجود ہے اور چند پرانی عمارتیں اور ہندوؤں کے بہت سے پرانے مندر جو یہاں کے کھنڈروں میں موجود ہیں پتھر ہی کے ہیں۔ لیکن یہاں کے لوگ لکڑی کو پتھر پر اس واسطے ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو ازاران ہے دوسرے یہ کہ پہاڑوں سے بذریعہ ان بیشمار ندی نالوں کے آب سانی پہنچ جاتی ہے۔

دریا کے کنارے کے اکثر مکانات میں جو دریا کے دونوں کنارے بٹتے چلے مکانات اور باغیچوں کا ذکر گئے ہیں نہایت خوشنما چھوٹے چھوٹے باغیچے ہیں جو خصوصاً بہار اور گرمی کے موسم میں جبکہ عیش و نشاط کے بہت سے جلسے پانی پر کئے جاتے ہیں عجب کیفیت دیکھاتے ہیں۔

تفریحی کشتیوں کا ذکر اس شہر کے اکثر مکانات میں بھی باغ اور ایسی نہریں ہیں جنہیں سیر و تفریح کے لئے کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ اور مالک مکان جب چاہتے ہیں سوار ہو کر ڈل کی سیر کرتے ہیں۔

ہری پربت اور اس کے شہر کے پرے سرے پر ایک ایسا ٹیلہ نظر آتا ہے مکانات اور باغوں وغیرہ کی جو بالکل الگ ہے اور اسکی ڈھلوانوں پر کئی خوبصورت خوبصورت اور خوشنما کا ذکر مکان بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مکان کے ساتھ

ایک ایک باغ ہے اور اسکی چوٹی کی طرف ایک نہایت اچھی مسجد ہے جسکے ساتھ عابدوں اور گوشہ نشینوں کے لئے عمدہ عمدہ حجرے بنے ہوئے ہیں! اور پہاڑ کی چوٹی پر ایک جھنڈ بہت سے خوبصورت درختوں کا ہے اور ان سب چیزوں کا مجموعہ ایک نہایت ہی دلچسپ منظر ہے۔ اور

ابن سرسبز درختوں اور باغوں کی وجہ سے اس جگہ کا نام اُس ملک کی زبان میں ہری پربت ہے یعنی ^{۱۱}سرسبز پہاڑ۔

پہاڑ معروف تحت سلیمان کا ذکر اس پہاڑ کے مقابل ایک اڈر پہاڑ نظر آتا ہے اور اس پر بھی ایک چھوٹی سی مسجد مع باغ کے بنی ہوئی ہے! اور ایک اڈر نہایت ہی قدیم عمارت موجود ہے جو ظاہری علامتوں سے ہندوؤں کا مندر معلوم ہوتی ہے اگرچہ اُس کا نام تحت سلیمان ہے اور یہاں کے مسلمانوں کا پھیرا دیا ہے کہ حضرت سلیمان نے موقع سیر کشمیر اُس کو تعمیر کیا تھا لیکن مجھے شبہ ہے کہ اُس مشہور بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے کبھی اس ملک کو مشرف کیا ہو اور میری رائے میں یہ لوگ اس کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے کشمیر کے دل کے نہایت کشمیر کے دل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوش فضا سرسبز باؤں کا ذکر۔

۱۱ یہ وجہ تسمیہ خلاف محاورہ ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ کیونکہ سرسبز پہاڑ کو ہری پربت نہیں کہہ سکتے بلکہ ہری پربت کہنا چاہیے۔ اور وہ وجہ تسمیہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو دیوان کرپارام صاحب آجمانی دیوان ریاست جموں و کشمیر مولف تلیانج موسوم بہ گلزار کشمیر نے اپنی اس کتاب مطبوعہ سن اٹھارہ سو تیس لکھی ہے یعنی یہ کہ چونکہ کشمیری زبان میں باری شاکر کو کہتے ہیں جو ایک معروف جانور ہے پس اس پہاڑ پر شاکر کا دیوبی کے مندر کے ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام مشہور ہو گیا ہے۔ اور صحیح نام باری پربت ہے ۱۲۔ س م ح۔

۱۲ عیسائی اگرچہ حضرت سلیمان کے مٹم اور صاحب وحی ہونے کے قائل ہیں مگر مسلمانوں کیلئے ان کو پیغمبر نہیں جانتے بلکہ ایک نہایت ہی دانا اور عاقل بادشاہ کہتے ہیں ۱۳ س م ح۔

اور میوہ دار درختوں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان میں نہایت خوش
اسلوبی سے بہت سی روشیں بنائی ہوئی ہیں۔ جن پر عموماً دونوں جانب
سے سفیدے کے درخت جو دو دو قدم کے فاصلہ سے لگائے ہوئے
ہیں اور جنکے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں اپنا سایہ ڈالے ہوئے ہیں
ان درختوں کا موٹا پا اگرچہ استدر ہے کہ سب سے بڑا درخت آدمی کی کولی میں آسکتا
ہے مگر انچائی میں جہاز کے مستول کی برابر ہیں اور انکی چوٹی پر کھجور کی طرح
ڈالیوں اور پتوں کی چھتری ہے۔

ڈل سے برلی طرف جو بہاڑ ہیں انکے جو بہاڑ ڈل کے پرلی طرف ہیں انکی ڈھلانون
منظر کی خوشنمائی اور خوبی آب و ہوا کا ذکر بشمار گنجان مکانات اور بھلو اڑی کے باغیچے
بنے ہوئے ہیں اور یہاں کی ہوا نہایت صحت بخش سمجھی جاتی ہے اور موقع
نہایت خوشنما اور دلچسپ ہے اور جا بجا چشمے اور کوئیں جاری ہیں اور یہاں
سے ڈل اور اسکے ٹاپووں اور شہر کا نظارہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔

شالار بلع کا بیان [ان سب باغوں میں بادشاہی باغ کا نام شالار ہے جو بہت

۱۵ ایک چند بہار نے اس کا نام شالار لکھا ہے اور اس کو سنسکرت کا لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے
کہ شالار اس سے مرکب ہے جو معنی خاندان اور قوت شہوی کے ہے اور مجازاً باغ کے معنی میں مستعمل ہو گیا
ہے اور اسکی سندیں مرزا عبد الغنی قبول کا یہ شعر لایا ہے ۱۵ زبغ زلف وزج یار دادہ است فراغ۔ کہ سنبل
سمیش کم ز شالار بنا شد۔ لیکن ان معنوں کی غلطی خود ظاہر ہے کیونکہ شاعر نے اس لفظ کو باغ
کے عام معنوں میں نہیں لیا ہے اور ظاہر یہ ترکیب تو آعد زبان سنسکرت کے بھی خلاف معلوم
ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ ہندی ہوتا تو مار شالا ہونا چاہیے تھا۔ جیسے دھرم شالا۔ یا شالا
گو و شالا وغیرہ اصل یہ ہے کہ یہ صرف اس جگہ کا نام تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر کے پندرہ درجن سال
جلوس میں شاہ جہان نے باپ کی فرمائش سے باغ بنایا تھا اور تمام تعمیر کی مناسبت سے اسکا

ہی خوبصورت ہے۔ اس میں داخل ہونے کا راستہ ڈل سے ایک بڑی وسیع نہر میں کوہ ہے جس کے دونوں کناروں پر گھاس جھائی ہوئی ہے اور چنار کے درخت برابر دروہ نصب ہیں اور جب کا طول پان سو قدم کا ہے اور اسی میں سے ہو کر ایک ایسے مکان میں جو با تخصیص گرمی کے موسم کے لئے بنایا گیا ہے اور باغ کے عین وسط میں ہے پہنچتے ہیں۔ اس نہر کے علاوہ ایک اور نہر جو اس سے ہی زیادہ نفیس ہے ایک ایسے ہی دو مکان میں جو باغ کے دو سرے پر ہے پہنچاتی ہے! اس دوسری نہر میں بڑے بڑے ریتلے قسم کے پتھروں کا فرش ہے اسکے ڈھلوان کنارے ہی اسی پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ اس نہر کے وسط میں ایک بڑی قطار فواروں کی ہے جس کے باہم چندہ چندہ قدم کا فاصلہ ہے اور ان کے علاوہ ادھر ادھر بڑے بڑے گول حوض ہیں جنہیں مختلف شکل و صورت کے فوارے چھوٹے ہیں۔ یہ مکان چونکہ مذکورہ بالا نہروں کے وسط میں واقع ہیں۔ اس لئے ان کے ارد گرد پانی پھرتا رہتا ہے اور ان کے دونوں اطراف پر دو قطاریں چنار کے بڑے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵۔ نام شالامار بڑا گیا تھا جبکہ شاہجہاں نے اپنے عہد کے ساتویں سال میں بدکمر فتح بخش نام رکھا۔ چنانچہ ترک جہاگیر اور شاہجہان نامہ وغیرہ کتب تاریخی میں صاف اور صریح لکھا ہے اور دیوان کرپارام صاحب نے جو اپنی کتاب موسوم بہ گلزار کشمیر کے صفحہ دو سو و ستر شاہجہاں کا ایک فرمان نقل کیا ہے اسکے ایک فقرہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے "و باغ فتح بخش کہ واقع است در موضع معروف شالامار بدلت و اقبال در ایام فتنہ و فوجام شاہزادگی احداث فرمودہ بودیم" س م ح ۵۰ نسل کتاب میں لفظ کشمیر بخش ہی در س م ۲۷ و ۲۸ Summer House س م ح

بڑے درختوں کی لگی ہوئی ہیں! یہ دونوں مکان گنبد کی شکل کے ہیں اور گردا گرد غلام گردش ہے اور ان کے دروازے جو چار چار ہیں ان میں سے ایک ایک دروازہ دو دونوں طرف نہر پر کھلتا ہے اور ایک ایک دونوں جانب کے ان پلوں کے رخ کو چنرے ہو کر ان میں سے کنارے کی زمین پر پہنچ سکتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے وسط میں ایک بڑا مکہ اور چاروں کونوں پر چار چھوٹے چھوٹے مکے ہیں جنہیں اندر کی طرف سنہری اور رنگین اور نقش کام بنا ہوا ہے اور سب مکروں کی دیواروں پر کچھ کچھ فقرات وغیرہ نہایت خوشخط فارسی قلم میں لکھے ہوئے ہیں! ان کے چاروں دروازے نہایت ہی قیمتی ہیں یعنی پتھر کے عجیب اور نایاب بڑے بڑے قطعات سے بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک دروازے کی محراب دو دو ستونوں پر جو ازیں خوش نما ہیں قائم ہے۔ یہ محرابیں اور ستون ہندوؤں کے کسی مندر سے جبکہ شا جہاں نے ڈھوا دیا تھا آئے تھے اور اس وجہ سے انکی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میں اس پتھر کی ذات اور قسم کی بابت کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن تحقیق اور سب قسم کے سنگ مرمر سے کہیں بڑھ کر ہے۔

کشمیر کی نسبت مصنف کی رائے مجھے یقین ہے کہ آپ نے خود بخود پہلے ہی سمجھ لیا ہو گا کہ میں کشمیر پر زلفیت ہو گیا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ اسکی سیر سے پہلے اسکی خوبصورتی اور خوش نمائی کی نسبت جس قدر اعلیٰ سے اعلیٰ میرے تخیلات اور تصورات تھے ان سب سے یہ سبقت اور فوقیت رکھتا ہے۔

اور غالباً تمام دنیا میں بے نظیر ہے اور کوئی دوسرا ملک جس کا طول و عرض اتنا ہی ہوا اسکی خوبیوں کو نہیں پہنچتا اور حق یہ ہے کہ ہونا ہی ایسا ہی چاہیے کیونکہ لگنے زمانہ میں یہ اعجاز روزگار بڑے بڑے اولوالعزم راجاؤں کا تخت گاہ تھا اور تمام گرد و نواح کے کوہستان بلکہ تاتارا اور کل ہندوستان جزیرہ سرانڈیب تک اسکی حکومت میں داخل تھا اور یہ بات کچھ خلاف قیاس نہیں ہے کہ سلاطین مغلیہ اسکو بہشت ہند (یعنی کشمیر حنت نظیر) کہتے ہیں۔ اور محل تعجب نہیں ہے کہ شہنشاہ اکبر اپنی کوششوں میں اس ملک کی خاطر علی الانصال ایسا سرگرم رہا کہ اس نے یہ ملک وہاں کے فرماں رواؤں کے ہاتھ سے کسی نہ کسی طرح آخر چھین ہی لیا۔ اور اس کا بیٹا جہانگیر نو اس چھوٹی سی مملکت پر ایسا لٹو ہو گیا تھا کہ اس نے کشمیر کو اپنا دل پسند آرام گاہ ہی مقرر کر لیا تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ ہماری اس عظیم الشان سلطنت کا سارا ملک اگر ہاتھ سے نکل جاے اتنا بچ نہ ہو جتنا کہ کشمیر کا۔

ایک شاعر کا ذکر کشمیر کی تعریف

و تو صیف کے باب میں ہوتا تھا۔

شعرا کشمیر اور بادشاہی شاعروں کے باہم ہوا تھا

مینے بڑے شوق سے اُسے دیکھا تھا یعنی ہمارے کشمیر پہنچتے ہی اور نگار کے حضور میں شعرا مذکور نے کشمیر کی تعریف و توصیف میں قصائد پیش کئے جنکو بادشاہ نے قبول فرما کر بہت مہربانی سے مناسب صلے عطا فرمائے !

ابن قصائد میں حد سے بڑھکر غاؤ اور مبالغے گئے گئے تھے۔ اور مجھ کو یاد ہے کہ ایک شاعر نے کشمیر کے گرد اگروں کے پہاڑوں کی بابت یوں بیان

کیا تھا کہ ”اُن کی عجیب بلندی ہی نے ابن آسمانوں کو جو نظر آتے ہیں اس مقدس شکل کا بنا دیا ہے“ اور پھر کہ ”خالق کائنات اپنی تمام حکمت اور خوبی ایجاد و صنعت کو اس ملک کے پیدا کرنے پر ختم اور خراج کر چکا اور خالق مطلق نے پہاڑوں کا یہ حصار بنا کر اس ملک کو دشمن کی فوج کے حملہ سے محفوظ اور مامون فرمایا اور چونکہ ولایت کشمیر تمام روئے زمین کے ملکوں کی ملکہ ہے اسلئے فی الواقع ایسا ہی مناسب تھا کہ وہ اپنی کامل امنیت اور چین چاں کی حالت میں بغیر کسی کی اطاعت کے تمام عالم پر حکومت کر سکے، شاعر آگے یوں کہتا ہے کہ ”جو پہاڑ ذرا دور اور بہت اونچے ہیں اُن کی چوٹیاں سفید اور چمک دار پو شاک سے آراستہ کی گئی ہیں۔ اور جو چھوٹے چھوٹے ہیں وہ سرسبز اور چمک دار ہرے بھرے درختوں سے سجائے گئے ہیں اور یہ اسلئے ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کی ملکہ کے سر پر ایسا ہی تاج زیبایا ہے جسکی کلفی کے ہیروں کی کرنیں زمر و میں نمودار ہوں،! جب ہمارے نواب صاحب نے اس شاعر کے ان نتائج طبع کو میری تفریح خاطر کیلئے مجھے دکھلایا تو میں نے کہا کہ ”یہ شاعر اگر اپنے مضمون کو بیان تک اور بڑھا دیتا کہ کوہستان اور مالک قرب و جوار کو (جنسے چھوٹی تبت اور ریاست راجہ گوماں اور کاشغر اور سری نگر مراد ہے) سرحد کشمیر میں داخل کر دیتا دیکھو کہ کتنا اڑا کیا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں یہ ملک کشمیر کے بل گزرتھے) اور اس سے بھی بڑھکر اگر وہ یہ کہتا کہ دریائے گنگا اور سندھ اور چناب اور جہنا (جو خوبی اور عظمت میں

دریا بے جیجوں وغیرہ سے جن کا کتاب مقدس میں ذکر ہے کچھ کم نہیں ہیں۔ مملکت کشمیر ہی سے نکلتے ہیں تو کچھ مضائقہ نہ تھا اور اسی بنیاد پر وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ باغ عدن بھی کشمیر ہی میں لگایا گیا تھا نہ کہ آرمینیا میں جیسا کہ لوگوں کا عقیدہ ہے۔

کشمیریوں کے ذہن و ذکاوت کشمیری لوگ لطافت و ظرافت میں مشہور ہیں اور بہ نسبت اور ہندوستان کے زیادہ ہوشیار اور ذہین سمجھے جاتے ہیں۔ اور شاعری اور فضائلِ علمیہ میں بھی ایرانیوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ یہ لوگ مختاری اور چست و چالاک بھی ہوتے ہیں اور انکی کاریگری خوبصورت اشیاء کے بنانے میں جیسے ہالکی پلنگ کے پائے صندوق صندوقچے قلمدان چمچے وغیرہ فی الواقع قابلِ تعریف ہے۔ اور وہ ان کے کارخانوں کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے تمام اضلاع میں برتی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ روغنِ کاری کے فن میں نہایت کامل ہیں اور نہایت باریک اور نفیس سنہری تاروں کو کسی چیز میں جما کر ہر ایک قسم کی لکڑی کے رگ و ریشہ کی ایسی خوبصورتی سے ہو بہو نقل آتے ہیں کہ مینے کہی کوئی ایسی نفیس اور بے عیب شے نہیں دیکھی۔

کشمیری شال کا ذکر لیکن جو شے کہ کشمیر سے مخصوص اور بڑی تجارت کی چیز ہے اور جسے خاص کردہ ان کی سوداگری کو چمکا اور کشمیر کو دولت سے

۱۵ مستحکم کتاب ہے کہ شاعر کا یہ شعر کہ ۱۵ اگر فردوسِ بروے زمین است - ہمیں تو

ہمیں است زمین است - کشمیر کے خوب حبِ خالی ہے۔

مالا مال کر رہا ہے وہ شال ہے جسکو وہ اپنے کارخانوں میں بناتے ہیں۔ اور جنگلی کثرت کے باعث اُنکے چھوٹے چھوٹے بچوں تک بھی بے شغل نہیں رہتے۔ ان شالوں کا طول قریب ڈیڑھ گز فرانسیسی کے ہوتا ہے اور عرض ایک گز اُسکے دونوں پلوں پر بہت نفیس نقش و نگار ہوتے ہیں جو ایک اڈے پر جب کا عرض قریب ایک فٹ فرانسیسی کے ہوتا ہے بناے جاتے ہیں۔ مغل اور ہندوستانی مرد اور عورتیں سب ان شالوں کو جاکٹوں میں بطور رضامی کے سرے اڈہ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو اپنے جسم پر ڈالے رہتے ہیں! شالیں یہاں دو قسم کی بنتی ہیں ایک تو کشمیری اڈن کی جو ملک اسپین کی پشم سے زیادہ نفیس اور ملائم ہوتی ہے دوسرے اُس پشم کی جنکو توڑ کھا جاتا ہے اور جسکی ملائمت اور نفا کو بیور یعنی سگ آبی کی پوستیں بھی نہیں پہنچتی اور بڑی تبت میں ایک قسم کی جنگلی بکریوں کی چھاتی پر سے اُتاری جاتی ہے۔

۱۵ آجکل کے زمانہ میں انگریزی ساوے کپڑوں کے رواج پاجانے کے سبب ہندوستان میں عموماً شال کی پوشش بہت کم ہو گئی ہے اور اگر چاہے اس پندرہ برس پیشہ کشمیری عہدہ شال فرانس کو بکرت جاتی تھیں۔ لیکن اب وہاں بھی بعض انقلابوں کی وجہ سے اسکی مانگ بہت کم ہو گئی ہے جس کو کشمیر کے پچارے شال بان بہت مفلس ہو گئے ہیں ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱

کشمیری اُن کے ریزے سے توڑکی شالیں زیادہ تر عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُن میں سے چند شالیں دیکھی ہیں جو اُمرا کے واسطے فرمائی تیار ہوئی تھیں اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ لاگت آئی تھی۔ اور کشمیری اون کی شال مینے کبھی پچاس روپیہ سے زیادہ کو فروخت ہوتے نہیں سنی۔ شال کو اگر کئی مرتبہ کھول کر ہوانہ دیجائے تو بہت جلد کیرا لگ جاتا ہے ہر چند پٹنہ اگر آہ اور آہو میں ایسی شالیں بنانے کے واسطے بڑی بڑی کوششیں عمل میں آئیں مگر باوجود ہر طرح کی ہوشیاری کے کشمیری شال کی ملائمت اور بافت کی خوبی نصیب نہ ہوئی۔ اور شاید یہ اُس ملک کے پانی ہی کا خاصہ ہے جسکے باعث کشمیری ریزے کو یہ بے نظیر نفاست حاصل ہے۔ چنانچہ مچھلی پن کی جھنڈوں وغیرہ کی اعلیٰ رنگت کو بھی جبکہ ہاتھ سے چھاسپتے ہیں اور جو ہر شوب میں عمدہ ہی نکلتی آتی ہیں وہاں کے پانی ہی کی خاصیت سے منسوب کرتے ہیں۔

اہل کشمیر کی شکل و صورت کا بیان [کشمیری لوگ خوبصورتی اور صباحت کے لئے اہل فرنگ کی طرح ضرب المثل ہیں اور نہ تو تار یوں کی طرح انکی ناک چوٹی ہوتی ہے اور نہ سورا کی سی بدنما چھوٹی آنکھیں] احوال کا شغرا اور اکثر بڑی تبت

۱۷ ہمارے اس زمانہ میں تین چار سو روپیہ سے کم قیمت کی شال امیرانہ پوشش کے لائق نہیں سمجھی جاتی اور فرمائی شالیں تو ایک تار سے لیکر دو ڈھائی ہزار روپیہ تک کی قیمت کی بھی بن سکتی ہیں مگر عموماً معمولی قیمت اچھی شال کی دو سو روپیہ سے لیکر سات آٹھ سو تک ہے۔ پس اس وقت اور اس وقت کی قیمت میں جہاں کہہ کر مصنف نے کیا ہے اختلاف کا سبب شاید یہ ہو کہ اس وقت ایسا عمدہ اور بایک کام نہ بنا ہو گا یا یہ سبب ہو کہ اس وقت کی پرہیز چاندی کی قیمت تدریجاً کم ہو گئی ہے ۱۲ س م ح۔

کے رہنے والوں کی علامت ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ہی حسین ہوتی ہیں اور قریباً ہر شخص جو اول ہی اول سلطنت مغلیہ میں اگر امر اور بار کی ذیل میں داخل ہوتا ہے اسی ملک سے اپنے لئے بیوی یا حرم پسند کرتا ہے تاکہ اسکی اولاد نسبت ہندوستانیوں کے زیادہ گوری ہو اور اصل مغلوں میں محسوب ہو سکے۔ اور جبکہ بازار میں اور دکانوں پر ادنی اور غریب لوگوں کی عورتیں حسین دیکھنے میں آتی ہیں تو میرے قیاس کی رو سے اونچے گھرانوں کی عورتوں کے جمیل ہونے میں کچھ ہی شک نہیں ہے۔

مصنف کا لاہور اکثر میر میں ایک قیام لاہور کے زمانہ میں حسین مستورات کے دیکھنے کرے حسین مستورات کو دیکھنا۔ کی خاطر میں بھی اسی طور کا ذرا سا کمر عمل میں لایا تھا جیسے کہ مغل لوگ اکثر تک جھانک کی غرض سے کیا کرتے ہیں کیونکہ نسبت تمام ہندوستان کے اس شہر کی عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں۔ رنگ گندمی ہوتا ہے۔ اور فی الواقع نزاکت اور لطافت اندام میں ان کی شہرت بجا ہے چنانچہ میں بعض ہاتھیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیا خصوصاً ایک ایسے ہاتھی کے پیچھے جس پر چھوٹا اور سامان از بس مکلف پڑا ہوا تھا اور اس تدبیر سے مجھے یقین تھا کہ جس نظارے کا میں طالب ہوں وہ غالباً مجھے حاصل ہو جائیگا کیونکہ وہاں کی مستورائیں ان نفرتی گھنٹوں کی آواز سنتے ہی جو ہاتھی کے دونوں طرف لٹکاے جاتے ہیں اکثر کھڑکیوں سے سر ہار نکال نکال کر دیکھنے لگ جاتی ہیں۔

پہلے پہل کتھمیر میں بھی میں اپنا دل اکثر اسی تدبیر سے بہلاتا رہا پھر ایک اور کراختیا کرنا

مگر آخر کار جب اس سے بھی زیادہ ایک اور عمدہ طریق ان کے دیکھنے کا اُس
شہر کے ایک مشہور بڑے ملا نے جس سے میں فارسی نظم کی کتاب پڑھا
کر تا تھا مجھے سکھایا تو میں نے اپنے مدعا کے حصول کے لئے اُس پر عمل
کرنا شروع کیا چنانچہ وہ طریق یہ تھا کہ بہت سی مٹھائی خرید کر میں اُس کے ساتھ
پندرہ سولہ گھروں میں جہاں وہ بغیر روک ٹوک کے جاسکتا تھا پہنچا۔ ان
سب گھروں میں مجھے اُس نے اپنا رشتہ دار ظاہر کیا اور کہا کہ ابھی ایران سے
آیا ہے اور بڑا متمول آدمی ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور جو ہیں ہم کسی
گھر میں داخل ہوتے تھے وہ فوراً لڑکے بالوں کو شیرینی تقسیم کرنے لگ
جاتا تھا اور اس حکمت سے اُس گھر کی سب عورتیں کیا بیاہی کیا کنواری کیا
بڑھی کیا جوان نہ صنہ بٹھامی لینے کی خاطر بلکہ اس مراد سے ہی کہ میں
آنکھ دیکھ لوں میرے گرد جمع ہو جاتی تھیں۔ اگرچہ اس شوق کے پورا کرنے میں
میرا بہت سارا وہ پیہ خیر ہوا مگر اس تدبیر سے مجھے کچھ شک باقی نہ رہا کہ حقیقتاً
کشمیر میں ویسا ہی حسن ہے جیسا کہ تمام فرنگستان میں۔

بھمبر سے کشمیر کو ہستانی راستے
اور عجائبات قدرت کا بیان

اب مجھ کو صرف اُس سفر کی کیفیت لکھنی رہ گئی
ہے جو بھمبر سے کشمیر تک کو ہستان کے اندر
مجھے کرنا پڑا اور مجھے اپنے اس خط کے شروع ہی میں لکھنا چاہیے تھا۔ اس
کیفیت میں کچھ حقایق تو ایسے ہیں جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھے
ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کوہستان قرب و جوار کشمیر کی بابت لوگوں سے حتی الوسع
تحقیق کر کے ہم پہنچاے ہیں! پس اب بھمبر سے راستہ کا حال سنئے

کہ جو ہیں ہم اُس ہولناک دیوارِ عالم کی دوسری جانب پہنچے جس سے میری مراد
بھمبر کا وہ بلند اور سیدھا اور درختوں سے خالی سیاہ پہاڑ ہے تو جہاں ایک
صاف اور ملائم اور تازگی بخش ہوا ملی اور میں پہلی ہی رات کو اپنے تین منطقہ
حارہ معتدلہ میں پا کر تعجب ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان
میں پہنچ گیا ہوں۔ جن پہاڑوں میں سے ہو کر ہمارا گزر ہوا وہ ہر قسم کے فرنگستانی
درختوں اور جھاڑیوں سے سبز ہو رہے تھے مگر اُن میں زوفا زیرہ۔ اور زمران
اور روز میری قسم کا گلاب نہ تھا۔ اور گویا میں اپنے تین آؤرن کے پہاڑوں
پاتا تھا جنہیں صنوبر۔ بلوط وغیرہ کے درخت کثرت سے ہیں اور اس سیرگاہ
اور ہندوستان کے جلتے ملتے میدانوں میں جبکہ ہم ابھی چھوڑ کر آئے
تھے اور جہاں کوئی شے بھی اس قسم کی نظر نہیں پڑتی تھی ایک نہایت
بین فرق معلوم ہوتا تھا۔ اور میری توجہ خصوصاً اس پہاڑ کی طرف تھی جو کہ بھمبر
سے دو دن کی مسافت پر تھا اور جسکی دونوں طرفین مختلف طور کے درختوں
سے لدی ہوئی تھیں یعنی جو طرف جنوب رو یہ اور ہندوستان کی جانب ہے
اُس پر تو ہندوستانی اور فرنگستانی دونوں قسم کے اشجار کھڑے ہیں اور
دوسری طرف یعنی جانب شمال صرف فرنگستانی درختوں اور نباتات سے
بھرے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف پر تو ہندوستان اور فرنگستان
دونوں کی ہوا اور طبیعت برابر ملی جلی ہے اور دوسری جانب رہا اعتبار زیادہ

۱۵ نیمبرن ایک قسم کا زہر کی ہے۔ س۔ م۔ ج۔ Thessaly

۱۶ فرانس کے ایک ضلع کا نام ہے۔ س۔ م۔ ج۔

اعتدال کے) صرف فرنگستان کی سی آب و ہوا ہے اراستہ میں میں اس حال کو دیکھ کر بھی نہایت متعجب ہوا کہ ادھر تو بیشمار درخت کھڑے ہیں اور خاروں میں جہاں انسان کو کبھی جانے کی بھی جرأت نہیں ہوتی نیچے اوپر پڑے ہوئے سڑگل کر خاک ہو رہے ہیں اور اُدھر اس طرح بید درخت اور نئے نئے پودے اُن کی قائم مقامی اختیار کرنے کے لئے بڑی خوشنمائی سے سرسبزی اور شادابی کی حالت میں لہلہا رہے ہیں! میں نے بعض جگہ جلع ہوئے درخت بھی دیکھے مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن پر بجلی گرمی تھی یا ایک دوسری کے ساتھ رگڑنے سے جل گئے تھے۔ کیونکہ تیز و تند ہوا کے چلنے سے درختوں میں یہ حالت اکثر واقع ہو جاتی ہے۔ یا یہاں کے لوگوں کے خیال کے موافق خشک اور پرانے ہو کر اُن میں خود بخود آگ لگ اُٹھتی تھی۔

ایک عجیب آبشار جس کے قریب	خوشنما آبشاروں نے جو یہاں چٹانوں کے
جہانگیر کی بنائی ہوئی ایک	مابین اکثر بڑے زور و شور سے گرتی ہیں خوبی
عالیشان عمارت ہے	اور لطف سیر کو نہایت ہی بڑھا دیا ہے۔ خصوصاً

ایک آبشار جو اپنی نظیر آپ ہی ہے میں نے اس کو ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر کچھ فاصلہ سے دیکھا کہ پانی کا ایک سیلاب ایک لمبے اور تاریک راستہ سے جو برابر درختوں سے ڈھکا ہوا ہے اگر بڑی تیزی کے ساتھ دفعتاً ایک بڑی سیلابی اور بلند چٹان پر سے گرتا ہے جس سے ایسا شور ہوتا ہے کہ کان سن ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ جہاں گیر نے اس آبشار کے متصل ایک

ہمارے کو ہوا کر کر اُسپر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرا دی ہے تاکہ اہل دربار اس حیرت افزا صنعت قدرت کے تماشا کو وہاں سے با آرام بیٹھکر ملاحظہ کر سکیں۔ اس آبشار اور اُن درختوں سے جو نکا ذکر ادبر ہوا قدامت اور کمنگی کے آثار ایسے نمایاں ہیں کہ آفرینش عالم کے ہم سن کننا شاید بجا نہیں ہے۔

پیر پنجال کی چڑبائی میں بیگم اس جگہ ایک ایسا سخت حادثہ پیش آیا جس سے کی سواری کے ہاتھیوں کا گھبنا اور کی عورتوں کی جان کا تلف ہٹا پادشاہ اس وقت پیر پنجال پہاڑ کی چڑبائی پر تھا جو سب

پہاڑوں سے ادنچا ہے اور جہاں سے ملک کشمیر پہلے ہی پہل دکھائی دینے لگتا ہے اور بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کی ایک بلبی قطار چلی آتی تھی جن پر عماریوں اور میکھٹنبروں میں بیگمیں سوار تھیں اس قطار میں کا سب اگلا ہاتھی لوگوں کی دانست میں راستہ کی بلندی اور درازی سے خوف کھا کر پیچھے کو ہٹا اور اُس ہاتھی پر اُن گرجو اُس کے پیچھے آتا تھا اور اسی طرح بندرہ ہاتھیوں کے ایک دو سر پر گر پڑنے کی نوبت پہنچ گئی۔ اور اب نہ تو وہ گھوم ہی سکتے تھے اور نہ دائیں بائیں حرکت کر سکتے تھے کہ اُس تنگ اور ڈھلوان راستے سے اپنے تئیں نکال لیں اور آخر بخود ہو ہو کر پیچھے جا گرے۔ مگر جس مقام پر یہ ہاتھی گرے تھے خوش قسمتی سے وہ جگہ چنداں بلند نہ تھی اسلئے صرف تین یا چار ہی عورتوں کی جان تلف ہوئی لیکن ہاتھیوں میں سے کسی ایک کے بچانے کی بھی کوئی صورت نہ نکلی۔ یہ جانور جب کہی بھاری بوجھ سے جو اکثر اُسپر لاتے ہیں دیکر بیٹھ جاتا ہے تو پھر

اچھے راستے پر بھی نہیں اٹھ سکتا پس ایسی خراب جگہ میں کس طرح اُٹھتے۔ چنانچہ جب ہم دور دراز جگہ پر اُسی راستے سے گزرے تو پہنچے دیکھا کہ بچارے کئی ہاتھی اب تک پڑے ہوئے اپنی سونڈیں ہلا رہے تھے۔ اُس فوج کو چار دن سے انتظار باندھ کر ان پہاڑوں میں کوچ کر رہی تھی اس حادثے کے باعث سخت تکلیف اٹھانی پڑی کیونکہ اُس روز کا باقی ماندہ دن اور تمام اگلی رات تہہ بیکات کی جان بچانے اور اسباب سنبھالنے میں گزرے اور اتنی دیر تک سپاہ کو مجبوراً اُسی جگہ ٹھہرنا پڑا اور اس سبب سے ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ کو باندھا کھڑا رہا۔ کیونکہ بہت سے مقامات ایسے تھے کہ وہاں سے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا ناممکن تھا اور قلی لوگ جنکے پاس خیمے اور رسد تھی وہ پہنچ نہیں سکتے تھے۔ مگر میری معمولی خوش قسمتی میرے ساتھ تھی۔ میں راستے سے الگ نکل کر ایک ایسی جگہ جا چڑھا کہ جہاں مینے اور میرے گھوڑے نے آرام و تسکین حاصل کی اور تھوڑی سی روٹی جو میرے نوکر کے پاس تھی ہم دونوں نے بانٹ لی۔

ایک بچہ کو پکڑنے کی عجیب حکایت

مجھ کو یاد ہے کہ اُسی جگہ پر پتھروں کے ہلانے جلانے سے لہو ایک بڑا سیاہ بچہ نظر پڑا جس کو ایک نوجوان منغل نے جو میرے جان بچانے والوں میں سے تھا اُسے اٹھا کر اپنی مٹھی میں دبایا اور پھر میرے نوکر کے اوپر ہاتھ میں دیدیا مگر اُس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اُس نوجوان سوار نے اس کا باعث یہ بیان کیا کہ مینے اس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر ہونک دی ہے۔ اور اکثر بچہ جو دن پر میں اسے سچ پڑھ کر بچہ نکال دیتا ہوں۔

مگر مجھے اُس آیت کے سکھلانے سے انکار کرنے کی اُس نے یہ وجہ بیان کی کہ اُسکی تاثیر اُس سے منتقل ہو کر میرے میں آجائیگی جیسا کہ بقول اُسکے! اُسکے استاد کا حال ہوا تھا۔ یعنی جب اُس نے اُس نوجوان کو یہ عمل سکھلایا تو فوراً اُسکی تاثیر استاد کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

پیر پنجال پرمھنت کا تین عجیب باتیں معلوم کرنا۔ جب ہم پیر پنجال پر سے جا رہے تھے

میں نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے ساتھ تین عجیب باتوں کا ملاحظہ کیا۔

(۱) گرمی و سردی کی دو متضاد کیفیتیں ایک تو یہ کہ ایک ہی ساعت میں گرمی اور

سردی کی دو متضاد کیفیتیں محسوس ہوئیں یعنی چڑھائی کے وقت تو دھوپ

بہت سخت معلوم ہوتی تھی اور ہم پسینے پسینے ہوئے جاتے تھے لیکن

چوٹی پر پہنچتے ہی سمنے اپنے تئیں جھپی ہوئی برف کے اندر پایا جبکو کاٹ کر

لشکر کے گزر کی واسطے راستہ بنایا گیا تھا جہاں خفیف خفیف برفانی بارش

بھی ہو رہی تھی اور ٹھنڈی ہوا ایسی تند کیسا تہ چل رہی تھی کہ بیچارے ہندوستانی

لوگ جنہیں سے اکثر نے کبھی سردی کی شدت نہیں اٹھائی تھی پہلے ہی

پھل اُس برف کو دیکھ کر بڑی تکلیف اور حیرت میں پڑ گئے اور بعض تو گہرا کر

ہواگ بھی گئے۔

(۲) صحت و دو سو قدم کے فاصلے میں دوسری بھیکہ کہ صرف دو ہی سو قدم کی مسافت

دو مخالف سمتوں سے ہوا کا چلنا کے اندر دو مخالف سمتوں سے ہوا چلتی تھی

یعنی چڑھائی کی وقت تو سامنے کی ہوا تھی جو شمال کی جانب سے آتی

تھی اور اترائی کے شروع ہوتے ہی ہماری پشت یعنی جنوب کی طرف سے

چلنے لگ گئی۔ غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا تھا کہ سب طرف سے بخارات اٹھ کر جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں تو وہاں کی سردی سے کثیف ہو کر اُس ہوا کی پیدائش کا باعث ہوتے ہیں جو وہاں چلتی رہتی ہے اور آسانی کی دونوں مخالف اطراف میں ہوا چلنے کا سبب یہ معلوم ہوتا تھا کہ گرمی کے سبب سے جو نیچے زیادہ ہوتی ہے۔ نیچے کی ہوا جب ہلکی اور لطیف ہو جاتی ہے تو اوپر کی تغیل ہوا اس کی جگہ لینے کو نیچے اتر آتی ہے اور یہ اُتار چڑھاؤ ہوا کی حرکت کا باعث رہتا ہے۔

(۳) ایک عمر رسیدہ درویش کا یہ بتانا کہ پیر پنجاں پر شور و غل مچانے سے طوفان آجاتا ہو اس کے مذہب سے تو کبھی کچھ واقفیت نہ تھی مگر لوگ یہ بیان کرتے تھے کہ اُس سے خرق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے بادلوں میں عجیب عجیب طرح کی گرج - طوفان - برف - اولے - اور مینہ پیدا ہو جاتا ہے اس کی سفید اور اچھی ہوئی ڈانٹ ہی بہت گمن دار اور لمبی تھی اور ہرے سے کچھ وحشت اور بد مزاجی کے آثار بھی نمایاں تھے اور خیرات بھی ایک اکھڑ پن سے مانگتا تھا اور لوگوں کو اُن مٹی کے پیالوں سے پانی پینے کی اجازت دیتا تھا جو ایک بڑے سے پتھر پر اُس نے بطور قضا کے چنے ہوئے تھے اور ہاتھ سے اشارہ کرتا جاتا تھا کہ یہاں توقف نہ کرو جلد اتر جاؤ اور جو لوگ کچھ غل مچاتے تھے اُن سے سخت ناراض ہوتا تھا مگر جب میں اُس غار میں کہ جہاں وہ بیٹھا تھا پہنچا اور سودب طور پر اُس کے ہاتھ پر ایک

اٹھنی رک کر اسکا مزاج ٹھنڈا کیا تو اُس نے مجھے کہا کہ یہاں شور و غل مچانے سے ہوا اور مینہ کا ایسا سخت طوفان پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کے خیال میں ہی نہیں آسکتا۔ اور کہا یہ اورنگ زیب کی دانائی ہے جو اُس نے ہماری نصیحت مان کر سپاہ و لشکر کو چپ چاپ اور تعجیل کے ساتھ اتر جانے کا حکم دیدیا ہے اور اسکا باپ شاہجہان بھی ایسے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ عمل کیا کرتا تھا۔ مگر جہانگیر نے ایک دفعہ ہماری نصیحت کو نہی میں اڑا کر باوجود ہماری تاکید دی ممانعت کے نقارے اور نفریان بھانینکا حکم دیدیا تھا مگر وہ ایسے طوفان میں گھر اکہ ہلاک ہوتے ہوئے بچ گیا۔

کشمیر کے بعض جنموں اب میں اپنی خدمت میں اُس سیر و سیاحت کا حال وغیرہ کا کچپ بیاں بیان کرنا شروع کرتا ہوں جو میر نے اس ملک کے مختلف حصوں میں کی ہے۔ شہر کشمیر میں پہنچتے ہی ہمارے نواب دشمنہ خان نے مجھ کو اس ملک کی پہلی حد تک بھیجا جو دار الحکومت سے ہلکی سی تین منزل ہتہ تاکہ میں اُن عجائبات کا ملاحظہ کروں جو ایک اُبلتے چشمنے سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ میرے ہمراہ ایک وہاں کا باشندہ اور محافظت کی واسطے نواب صاحب کا ایک سوار بھی تھا۔

چشمہ سوند جباری کی دیکھتے ہی اس کے عجائبات یہ ہیں کہ ماہی میں جو وقت برف پلگنے جاری و بند ہونے کے بعد اگیر اوقات اور اس کے سبب کی نسبت مصنف کا خیال۔

جباری رہتا ہے اور رات دن میں تین بار یعنی طلوع آفتاب کے وقت اور دوپہر اور رات کو بند

ہو جاتا ہے۔ اکثر بچوں گنٹھ تک اُس سے متواتر پانی نکلتا رہتا ہے اور ایک ایسے مربع حوض کے بھر دینے کو جو دس یا دہ فرانسیسی فٹ عمق اور اسقدر طول و عرض رکھتا ہے مکتفی سے بھی زیادہ ہے اور جب پندرہ روز گزر جاتے ہیں تو پانی کی آمد کس قدر کم ہو کر اُس کا بہاؤ معمولی اندازہ پر آ جاتا ہے اور ایک مہینہ گزرنے کے بعد پانی کی آمد بالکل بند ہو جاتی ہے مگر سخت اور متواتر بارشوں میں مثل باد چشمون کے بلا انقطاع اور بلا اندازہ جاری رہتا ہے۔ اس حوض کے کنارے پرہندوں کا ایک مندر ہے جو ہر دلیوتا کے نام سے منسوب ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اُس کو سوندہ براری یعنی آب برار کہتے ہیں۔ چنانچہ جاتری لوگ دور دور سے آکر اس مندر پر حج ہوتے ہیں تاکہ اس معجز نما اور پوتر پانی سے اشنان کریں۔ اس چشمہ کی اصلیت کی بابت لوگ بہت سی حکایتیں بیان کرتے ہیں جو لغو اور بیہودہ ہونے کی وجہ سے انکا بیان چنداں دلچسپ نہ ہو گا۔ پانچ چھ روز جو مجھ کو یہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو میں اس عجوبگی کا سبب دریافت کرنے میں کوشش کرتا رہا چنانچہ میں نے اُس پہاڑ کو جس کے دامن میں یہ عجیب چشمہ نکلتا ہے لغو ملاحظہ کیا اور سخت محنت اور مشکل کے ساتھ اُسکی چوٹی پر پہنچ کر قدم قدم پر تلاش کرنے اور دیکھنے میں کوئی حصہ اُسکا دریافت سے باقی نہ چھوڑا۔ اُسکا طول شمال سے جنوب کی جانب ہے اور اگرچہ اوپر پہاڑوں کے بہت قریب ہے مگر تاہم سب سے بالکل جدا ہے۔ اُسکی مہیت گدھے کی پیٹھ کے مشابہ ہے اور اگرچہ چوٹی کا طول بہت بڑا ہے مگر عرض غایت درجہ سو قدم بھی مشکل سے ہو گا

اسکی ایک طرف شمال رو یہ ہے جس پر بزرگھاس کے سوا اور کچھ نہیں ہے
 مگر صبح کے آٹھ بجے تک مقابل کے پہاڑوں کے حائل ہو جانے کی
 وجہ سے اسپر دھوپ نہیں آتی۔ اور غریب جانب درختوں اور نباتات سے
 پر ہے۔ پس یہ حالات دیکھ کر مینے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید حرارت
 آفتاب اسکے موقع کی خصوصیت اور اندرونی کیفیتوں سے لکڑیوں عجوبگی
 کو پیدا کرتی ہے اور اس بنا پر مینے اپنی یہ رائے قائم کی کہ جاڑے کے
 موسم میں جبکہ تمام زمین برف سے ڈھک جاتی ہے کچھ پانی پہاڑ کے
 اندرونی حصوں میں برس کر اور ٹھہر ہو کر اسی طرح محفوظ پڑا رہتا ہے اور جب
 صبح کے وقت سامنے کی دھوپ سے پہاڑ کا وہ حصہ گرم ہو جاتا ہے
 جس پر برف سے پہلے دھوپ آتی ہے تو وہ پانی بچل کر پہاڑ کی دراڑوں میں
 سے دوپہر کی وقت چشمہ کی جگہ بھوٹ نکلتا ہے اور جس وقت وہ مقام جو صبح
 کی دھوپ سے گرم ہوا تھا آفتاب کے بلند ہو جانے کے باعث سرد
 ہو جاتا ہے تو اُس جگہ سے پانی کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب دوپہر کے وقت
 آفتاب کی شعاع پہاڑ کی چوٹی پر اُسکے سر کی طرف سے پڑنے لگتی ہے تو پہاڑ کی
 دوسرے حصہ کا پانی پھلنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج دوسرے راستوں سے انہیں
 پہلے راستوں میں آجاتا ہے اور رات کو چشمہ سے بسنے لگتا ہے۔ پھر جب آفتاب کی
 دھوپ پہاڑ کی مغربی سمت پر پڑتی ہے تو وہی تاثیر اُس طرف کے منجمد پانی پر ہوتی
 ہے جو صبح کی وقت پانی نکلنے کا باعث ہے۔ مگر اس دفعہ جو پانی چشمہ سے آہنگی
 کے ساتھ نکلتا ہے اسکا باعث یہ ہے کہ مغربی سمت کے پانی کا ذخیرہ چشمہ

کے موٹہ سے کس قدر فاصلہ رکھتا ہے اور یہ ہی سبب ہے کہ کثرت
اشجار کی وجہ سے تلازتِ آفتاب سے پہاڑ کی وہ طرف کم اثر پذیر ہوتی ہے
یا فقط رات کی سردی اس کا سبب ہے کہ جبکہ باعثِ پانی کا جریان کس قدر
ست ہو جاتا ہے۔

میرے ان دلائل کو اس بات پر غور کرنے سے تائید پہنچتی ہے کہ پہلے
دنوں میں پانی کثرت سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج گھٹکر بالکل بند ہو جاتا ہے
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی پہاڑ کی دراڑوں میں جما ہوا پڑا تھا ابتدا میں
زیادہ تھا اور اخیر میں کم ہوتا گیا۔ علاوہ بریں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس
چشمہ سے پانی کے بہاؤ کی مقدار خواہ ابتدائی موسم ہی میں کیوں نہ ہو بالکل
غیر معین طور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات دوپہر کو رات یا صبح کی
نسبت زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کو بہ نسبت دوپہر کی کثیر المقدار ہوتا ہے جس کا سبب ظاہر
ہے یعنی یہ کہ کسی دن گرمی زیادہ ہوتی ہو اور کسی دن کم اور بعض اوقات ابر کے سبب وہوپ کی
حرارت میں کمی اور زیادتی کا ہو جانا پانی کو بہاؤ میں کمی اور زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔

اچھل نام ایک جوشندہ چشمہ سوندہ براری سے داپسی کے دقت میں شاہراہ
اور دہاں کے باغ کا ذکر۔ سے تھوڑا سا چکر کھا کر آیا تھا تاکہ اچھل کی بھی سیر

کرتا چلوں! یہ جگہ شہر کشمیر کے توابع میں ایک بادشاہی باغ ہے جو سابق
میں راجگان کشمیر سے متعلق تھا اور اب شاہانِ مغلیہ کی سیرگاہ ہے جو جیکر
بالخصوص اس جگہ کی حسن و خوبی کا باعث ہے وہ ایک جوشندہ چشمہ ہے
جس کا پانی میکرڈوں چھوٹی ٹھوٹی ٹھنڈوں میں منقسم ہو کر اُس مکان کے گرد و اگل باغ

میں بھرتا ہے اور خالی از لطف نہیں۔ اس چشمہ سے پانی اس شدت سے اُچھلتا ہے کہ گویا کسی کنوئیں کی تہ سے جوش مار رہا ہے اور اتنا زیادہ ہے کہ اسکو دریا کہنا چاہیے نہ کہ چشمہ۔ اور نہایت لطیف اور برف کی مانند سردی ہے۔ یہ بلغ بہت خوبصورت ہے اسکی روشنین نہایت اسلوب سے بنی ہوئی ہیں۔ اور میوہ دار درختوں۔ مثل سیب۔ ناشپاتی۔ الوچہ اور زرد آلو سے بھرا ہوا ہے۔ نوارے مختلف وضع اور شکل کے اور مچھلیوں کے رکھنے کے لئے حوض کثرت سے بنے ہوئے ہیں۔ اس جگہ ایک آبشار ایسی بلند ہے کہ گرتے وقت تین یا چالیس قدم کے طول میں ایک سفید اور خوبصورت چادر کی شکل بناتی ہے۔ اور ایک ایسی عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ خصوصاً رات کے وقت جب اس کے نیچے دیوار کے طاقوں میں جو اس غرض سے بنائے ہوئے ہیں صد ہا چراغ روشن کر دیئے جاتے ہیں تو اور ہی سماں نظر آتا ہے۔

ایک اور بادشاہی باغ اور اچھریل سے چلکر میں ایک اور بادشاہی باغ میں پہنچا جو وہ دہاں کی ایک حوض کی مچھلیوں کا ذکر۔

یاروٹی کا ٹکڑا ڈالنے سے نزدیک آجاتی ہیں۔ اور بڑی بڑی مچھلیوں کے جھجڑوں میں سونے کے بائے پڑے ہوئے ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بائے نور محل (نور جہاں بیگم) نے جو اورنگ زیب کے دادا جہانگیر کی بیگم تھی پہنائے تھے۔

بارہ سولہ ایک بیکریک جب میں نے واپس آکر سوندہ براری کے حالات
 مقبرہ بیماروں کے شفا ہائے دانشمند خاں سے بیان کئے تو معلوم ہوتا تھا کہ
 کی غلط فہم اور ایک ایسی وہ انکو سنکر خوش ہوئے۔ پھر انہوں نے مجھ سے
 اور یہودہ اعتقاد کا ذکر ایک اور طرف جانے کی فرمائش کی تاکہ میں بھی اس
 عجیب امر کی تصدیق کروں جسکو اور لوگوں کی طرح وہ بھی فی الحقیقت
 کراست سمجھتے تھے اور ان کے گمان میں وہ ایسی کراست تھی کہ
 میں اسے دیکھ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ دو آپ ذرا بارہ سولہ
 تک رہ آئیے جسکا فاصلہ سوندہ براری سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ وہاں
 ایک مقبرہ ہے جس میں ایک مشہور پیر کا مزار ہے جو اگرچہ اب زندہ نہیں ہیں
 مگر ان کی کراست سے اب تک بیمار اور ناتوان لوگوں کو شفا ہوتی ہے۔ اور
 مرض یا شفا کے فی الواقع ہونے کو شاید آپ نہ مانیں مگر اس بزرگ کی کراست
 سے ایک اور کثرتمہ ظہور میں آتا ہے جسکو دیکھ کر ہر شخص کو تسلیم ہی کرنا پڑتا ہے
 یعنی وہاں پتھر کی ایک بڑی مڈورسل بڑی ہے جسکو نہایت طاقت ور آدمی
 بھی زمین سے نہیں اٹھا سکتا لیکن گیارہ آدمی اس دلی کے حق میں کچھ
 فائدہ وغیرہ پڑھ کر اپنی انگلیوں کے سرے سے ایسی آسانی کے ساتھ اٹھا
 لیتے ہیں کہ جیسے ایک گھاس کا تنکا اٹھا لیا۔ میں نے اس دور سفر کی
 تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کر لیا اور اپنے دونوں پہلے رفیقوں کے ساتھ چل دیا۔
 بارہ سولہ کو میں نے ایک فرحت بخش جگہ پایا۔ اور اگرچہ مقبرہ تو کچھ بہت
 بڑی لاگت کا مکان نہ تھا مگر اس پیر کی قبر البتہ تکلف سے آراستہ تھی۔ اور اس کے

چاروں طرف لوگ دعا وغیرہ میں مشغول تھے اور کہتے تھے کہ ہم بیمار ہیں اُس مقبرہ کے متصل ایک باؤ چینیانہ ہے جہاں مجھ کو بڑی بڑی دیگرین گوشت اور چاولوں سے بھری ہوئی نظر پڑیں جس سے میں فوراً تازہ لیا کہ بس یہی بیماروں کے یہاں کھینچ لانے کے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہیں اور یہی انگلی شفا کے لئے کرات کا حکم کرتی ہیں۔ مقبرہ کے دوسری جانب ایک باغ اور مجاور لوگوں کے حجرے ہیں جنہوں نے اپنے پیر کی مقدس کرامتوں کے اعظماء کو اپنی گزران کے لئے ایک بیخاش حیلہ بنا رکھا ہے اور اسکی کشتیاں اور محامد و مناقب بڑی سرگرمی کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں ایسے معاملات میں ہمیشہ سے پرستش ہوں پس جب تک میں بارہ مولا میں رہا پیر صاحب نے کسی مریض پر اپنی کرامت کا اثر نہیں ڈالا اور میں اُسکے مشاہدہ سے محروم ہی رہا۔

اب اُس بھاری سل کا حال سنئے جو مجھے مسلمان بناتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ مجاوروں میں سے گیارہ آدمیوں نے اُسکے گرد حلقہ باندھ لیا مگر انگلی نیچی نیچی قبواں اور شش کی ہوئی بلا فضل حلقہ بندی کی وجہ سے مجھے اُس طریقہ کے دیکھنے میں جس سے وہ اُس پتھر کو اٹھاتے تھے بڑی دقت پیش آئی مگر غور کرنے سے مجھے اُنکی سب مکاری اور ہمت بھیری معلوم ہو گئی اور اگرچہ یہ لوگ بڑی شد و مد سے ادعا کرتے تھے کہ ہر شخص نے اپنی انگلی کی صرف ایک ہی پور لگائی ہے اور پتھر ایسا سبک محسوس ہوتا رہا ہے جیسا کہ ایک بار ہوتا ہے مگر مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ سارا زور لگاے ہوئے وہ زمین سے نہیں

اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجاوروں نے اُس پتھر کے اُٹھانے میں صرف اپنی انگلیاں ہی نہیں لگائیں بلکہ اپنے انگوٹھے بھی لگائے تھے مگر بائینہم میں بھی اُن کے اور اُن کے طرفداروں کے ساتھ جو ”لفظِ کرامت“ پکار رہے تھے ہم آوازِ درہم آہنگ ہو گیا۔ پھر مینے انگو ایک روپیہ نذر کیا اور نہایت عقیدت مندانہ صورت بنا کر التجا کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں بھی ایک دفعہ اس مقدس پتھر کے اُٹھانے والوں کے حلقہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل کر لوں۔ یہ لوگ پہلے تو متامل ہوئے مگر جب مینے ایک روپیہ اُڑ نذر کیا اور کرامت کی سچائی کی نسبت اپنا اعتقاد ظاہر کیا تو اُن میں سے ایک نے مجھے اپنی جگہ دیدی۔ کیونکہ انکو یقیناً یہ اُمید تھی کہ دس آدمی کچھ زیادہ زور لگا کر اس پتھر کو اُٹھالینگے خواہ میں اپنی انگلی کی صرف ایک پور لگانے کے سوا اُسکے اُٹھانے میں کچھ زیادہ مدد نہ دوں۔ اور انکو یہ بھی توقع تھی کہ ایسی جالاکئی کے ساتھ اُسکے اُٹھالینے کا انتظام کر لیں گے کہ مجھ کو اُن کا فریب معلوم نہ ہو سکے گا۔ مگر جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ پتھر جبکو میں بجز اپنی انگلی کی پور کے اور کچھ سہارا نہیں لگاتا تھا برابر میری طرف جھکا اور گرا جاتا ہے تو وہ سخت نادام ہوئے اور بالآخر میں نے عیاری کی راہ سے اُس پتھر کو اپنی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ بزدلِ محتامنا مناسب سمجھا اور ہم سب اُسکو بڑی مشکل کے ساتھ اُسکی معمولی بلندی تک لے آئے اور جب میں نے دیکھا کہ ہر شخص میری طرف بُری نگاہ سے گھور رہا ہے اور خدا جانے میری نسبت کیا کیا خیال کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ یہ شخص پتھر کے اُٹھانے کے مناظر میں بڑے

کے باعث خود پتھر بن جانے کے سزا کے لایق ہے تو میں نے مناسب جانا کہ
 سچر دو لفظ کرامت کرامت، پکارنے میں اُن کا شریک ہو جانا پسند کیا اور
 ایک بیسرا روپیہ انکی طرف اور ڈال کر اُس ازدحام سے جھبٹ پٹ آنکھ بچا کر
 نکل آیا۔ اور اگرچہ صبح سے میں نے مطلق کچھ نہیں کھایا تھا مگر وہاں ٹھہرنا مناسب
 نہ جانا اور فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیر صاحب اور انکی کرامت کو ابدال آباد
 تک وہیں چھوڑ آیا۔ اس جگہ کی آمدورفت سے یہ فائدہ البتہ ہوا کہ اُن مشہور
 چٹانوں کو دیکھ لیا جسکے پیچ میں سے گر کر تمام ولایت کشمیر کی ہندوں اور چشموں
 کا پانی ایک دریا بن کر نکلتا ہے۔ اور جبکا اشارہ میں اس خط کے شروع میں
 کر چکا ہوں۔

ایک جھیل کے اندر ایک فقیر میں اپنے شوق کی وجہ سے شاہراہ سے علیحدہ ہو کر
 کے مکان کی نسبت لوگوں کے ایک بڑی جھیل کی طرف چلا گیا جو معمولی شاہراہ سے
 اس بیہودہ اعتقاد کا ذکر کہ وہ کچھ فاصلہ پر تھی۔ اس جھیل میں جھیلیوں اور خصوصاً
 کر اس کے پانی پر تیرتا ہے مارا ہی کی بڑی کثرت ہے اور مرغابیاں اور براج ہنس
 اور اور بہت سے آبی پرندے بکثرت رہتے ہیں اور صوبہ دار کشمیر جاڑوں میں
 اس جگہ شکار کھیلنے اکثر آتا ہے اور اسوقت پرندوں کی اس جگہ نہایت کثرت
 ہوتی ہے اس جھیل کے وسط میں ایک فقیر کا چھوٹا سا ایک باغچہ اور حجرہ ہے
 جسکو لوگ سمجھتے ہیں کہ کرامت سے پانی پر تیرتا ہے اور جو فقیر یہاں رہتا ہے
 مدت العمر ایسے بسر کرتا ہے اور یہاں سے کبھی باہر نہیں جاتا۔ اُن ہزاروں
 محل اور بیہودہ حکایات سے جو اس حجرہ کی بابت مشہور ہیں بجز ایک معتبر روایت

کے کہ کشمیر کے راجگان سلف میں سے کسی راجہ نے صرف تماشے کی غرض سے چند پُرکار اور مضبوط شہیروں کو باہم چوڑ کر اُن پر ایک حجرہ تعمیر کروایا تھا میں اپنے اس خط کو سیاہ کرنا نہیں چاہتا! وہ دریا جو بارہ مولا کو جاتا ہے اس جھیل کے وسط میں ہو کر گزرتا ہے۔

ایک چشمہ کا ذکر جو مے کر اُلتا ہے اور اسکے سطح پر اُبلنے کے سبب کی نسبت صنف کا خیال

اس جھیل سے چل کر میں ایک چشمہ کی تلاش میں گیا جبکو نہایت عجیب و غریب خیال کرتے تھے۔ چشمہ بیلے کی شکل میں آہستگی کے ساتھ ا و بلتا اور کسی قدر زور سے تھوڑا سا بلند ہوتا جاتا ہے! اسکے پانی میں کسی قدر صاف اور شفاف ریگ ملی ہوئی نظر آتی ہے جو کچھ زور سے پانی کے اوپر کو چڑھ کر پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ اور اُسکے بعد دو ایک لمحہ تک پانی کا جوش کھانا اور ریگ کا اوپر کو چڑھنا ختم جاتا ہے اور پھر بدستور سابق پانی زور کرتا ہے اور رنگ اور پھر کو چڑھ کر نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ اور اس چشمہ کا یہ حرکت اور سکوں اس طرح کے غیر معین نظام میں جاری رہتا ہے! سب سے زیادہ عجیب امر جو اس چشمہ کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بہت تھوڑا سا شور خواہ بولنے سے ہو خواہ زمین پر پاؤں مارنے سے پانی میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا اُسکے اُبلنے اور بہنے کا باعث ہو جاتا ہے اگر میں دریافت کر لیا کہ اُس میں نہ تو بولنے سے حرکت پیدا ہوتی ہے نہ پاؤں مارنے سے بلکہ اُسکی حرکت اور سکون کا حال خواہ آپ بولیں یا نہ بولیں ایک ہی سا رہتا ہے! اور چونکہ میں اسکے اصل

باعث کی نسبت بخوبی غور نہیں کی اسلئے آپکی خدمت میں کوئی قابل طینان
تشیع نہیں لکھ سکتا مگر شاید یہ سبب ہو کہ ریت اپنے ثقل طبعی کے باعث
اُس کم زور چشمہ کے تنگ مجرا میں عود کر کے پانی کے اُچھلنے میں روک پیدا
کر تا ہے اور اس سبب سے پانی جب اندر زیادہ جمع ہو جاتا ہے تو ریت
کے ہٹانے اور راستہ کے کھولنے کے لئے پھر زور کر تا ہے۔ یا بطن غالب
شاید یہ ہو کہ جو ہوا اس کے مجرا میں بھری ہوئی ہوتی ہے وہ لمحہ لمحہ اوپر کو چڑھتی
ہے جیسے کہ عموماً فواروں میں یہ کیفیت مشاہدہ ہوا کرتی ہے۔

ایک جھیل کا ذکر ہمیں بڑے جب ہم اس چشمہ کو اچھی طرح دیکھ چکے تو ایک اور
بڑی بڑی ٹکڑے بڑے ہوتے ہیں وسیع جھیل کے دیکھنے کو بہاڑ پڑ پڑ ہے جس میں گرمی کے
موسم میں بھی برف موجود رہتی ہے اور تند ہوا کے چلنے سے برف کے
بہت بڑے بڑے ٹکڑے بحر منجمد کی طرح کبھی مجتمع اور کبھی منتشر
ہوتے رہتے ہیں۔

مقام صدف سنگ سفید کے قدرتی اس کے بعد ہم اُس مقام سے ہو کر گزرے جب کو
چھوٹوں کی بہار اور اس روایت کا سنگ سفید بولتے ہیں۔ یہ جگہ دو باتوں کے
ذکر کہ شور و غل کرنے سے دہانت
بارش ہو۔ نے لگتی ہے۔

(۱) ایک یہ کہ موسم بہار میں یہاں ہر قسم کے
ویسے ہی پھول پیدا ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے عمدہ باغ میں۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہاں قدیم سے ایک یہ روایت چلی آتی ہے کہ جب
آدھیوں کا زیادہ از و حام ہوتا ہے اندوہ شور و غل مچا کر ہوا میں حرکت پیدا کرتے

ہیں تو ضرور شدت سے بارش ہونے لگتی ہے۔ ایسا اتفاق خواہ عموماً ہوتا ہوا یا نہ ہوتا ہو مگر اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ چند سال گزرے جب شاہجہاں بادشاہ یہاں آیا تھا تو گو اس نے غیر ضروری شور و غل کی ممانعت کیواسطے احکام بھی جاری کر دیئے تھے مگر بہرہی غیر معمولی اور شدید بارش کے باعث اُسکے تمام عمر اہی ہلاکت کے خطرہ میں پڑ گئے تھے اس بیان کو سنکر آپ اس بڑھے فقیر کی گفتگو یا دفر مائیکے جو کہ ہر نیچا پر مجھے ہوتی تھی۔

میرا ارادہ تھا کہ اس پہاڑ کے ایک غار کو بھی دیکھتا چلوں جو سنگ سفید سے درودن کی راہ پر تھا اور اسمیں عجیب عجیب طور کی منجمد چیزیں قابل مشاہدہ تھیں۔ مگر اتنے میں میوے پاس خبر پہنچی کہ ہمارے نواب صاحب میری بہت دنوں کی غیر حاضری سے فکر مند اور متروک ہیں اسلئے مجھے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

کشمیر کے قرب و جوار کے پہاڑی جب سے میں یہاں آیا ہوں ہر چند میرے خیالات ملکوں اور وہاں کی پیداوار وغیرہ اسی مضمون کی طرف مائل رہتے ہیں مگر مجھے کوئی اور باشندوں کے مذہب اور ہم شوق اور ہم خیال شخص بہم نہیں پہنچا اور نہ کوئی ایسا آدمی ملا جسکو کاوش اور تلاش ہو اور اُن امور سے سادہ لوحی کتابیاں۔

واقفیت رکھتا ہو جنکو میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسلئے مجھے افسوس ہے کہ کشمیر کے قرب و جوار کے کوہستان وغیرہ کی نسبت میں مختصر اور غیر مکمل ہی اطلاع دے سکتا ہوں۔ مگر بہر حال جو کچھ میں نے دریافت کیا ہے آپکو لکھتا ہوں

وہ تاجر لوگ جو سال بنانے کی عمدہ ہنرمندی کے جمع کرنے کے لئے سال بسال پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں متفق اللفظ بیاں کرتے ہیں کہ اُن پہاڑوں کے اندر جو آبِ ہئی کشمیر کے توابع میں شمار ہوتے ہیں زمین بہت زرخیز ہے اور اُن میں سے ایک علاقہ تو ایسا ہے کہ جسکے سالانہ خراج میں صرف اون اور چمڑا دیا جاتا ہے اور عورتیں حسن و جمال اور پاک دامن اور دستکاری میں ضرب المثل ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر ایک اور علاقہ جسکے وادی بہت خوشنما اور میدان سیر حاصل ہیں وہاں چاول اور کئی قسم کا غلہ اور سیب اور ناشپاتی اور زرد آلو اور نفیس خرپوزہ اور انگور جس سے عمدہ شراب بنتی ہے، کثرت سے ہوتا ہے اور اس کا خراج بھی چمڑے اور اون ہی سے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہی اتفاق ہو جاتا ہے کہ اسکے باشندے اپنے ملک کی دشوار گزاری کے بھر دوسہ پاداشے خراج سے انکار کر بیٹھتے ہیں لیکن ہر کاری فوج ہمیشہ جا کر پھر مطیع کر لیتی ہے۔ سو اگر لوگوں سے میں یہ بھی سنتا ہوں کہ دُور دُور کے پہاڑوں میں جو آبِ کشمیر کے بان گرا نہیں رہے اور بھی اچھے اچھے خوشنما علاقے ہیں جہاں کے لوگ سرخ و سفید اور خوش اندام ہوتے ہیں لیکن اپنے وطن سے ایسا اُنس رکھتے ہیں کہ کبھی شاد و ناوہی باہر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض علاقوں میں کوئی حاکم ہی نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک تحقیق ہو سکتا ہے کچھ مذہب ہی معلوم نہیں ہوتا مگر ہاں بعض بعض اقوام مچھلی کو ناپاک سمجھ کر کمانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اُب میں وہ حال بیان کرتا ہوں جو چند روز ہوئے مجھے ایک بڑے

نیک مرو نے کہ جسے کشمیر کے ایک قدیم راجہ کی نسل میں شادی کی تھی بیاں کیا تھا۔ جس زمانہ میں جہانگیر بادشاہ راجگاہ کشمیر کے خاندان کے لوگوں کی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہا تھا یہ بڑھا بچکا اپنے تین متعلقوں کے ساتھ مذکورہ بالا کو ہستان کی جانب نکل گیا تھا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ کدھر جاتا ہوں مگر پھرتے پھرتے آخر کار وہ ایک خوشنما چھوٹے ضلع میں جا نکلا جہاں اسکے شرف خاندان سے مطلع ہوتے ہی لوگ بڑے اخلاص اور عقیدت سے پیش آئے اور اس خوش نصیب شخص کے روبرو پیش کش اور نذرانوں کے انبار لگا دیئے۔ اور شام کو اپنی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں اس التجا سے لیکر حاضر ہوئے کہ آپ ان میں سے کسی کو پسند فرمائیں تاکہ اس ملک کو آپ کی نسل سے فخر حاصل ہو۔

پھر یہ میرا دوست ایک اور ضلع میں جو اس ضلع کے قریب ہی تھا گیا اور وہاں بھی اسکی ویسی ہی آؤ بگت ہوئی لیکن شام کے وقت کی تو ضلع میں ایک بات کا فرق ہوا یعنی وہاں کے لوگوں نے اپنی لڑکیاں حاضر کی تھیں اور یہاں والوں نے اپنے ہمسایہ نیکو بونف سمجھا اور یہ مال نہیشی کر کر کہ لڑکیاں تو آخر کار اپنی خاوندوں کے ساتھ اپنی اپنی سسرال کو چلی جائیں گی اپنی جو بیویاں پیش کیں۔

چوٹی تبت کے فرمانروا کے چھوٹی تبت جو کشمیر کی سرحد پر ہے اسکے زمانہ میں روا پیشکش لیکر کشمیر میں حاضر ہوئے خاندان کے لوگوں میں چند سال سے بڑے بڑے اور اسکی زبانی ملک تبت کے یہ حالات معلوم ہوئی انکا ذکر شخص نے جو حکومت و ریاست کا دعویٰ دار تھا

پوشیدہ صوبہ دار کشمیر سے مدد کی درخواست کی اور شاہجہاں کے حضور سے حکم ہو گیا کہ جو مدد کار ہو دیجائے۔ چنانچہ صوبہ دار نے یورش کی اور بعض عہدیدار قتل ہو کر اور بعض بھاگ گئے اور سکواں شہر کا ساتھ سپر بٹھا دیا گیا کہ سال بسال کس قدر بلور مُسک اور شمال بنانے کی اُون بطور حزان دیا کرے اور یہی وجہ تھی کہ اس شخص کو یہ چیزیں بطور پیشکش لیکر بذاتِ خود اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہونا پڑا مگر ایسے حقیر سامان کے ساتھ آیا ہے کہ میں تو کبھی اُسکو عالی رتبہ شخص خیال نہیں کر سکتا! ہمارے نواب نے اس غرض اُسکی دعوت کی کہ اُس سے اُسکے علاقہ کے کچھ حالات معلوم کر سکیں۔ چنانچہ اُس نے ہم سے بیان کیا کہ بڑی تبت میری ریاست کی خدِ شرقی ہے اور اُسکا عرض قریب نو فٹے یا ایک سو بیس میل کے ہے اور کہا کہ گو ہمارے ہاں بلور مُسک اور لُشمر یہ اشیاء بہم پہنچتی ہیں۔ مگر میں چنداں متمول نہیں ہوں اور لوگوں کا یہ عام گمان کہ میرے قبضہ میں سونے کی کانین ہیں بالکل غلط ہے۔ اُس نے یہ بھی بیان کیا کہ اُسکے ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ میوے پیدا ہوتے ہیں خصوصاً خربوزہ جو کئی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر کثرتِ برف کے باعث جاڑا بڑی شدت سے پڑتا ہے اور وہاں کے باشندے پہلے بت پرست تھے مگر اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی مسلمان ہوں اور شیعہ ہوں۔ اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ ”سترہ اٹھارہ برس گزرے کہ شاہجہاں نے بڑی تبت کو جسپر راجگان کشمیر کی اکثر تاخت رہتی تھی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور سپاہ نے

بعد سولہ دن کے ایک مشکل سفر کے جو کہ ہستان میں سے کرنا پڑا تھا ایک قلعہ کو محاصرہ کر کے لے ہی لیا تھا اور وہاں کے لوگوں میں ایسی ہی چل ڈال دی تھی کہ بیشک تمام ملک مسخر ہو جاتا اگر سپاہ شاہی ایک مشہور اور تیز رو دریا سے جو راستہ میں آتا ہے اتر کر اسی وقت جہازت کر کے ریاست گادہ کو جالیتی مگر چونکہ موسمِ مخلف آن پہنچا تھا صوبہ دار کشمیر اس فوج کا حاکم تھا اس اندیشہ سے واپس آگیا کہ کہیں برف نہ آن دے اور اس مفتوحہ قلعہ میں کسی قدر سپاہیوں کو اسلئے چھوڑ آیا کہ فصل بہار کے شروع میں پھر پوریش کروں گا مگر فوج متعینہ قلعہ نے عجیب حرکت کی کہ قلعہ کو یا تو دشمن کے خوف سے یا قلائتِ رسد کی وجہ سے ناگہاں اور خلاف توقع خالی کر دیا۔ اور اس طرح سے بڑی تبت کا ملک جسکی تسخیر آئندہ فصل بہار پر ملتوی رکھی گئی تھی محکوم ہونے سے بچ رہا۔

بڑی تبت کے سفیر کے جو کہ اُس ملک کو اورنگ زیب کی فوج کشی کا خوف تھا اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر وہاں کے رئیس نے بادشاہ کی کشمیر میں تشریف آوری ہو چکا اور تہائف دہ لایا تھا سنکر اپنے ایک سفیر کو اپنے ملک کے تحائف اٹکا اور اسی ذیل حیثیت کا ذکر اور عمدہ دینیں دیکر جو بالتخصیص اُسی ملک میں ہوتی ہیں اور زیبائش کی خاطر ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکا دیتے ہیں بھیجا ہے سنگی شب جو اس دفعہ پیشکش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اسی جہت سے بیش قیمت ہے۔ دربارِ مغلیہ میں یہ بہتر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں

ان کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اور اس میں سفید سفید دھاریاں ہوتی ہیں اور ایسا سخت ہوتا ہے کہ صرف الماس کے برادہ کے ساتھ تراشا جاتا ہے پیالے اور پھولدان اسی پتھر کے بنتے ہیں۔ چنانچہ میرے پاس بھی اس پتھر کی چند عمدہ بنی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں شہری تار اور جواہرات بڑے ہوئے ہیں۔

ان جناب ایلچی صاحب کی جگہ میں تین چار تو سوار تھے اور دہل بارہ لمبے لمبے قد والے دُبلے اور سوکھے ہوئے سڑھیل پیادے۔ جنکے مونہ پر چینیوں کی طرح ڈاڑھی کا کوئی بال صرف نام ہی کو بھتا اور ایک طرح کی غریبانی ٹوپیاں سرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے جیسے کہ ہمارے فرانس کے ملاح پہنتے ہیں اور ان کے باقی لباس کی شان و شوکت بھی ان ٹوپوں ہی سے خیال فرمایا لیجئے اور مجھے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار یا پنج بزرگ دار تو البتہ تلوار باندھے ہوئے تھے باقی کے پاس لاٹھی تک نہ تھی اور بالکل خالی ہاتھ ایلچی جی کے پیچھے چلا کرتے تھے۔

سفیرت کا اپنے آقا کی طرف سے ادا ہے خراج اور تعمیر مسجد وغیرہ کے عہد پیمان کرنا۔

الغرض اس شخص نے اپنے آقا کی طرف سے اورنگ زیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دارالریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرانی جائیگی جہاں اہل اسلام کے طور پر نماز ہو کرے گی اور سکے کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا۔ اور ایک رقم سالانہ خراج کی بھیجی جائیگی۔ مگر اس میں

کسی شخص کو بھی شبہ نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے کشمیر سے مراجعت کرتے ہی اس عہد و پیمان پر کچھ بھی عمل نہ کیا جائیگا اور رئیس قبت شرانط عہد و پیمان کو اس سے زیادہ بجانہ لائیگا جیسے اس عہد کے شرانط کو بجالایا تھا جو شاہجہاں اور اس رئیس کے باہم ہوئے تھے۔

۱۵ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس کر سیف خاں صوبہ دار کشمیر کے پاس ولکن نجل بڑی قبت کے ”زمیندار“ یعنی لہجہ کے نام کا ایک فرمان اس مضمون کا لکھ کر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کر کے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کرو اور مسجد بنو کر شعائر اسلام کو رواج دو تو بہتر تمہارا ملک و مال بجال رہیگا ورنہ فوج کشی کی جائیگی۔ چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے موافق محمد شفیع نامی ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے اس کے پاس بھیجا گیا جس کا ولکن نجل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان کو اپنے سر پر رکھا اور فرشتہ و گان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی اور اس سے دوسرے روز جو مجید کا دن تھا ایک بڑے مجمع عام میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑا گیا اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت ساسونا چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی نیور کھی گئی اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا اور اسکے بعد ایک علیضہ جس میں بہت سے عجز و نیاز اور وفائے عہد کے وعدے تھے مع ایک طلائی گنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی ولایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جیسے بادشاہ کا سکہ لگایا تھا مع اُڑا پنے ملک کے تحائف کے حوالہ کر کے محمد شفیع کو خصمت کیا اور لکھا ہے کہ اس کا ردوائی کے باوجود سرانجام پانے میں چھوٹی قبت کے راہب مراد خاں کے بہت کچھ کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ بڑی قبت والوں نے کسی مسلمان بادشاہ کی اطاعت اختیار کی تھی۔ اسی کتاب میں اس ملک کی حدود و حال اس طرح پر درج ہے کہ اسکا طول چھ مہینے کے راستے سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینے کا اور بعض جگہ ایک مہینے کا راستہ ہے۔ اسکے مغرب میں کشمیر کمایوں۔ سری نگر۔ بہار اور بنگالہ اور شرق میں ملک ازبک اور خطا اور مال اور قبت خرمہ اور کاشغر اور تمام منوستان کا جنوب و دشت قبیان ہے اور یہاں کے راہب کی فوج بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے ہیں اور سپاہ میں اکثر فرقہ قلمان قوم کے لوگ ہوتے ہیں۔ س۔ م۔ ح۔

سفرِ تربت کے ایک سہرا ہی اس ایچی کے سہراہیوں میں ایک طبیب تھا جسکو
 طبیب مصنف کی ملاقات کرتے تھے کہ لاسا کا رہنے والا ہے اور فرقہ لاماین سے
 اور لاما گروا و اسلہ تانخ کا ذکر ہے۔ لاما۔ لاسا میں ہندوستان کے برہمنوں
 کی طرح مذہبی امور میں مقتدا اور رہنما سمجھے جاتے ہیں مگر برہمنوں کے

۱۷ بود وہ مذہب والے اپنے گرد اور پیشواۓ مذہب کو لایا مکتے ہیں اور سب سے بڑا لاشعرا لاسا
 دارالحکومت ملک تبت میں رہتا ہے اور تبت اور چین کے وہ لوگ جو بودھ مذہب رکھتے ہیں
 لاسا کے بڑے لاسا کو مجسم بودھ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حیات ابدی رکھتا ہے اور جب
 کیرن کے باعث اسکا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے تب نئے قالب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن
 یور وین سیاح اسکی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ جب لاسا مر جاتا ہے تو اسکے کارپز داغ مخفی طور
 سے کسی اثر کے پیدا ہوئے لڑکے کو لار لاسا کی سند پر بٹھا دیتے ہیں۔ اور اسکو ایسے طور پر پٹے
 بوسے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاسا کی موت کی بتانے لگتا ہے اور
 اسکے نادان واقف اور جاہل پیرو اسکو لاسا کے کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھ کر یقین کر لیتے ہیں۔ کہستان
 ٹرنز صاحب جو مشاعرے میں سرکار ایزل ایٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تبت کے راجہ کے پاس
 جو لاسا کا نائب ہوتا ہے بطور سفارت لاسا کو گئے تھے کہتے ہیں کہ اسوقت جو لاسا تھا اگرچہ اسکی عمر
 صرف ڈیڑھ برس کی تھی لیکن صاحب موصوف کی ملاقات کیوقت وہ بڑی شان و شوکت اور تحمل
 و استقلال کے ساتھ سند پر بیٹھا راجہ برادران کی طرف متوجہ رہا۔ صاحب موصوف جب
 کوئی بات کہتے تو جواب میں اس انداز سے گردن ہلاتا کہ جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھ کر اشارہ
 کرے۔ جب صاحب موصوف کا چالے کا پیالہ خالی ہوتا تو لاسا کو ہاتھوں پڑھا کر کو ہلا کر چیختا
 اور اپنے نوکر کو اُڑا کر چالے دینے کا اشارہ کرتا بلکہ ایک دفعہ تو ایک سوسنے کی پشتری میں سے
 کچھ مٹھائی اُٹھا کر اپنے ہاتھ سے اُن کو دی۔ لاسا جب قالب تبدیل کرتا ہے تو اس کے مردہ
 جسم کو کھاکر اور چاندی سے منہ جھکرنندہ میں پرستش کے لئے رکھ دیتے ہیں۔

س-م-ج-

د ماخوذاز جام حباں تما)

طریقے کے برخلاف ان میں ایک گروہی ہوتا ہے جسکی تعظیم و تکریم صرف ملک لاساہی میں نہیں بلکہ کل تاتار میں ہوتی ہے اور اسکا ایسا عز و احترام کرتے ہیں جیسے کسی بڑے دیوتا کا۔ اس طبیب کے پاس نسخوں کی ایک کتاب تھی اور میں نے ہر چند چاہا کہ وہ اسکو بیچ لے مگر اُس نے نہ وی۔ اس کتاب کا خط دور سے کچھ ہمارے خط کے مشابہ دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے اس اُس خط کی اسجد لکھوائی مگر اُس نے بڑی مشکل سے اور ایسی بدخطی سے لکھی کہ جسکے باعث مجھے اسکو بے علم اور جاہل جان لیا۔

مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جسکی نسبت اُس نے عجیب و غریب حکایتیں سنائیں جنہیں سے اُس نے یہ بھی ذکر کیا کہ ایک بار جب بڑا لالہ بہت بڑھا ہو گیا اور اسکی موت کا وقت آن پہنچا تو اُس نے مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نوزاد بچے کے قالب میں حلول کرے گی چنانچہ اُس بچے کو جسکی نسبت اُس نے یہ خبر دی تھی بڑی غور اور پرداخت سے پالا گیا اور جب وہ چھ سات برس کا ہو گیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحان اُسکے رو برو رکھی گئیں اور اُس نے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کر دیا۔ یہ حکایت اس طبیب کے لئے مسئلہ تناسخ اور نقل ارواح پر اعتقاد کرنے کو ایک نہایت قاطع دلیل تھی۔ پہلے تو ہمکو یہ گمان ہوا کہ یہ شخص مہنسی کے طور پر اس قسم کا بیان کر رہا ہے لیکن پھر معلوم ہو گیا کہ نہیں فی الواقع اسکو اس روایت کی صحت پر بڑکا اعتقاد ہے۔

ایک روز میں اُس ایلچی کے مکان پر اس طبیب کی ملاقات کو گیا اور ایک کشمیری سوداگر کو ترجمانی کے لئے اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ تو میرا صرف بہانہ ہی تھا کہ مجھے کچھ پشیمینہ جو اسکے پاس تھا خریدنا ہے بلکہ اصل مطلب یہ تھا کہ اُس سے اُن ممالک کے حالات دریافت کروں جنکی کیفیت مجھے مکمل طور پر معلوم نہیں ہے مگر کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی اگر وہ یہی کہتا رہا کہ بڑی تبت ہمارے ملک کے ساتھ ہمسری نہیں کر سکتی ہمارے ہاں سال بھر میں پانچ مہینے سے زیادہ عرصہ تک برف پڑتی۔ اور اکثر تازیوں سے ہماری حیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکا کہ تازیوں سے اُسکی مراد کون سے تازی تھے۔ آخر کار مجھے معلوم ہو گیا کہ جو وقت اُسکی ملاقات میں صرف ہونا ناحق ضائع ہوا کیونکہ میں نے اُسکو اپنے اکثر سوالات میں سے کسی ایک کے جواب دینے پر بھی قاف اور نہ پایا۔

کشمیر سے تبت ہو کر چین کے راستوں میں برس سے پہلے کشمیر سے چین کو ہر سال اور ایشیا کی تجارت وغیرہ کا بیان کاروان جایا کرتے تھے اور اُن کا راستہ بڑی تبت کے کوہستان اور ملک تاتاری میں سے گتھا اور تقریباً تین مہینے کے عرصہ میں چین میں پہنچ جاتے تھے۔ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور ایسے تیز زور و دریا اترنے پڑتے ہیں کہ جن پر سے گزیرنا صاف ایسے بلبے بلبے رسوں کے ذریعہ سے ممکن ہے جو دریا کے وارپا۔ بڑے بڑے پتھروں سے بندے رہتے ہیں یہ تانے چین سے لے جہاں دریا پہاڑوں کے اندر بہت زور سے بہتے ہیں اور پتھروں کے سبب کشتی کو

مشک - چوب چینی - ریوند - اور امیران - جو امراض چشم کے معالج کے
باب میں ایک چھوٹی سی نہایت مشہور جڑ ہے لاتے تھے - جب یہ
لوگ واپسی کے وقت بڑی تہمت میں ہو کر گزرتے تھے تو اس ملک کے
تحائف بھی مثل مشک - بلور - سنگ یشپ اور خاص کر بھٹیروں اور جنگلی
بکریوں کی پشم کے جب کو ان اطراف میں توڑتے ہیں اور جو حسب بیان
سابق ملائت میں بیور کے مشابہ ہے بھر لاتے تھے - مگر جب سے
شاہجہاں نے بڑی تہمت پر حکم کیا ہے وہاں کے راجہ نے نہ صرف
کاروانوں کا آنا جانا بند کر دیا ہے بلکہ یہاں تک ممانعت کر دی ہے کہ کوئی
کشمیر کا رہنے والا بھی ہماری قلمرو میں قدم نہ رکھنے پائے - یہی وجہ ہے
کہ اب ہندوستان کے کاروان شہر پٹنہ سے جو گنگا کے کنارے بستہ ہیں
چل کر سیدھے ملک لاسا میں جا پہنچتے ہیں اور بڑی تہمت کو بائیں ہاتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱ خون ہوتا ہے وہاں لوگ جھولے یا چھینکے کے ذریعہ سے پاراڑتے ہیں - جھولا
اسکو کہتے ہیں کہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کئی مضبوطی سے برابر بانڈ کر
تختوں سے پاٹ دیتے ہیں جنگی چوران اکثر ہاتھ دو ہاتھ سے زیادہ نہیں ہوتی اور سہارے کے واسطے
دونوں جانب برابر سیاں بانڈ دیتے ہیں - لیکن چھینکا اس سے بھی بدتر ہے وہ صرف ایک سہارہ ہوتا
اس کنارے سے اُس کنارے تک بند ہوا ہو ہمیں لوہے کے قلابے کے ساتھ ایک چھینکا لٹکا دیتے
ہیں اور اسیں مسافر کو بٹھاتے ہیں - اس چھینکے میں دو رسیاں بندھی ہوئی ہوتی ہیں ایک رسی کا سر اس
کنارے والے کے ہاتھ میں اور دوسری رسی کا سر دوسرے کنارے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس طرح کے
مسافر کو اس کنارے والا اور اس طرح کے مسافر کو اُس کنارے والا اپنی رسی سے کھینچ لیتا ہے - م - م - ح

چھوڑ دیتے ہیں۔

ملک کا سفر کا بیان اُس ملک کی نسبت جو یہاں (یعنی ہندوستان میں) بنام کا شہر مشہور ہے اور بظن غالب وہ وہی ہے جسکو ہمارے جغرافیہ کے نقشوں میں کا سکر کہتے ہیں میں وہ سب حالات بیان کرونگا جو مجھکو اُس ملک کے رہنے والے سوداگروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ یہ لوگ یہ سن کر کہ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو آیا چاہتا ہے بہت سے کم عمر غلام اور لونڈیاں بیچنے کو لاتے ہیں اُن کا بیان ہے کہ کا شہر حقوڑا شمال کو جھکتا ہوا کشمیر کے شرق میں ہے اور ان دوؤں ملکوں میں سیدھا اور نزدیک کاراستہ پڑی تبت میں کوہے مگر اس سبب سے کہ وہ اب بند ہے ہم ضرورتاً چھوٹی تبت ہو کر آئے ہیں۔ پہلا شہر جو ہمکو مراجعت کیوقت راستہ میں آتا ہے اُسکا نام گورچی ہے جو تواریخ کشمیر میں سے حدین سرحد پر واقع ہے اور کشمیر سے چار دن کا راستہ ہے گورچی سے چلکر ہم آٹھ روز میں اسکوڑو میں پہنچتے ہیں جو چھوٹی تبت کا دارالریاست ہے اور وہاں سے دو دن میں قصبہ چیکر میں آتے ہیں جو چھوٹی تبت ہی کے علاقہ میں اُس ندی کے کنارے آباد ہے جسکا پانی ہمیںزکروا کے مشہور ہے۔ اور یہاں

۱۵ یہ مقام مع اپنے متعلقہ علاقہ کے بالفعل ہمارا اچھا صاحب والی جوں کشمیر کی عملداری میں ہے اور گورچی اور چیکر غیر معروف مقام ہیں مگر چیکر کا صحیح نام ایک تبت کے رہنے والے نے ہمکو شکر بتایا تھا اور فی الحقیقت ایک مستند انگریزی نقشہ میں ہی ایسا ہی لکھا ہوا ہے مگر گورچی کی صحت کچھ معلوم نہیں ہو سکی علیٰ ہذا القیاس جو سندھ و خیرہ ناموں کا بھی پتہ نہیں لگ سکا ۱۲ س م ح۔

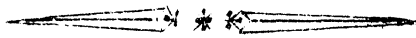
(اسکوڑو۔ اس کو روڈ) (چیکر۔ چے کے کو) (شکر۔ شگ کو) (دج کو) (دو)

سے پنہارہ روز کے عرصہ میں ایک بڑے بٹن میں جو چھوٹی تبت کی سرحد پر ہے پہنچتے ہیں۔ اور پھر پندرہ روز میں کاشغر پہنچ جاتے ہیں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے اور جو اگلے زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا گو بالفعل کاشغر کا رئیس جو رسندہ میں رہتا ہے جو درازیا دہ شمال کی طرف کاشغر سے دس منزل کے فاصلہ پر ہے۔

کاشغر سے چین کو کاروانوں کے آنے جانے اور وہاں کے راستوں کا بیان۔ ان سودا گروں نے یہ بھی بیان کیا کہ شہر کاشغر سے چین تک دو مہینے سے زیادہ کا سفر نہیں ہے اور کاشغر سے ہر سال کاروان چین کو جاتے ہیں اور وہاں سے وہ جنسین لیکر جبکا ذکر اور ہوجکا ہے ملک اذبک کے راستہ سے ایران کو چلے جاتے ہیں اور بعض کاروان ایسے بھی ہوتے ہیں جو چین ہو کر ہند میں آنے کے لئے پٹنہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان تاجروں نے مجھے یہ بھی کہا کہ کاشغر سے چین کو ایک اور راستہ بھی ہے جو ایک ایسے قصبہ میں ہو کر گزرتا ہے جو ختن سے ملک کاشغر کی سرحد پر سب سے اخیر شہر ہے آٹھ منزل سے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر سے کاشغر تک راستہ نہایت ہی خراب ہے اور منجملہ اور مشکلات کے ایک جگہ ایسی ہی آتی ہے کہ جہاں ہر موسم میں مسافر کو آدھے میل تک برابر برف ہی برف پڑ جانا پڑتا ہے۔

ان اطلاعوں کے تکمیل مشفق من۔ یہ کل واقعات ہیں جنکو میں ایسے لوگوں کو بھی بابت مصنف کا عذر سے حاصل کر سکا ہوں جنکی نادانی اور جیل رحم کے قابل

ہے۔ پس جو حالات اور جو کیفیات ایسے لوگوں سے حاصل ہوں بلا شک
 قلیل اور بے ترتیب ہی ہونگے جیسے کہ یہ ہیں!
 علامہ بریں مجھے ایسے مترجموں سے بھی کام لینا پڑتا تھا جنکو خود میرے
 سوالات کے سمجھنے اور پھر بیان کرنے اور ان کا جواب شافی دینے میں
 دقتیں اور مشکلیں واقع ہوتی تھیں۔



۵۱۔ سطر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوال اور ان کے جواب

اس موقع پر میرا ارادہ تھا کہ اپنے اس خط کو جسے ایک کتاب کو مناجارہ کے
 ختم کر دوں اور میں وہی داپس پہنچنے تک آپ کے بالکل خدمت ہوں لیکن
 میرا شوق تحریر ابھی خاموشی کی اجازت نہیں دیتا اور کچھ فرصت ہی ہے
 اسلئے میں سطر تھیوی نٹ صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب لکھنا چاہتا
 ہوں کیونکہ صاحب موصوف نہایت ہی محقق اور جان کا ہی کرنے والے شخص
 ہیں اور بہ نسبت ان لوگوں کے جو ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرتے ہیں کتابوں
 کے مطالعہ میں سے بڑے بڑے نئے انکشافات اور اہم معلومات حاصل
 کر لیتے ہیں۔

پہلا سوال یہودیوں کے	ان کا پہلا سوال یہ ہے کہ آیا یہ سچ ہے کہ یہودی ایک
کثیریں ہونے کی بابت	بہت لمبے عرصہ سے کشمیر میں بودو باش کہتے ہیں اور

آیا اُن کے پاس کتاب مقدس موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اُن کی اور ہماری کتاب عہدِ عتیق میں کچھ اختلاف ہے یا نہیں۔

دوسرا سوال ہندوستان کے دوسرا یہ کہ جو جو تجربے ہندوستان کے موسم برسات کی بابت برسات کی نسبت مجھے حاصل ہوئے ہیں ! میں اُن کی خدمت میں لکھ بیچوں۔

تیسرا سوال مشرقی ہندو کی تیسرا یہ کہ مشرقی ہندو رو میں جو ایک خاص طور کے موسیٰ ہوا اور پانی کو بہا کر آبِ ہائے انضباط اور نظامِ معینہ کے موافق ہوا دُن کا اہتر از اور پانی کی دھاروں کا بہاؤ ہوتا ہے اُنکی نسبت میں اپنی رائے اور خیالات ظاہر کروں۔

چوتھا سوال ملک بنگالہ کی زرخیزی اور چوتھا یہ کہ کیا ملک بنگالہ واقع میں ایسا ہی زرخیز دولت مند اور خوش نمائے ہے جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔

پانچواں سوال دریا سے نیل کی طغیانی اور چپڑاؤ طغیانی کی بابت۔ کے اسباب کی نسبت زمانہ قدیم سے جو رد و قدر چلی آتی ہے میں اُنکی نسبت ایک قطعی رائے پیش کروں۔

چھاب تھے دی ش صاحب اگر میں یہودیوں کو اس پہاڑی ملک میں دیکھ پاتا تو مجھ کو ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی کہ تھیویریٹ صاحب کے پہلے سوال کا

کو! میری مراد اُن یہودیوں سے ہے جنکے پاسے جانے کی صاحب موصوف خواہش رکھتے ہیں یعنی وہ یہودی جو اُن قبائل کی اولاد سے ہوں

جنکو شال^۱ مینے سرنے جلا وطن کیا تھا لیکن صاحب موصوف کو آپ یقین دلائیے کہ گو بطن غالب بعض وجہ سے پایا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ پہلے اس ملک میں آباد تھے لیکن اب تو یہاں کے کل باشندے ہندو ہیں یا مسلمان۔ البتہ چین میں غالباً اُس قوم کے لوگ موجود ہیں۔ کیونکہ مینے اپنے پادری صاحب مقتدا سے فرقہ جیسویٹ کے پاس جو دہلی میں رہتے ہیں اس فرقہ کے ایک پادری صاحب باشندہ جرمنی مقیم شہر پکین دار السلطنت چین کے خطوط دیکھے ہیں جنہیں وہ لکھتے ہیں کہ ”میسری اس شہر یعنی پکین میں یہودیوں سے گفتگو ہوئی ہے جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور توریت وغیرہ کتب عمدہ عتیق

۱۔ توریت میں اس شخص کا نام سلیمان نسا آیا ہے۔ مگر انگریز مورخ ”شال مینے سرنے“ یا ”شال نی زو“ لکھتے ہیں یہ ملک شام کا بادشاہ تھا اور مشہور شہر بابل اس کا پایہ تخت تھا اس نے سات سو اٹھ برس قبل از سنہ عیسوی ملک یہود کے بادشاہ ہوشاع پر جو بنی اسرائیل میں سے تھا گرفت پرست ہو گیا تھا چڑی کی اور اس کو بٹنا باج گزار بنا لیا۔ لیکن پھر یہ سنکر کہ وہ فرعون مصر کے ساتھ سازش کرتا ہے دوبارہ اس کے شہر شومرون کو جا گھیرا اور تین برس کے محاصرہ کے بعد اس کو فتح کر لیا اور ہوشاع اور اس کی تمام قوم کے لوگوں کو قید کر کے بابل میں لے آیا اور ان کی جگہ بابل کے لوگ آباد کئے۔ اور تیرہ برس سلطنت کر کے آخر وہ بھی اس دنیا سے چل بسا (ماخوذ از ناسخ التواریخ والناسیخ کو پیڈیا ریپٹانیکا) س۔ م۔ ح۔
(شال مینے سرنے) (Shalmaneser)

۱۔ دس ل م آن ع س ارم سلیمان
۲۔ دس ل م آن ع س ارم سلیمان
۳۔ دس ل م آن ع س ارم سلیمان

اُن کے پاس موجود ہیں۔ اُن کو حضرت عیسیٰ کی وفات کا حال مطلق معلوم نہیں اور اُنہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ فرقہ جیسویٹ کے پادری صاحب کو ہم اپنا کا کاٹ مقرر کر لیں گے بشرطیکہ پادری صاحب سُرور کے گوشت کھانے سے پرہیز کریں، بہر حال کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پیر پنجاں سے گزر کر حبیب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہودیوں کی سی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ اُن کی صورتیں اور اُن کے طور و طریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کر سکتا ہے سب یہودیوں کی پرانی قوم کی سی معلوم ہوتی تھیں۔ سیری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمائے گا۔ اُن دیہاتیوں کے یہودی غماہوں کی نسبت ہمارے پادری صاحب اور اوڑ بہت سے فرنگستانوں نے ہی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے، اُدوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی اُن میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہی۔ تیسرے۔ یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں

اس لفظ کی تحقیق نہیں ہو سکی مگر شاید خاندان ہو جس سے اس جگہ پر شیوا اور امام مراد ہو۔ س م ح

*Jesuit

اس کرنل جان فاسٹر صاحب نے اپنی ایک چٹھی میں جو کشمیر سے ۱۸۳۷ء میں لکھی تھی، لکھا ہے کہ جب پہلی پہل اپنے کشمیر لوگوں کو کشمیر میں دیکھا تو اُن کے لباس اور چہرے کی ساخت سے چولہا، رنجیدہ طور کا ہے اور انکی ڈاڑھی کی وضع سے یہ خیال کیا کہ گویا میں یہودیوں کے ملک میں آ گیا ہوں، مترجم انگریزی۔

آئے تھے اور بارہ مولانا کے پہاڑ کو کاٹ کر انہیں نے پانی کا راستہ کھول دیا تھا۔

چوتھے یہاں لوگوں کو یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور اُن کا مزار شہر سے قریب تین میل کے عجم پانچویں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یہاں عموماً سب لوگوں کا بھید عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور ہنایت ہی پُرانا مکان نظر آتا ہے اُسکو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا اور اسی سبب اُسکو آج تک تخت سلیمان کہتے ہیں۔

مشفق من! وجہ مذکورہ کے باعث سے آپ دیکھو گے کہ میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں آکر نہ بسے ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ پہلے تو اُن کے مذہبی سائل زمانہ پاکر گر بڑ گئے ہوں گے اور آخر کار رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہوں گے اور بعد ازاں مثل اور بہت سے بت پرستوں کے مذہب اسلام اختیار کرنے کی طرف مائل ہو گئے ہوں گے! اور یہ بات تو تحقیق ہے کہ بہت سے یہودیجا ایران میں بمقامات لار اور اصفہان آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی جزیرہ گوا اور کوچین کے بعض مقامات میں بستے ہیں اور میں سنتا ہوں

۱۵ تعجب ہے کہ ایسی بے سربا باتوں کو مصنف نے اپنی رائے کی بنیاد قرار دیا ہے اور شاید اُسکو معلوم نہ ہو کہ مسلمان اکثر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور اُن پیغمبروں کے نام پر قدیم سے اپنے نام رکھتے چلے آئے ہیں۔ س م ح۔

۱۶ مدراس پریزیڈنسی کے متعلق ساحل مالابار پر سمندر کے کنارے ایک ہندوستانی ریاست ہے اگر بندرگاہ کوچین خاص گونٹ انگریزی کی حکومت میں ضلع بالابار میں ہے۔ س م ح۔

کہ اٹھو بیایس تو یہودی بہت ہی زیادہ آباد ہیں جو اپنی شجاعت اور جنگی
ایمانتوں کی وجہ سے مشہور ہیں اور اگر میں اُن دو سفیروں کی بات کا
یقین کروں جو حال ہی میں شاہ اٹھو پیا کی طرف سے اورنگ زیب کے
دربار میں آئے ہوئے تھے تو پندرہ سولہ برس سے وہاں ایک
یہودی ایسا بزدل و دست ہو گیا تھا کہ اُس نے ایک دشوار گزار چھوٹے سے
کوہستانی ضلع میں خود مختار ریاست قائم کر لینے کی کوشش کی تھی۔

بواب تھیوی نٹ صاحب | ہندوستان میں سال بھر خصوصاً آٹھ مہینے تک

کے دو سہ سوال کا۔ گرمی اس سختی اور شدت سے پڑتی ہے کہ زمین جل کر

بالکل ناقابلِ زراعت اور غیر آباد ہو جاتی ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے

اپنے فضل و کرم سے اُسکی اصلاح کے واسطے یہ معقول انتظام کر دیا ہے

کہ جو لائی میں جب گرمی نہایت ہی شدت سے پڑتی ہے تو مینہ برسنا

شروع ہو جاتا ہے اور متواتر تین مہینے تک برستار ہوتا ہے اور اس طرح پر

ہو ایں اس قدر اعتدال آ جاتا ہے کہ برداشت کے لائق ہو جاتی ہے

اور زمین بھی ناقابلِ زراعت نہیں رہتی۔ مگر یہ بارشیں ایسی باقاعدہ نہیں

ہوتیں کہ نہ تو اسی دن یا اسی ہفتے میں ہوں چنانچہ مختلف مقامات خصوصاً

مہلی میں جہاں میں زیر تک رہا ہوں مینے دیکھا ہے کہ ایک سال کی بارش

دو سال سے کبھی مطابق اور یکساں حالت پر نہیں ہوتی۔ چنانچہ

۱۵ ملک نو بیایو بہ کا جو افریقہ کا ایک حصہ ہے قدیم نام ہے۔ س۔ م۔ ج۔

دُن دُب نئی آ Nubia (تھیوی اُدُب نئی آ Ethiopia)

بعض اوقات بارشیں دو دو تین تین ہفتے آگے پیچھے شروع اور ختم ہوتی ہیں اور کسی سال میں پہلے سال کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔
 مینے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا ہے کہ دو برس کامل ایسا اساک رہا کہ ایک بوند بھی نہیں پڑی اور اس غیر معمولی خشک سالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہر دیکھے بیماری اور قحط کی مصیبت نظر آرہی تھی۔ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس ملک کے مختلف حصوں میں برسات اُس قدر آگے یا پیچھے اور کسی یا زیادتی سے ہوتی ہے جس قدر کہ وہ ایک دوسرے سے قریب یا بعید ہیں۔ مثلاً بنگالہ میں اور ساحل کارو منڈل سے لیکر جزیرہ مراٹھپ تک ساحل مالابار کی نسبت برسات ایک مہینا پہلے شروع اور ختم ہو جاتی ہے اور بنگالہ میں چار مہینے تک شدت سے بارش رہتی ہے اور اس عرصہ میں کہی کہی بڑے زور سے آٹھ آٹھ روز کی جھڑی لگی رہتی ہے اور قحط طری دیر کے لئے بھی بارش بند نہیں ہوتی۔ مگر دہلی اور آگرہ میں نہ تو اس قدر بارش ہی ہوتی ہے اور نہ اس قدر مدت تک رہتی ہے اور اکثر یہ حال ہوتا ہے کہ دو تین روز یوں ہیں خالی گزر جاتے ہیں یا یہ کہ صبح کو دن نکلنے کے بعد کوئی نو دس بجے تک اکثر خفیف سی بارشیں ہوا کرتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی نہیں ہوتی۔ میں خصوصاً اس بات کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا کہ مختلف ممالک میں مختلف اطراف سے مینہ آتا ہے۔ مثلاً دہلی اور اسکے نواح میں مشرق یعنی بنگالہ کی طرف سے بارش آتی ہے۔ اور بنگالہ اور ساحل کارو منڈل پر جنوب کی جانب

سے اور ساحل مالابار پر قریباً ہمیشہ مغرب کی طرف سے۔ مینے ایک اور بات بھی دیکھی جس کی نسبت تمام ہندوستان میں بلا اختلاف ایک ہی رائے ہے یعنی یہ کہ جس قدر گرمی کی تپش پہلے یا پیچھے شروع ہوتی ہے اور کم یا زیادہ سختی سے گرمی پڑتی ہے اور تھوڑے دنوں یا دیر تک قائم رہتی ہے اس قدر برسات بھی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور اسی نسبت سے کم یا زیادہ اور تھوڑے یا بہت عرصہ تک جاری رہتی ہے اور بلحاظ ان امور کے مجھے یقین ہے کہ زمین کی گرمی اور اس کے سبب سے ہوا میں جو خفت آجاتی ہے وہی ہندوستان میں بارش کا سبب ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں بارش کو اس ملک میں کینچ لاتی ہیں۔ یعنی آس پاس کے سمندروں کی ہوا چونکہ سرد اور بھاری اور کثیف ہوتی ہے ان بخارات کو اپنے میں جذب کر کے پُر ہو جاتی ہے جو گرمی کی شدت سے پانی میں سے اُٹھتے ہیں اور قرب وجود کی ہوائیں جب اس کو دھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں تو بادلوں کی صورت میں ہو کر اپنے تئیں طبعاً اُس زمین پر جہاں کی ہوا اس کی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہوتی ہے ان بخارات سے خالی کر دیتی ہے اور اس کا اپنے کو ان بخارات سے خالی کرنا اس قدر کم یا زیادہ قلت و کثرت سے ہوتا ہے جس قدر کہ گرمی پہلے یا پیچھے شروع ہوتی اور کم یا زیادہ سختی سے پڑتی ہے۔ اس تقریر میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں ان میں اس بات کا خیال کرنا بھی مناسب ہے کہ ساحل مالابار کی نسبت ساحل کارومندل پر بارش پہلے شروع ہو

کی یہی وجہ ہے کہ گرمی پہلے پڑنے لگتی ہے۔ اور اسکے خاص باعث ہونگے
 خجکا تحقیق کرنا غالباً اُس ملک کے دیکھنے کی حالت میں شاید مشکل نہ ہو گا۔
 اور آپ جانتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں میں بلحاظ سمندر وں یا
 پہاڑوں کے اور یہ مناسبت اُن کے ریگستانی یا پہاڑی درختوں اور جنگل
 سے پُر ہونے کے گرمی جلدی یا دیر سے شروع ہوتی اور کم و بیش سختی
 سے پڑتی ہے۔ اور یہ بات بھی کچھ تعجب کی نہیں ہے کہ بارش مختلف
 اطراف سے آتی ہے۔ مثلاً ساحل کار و منڈل پر جنوب کی طرف سے
 اور ساحل مالابار پر مغرب کی جانب سے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو سمندر
 پاس ہوگا اُسی سے مینہ آئے گا۔ چنانچہ ساحل کار و منڈل کے پاس
 جو سمندر ہے وہ اس سے جنوب کی طرف ہے۔ اور وہ سمندر جو ساحل مالابار
 کو سیراب کرتا ہے مغرب کی طرف باب المندب اور عرب اور خلیج فارس کی
 سمت کو پھیلا ہوا ہے۔ یعنی خوب غور کیا کہ اگرچہ بظاہر دہلی میں بادل مشرق
 کی طرف سے آتے ہیں مگر انکی اصل انہیں سمندروں سے ہوگی جو جنوب
 کی طرف ہیں اور ایسی زمینوں یا پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے
 جنگلی ہوا زیادہ سرد اور کثیف اور زیادہ مزاحم ہے اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور
 ایسے ملک میں جا رہے ہیں جہاں کی ہوا زیادہ ہلکی اور کم مزاحم ہو۔ میں
 ایک اور بات بیان کرنی بھول گیا جبکہ محکمہ دہلی میں تجربہ ہوا۔ یعنی یہ کہ کبھی
 اچھی بارش نہیں ہوتی تا وقتیکہ کسی دن تک بہت سے بادل مغرب کی طرف
 نہ جالیں۔ گویا یہ بات ضروری ہے کہ دہلی کے کچھ میں ہوا کا طبقہ اول بادلوں

سے بھر جائے۔ اور پھر ان بادلوں کو کوئی چیز مثلاً کوئی ایسی ہوا جو گرم اور کم لطیف اور زیادہ بہاری اور قابل مزاحمت ہو روکے یا اور بادل اور مخالف ہوائیں مقابل ہو کر ان کو ایسا کمشیف اور ذری کر دیں کہ پھوٹ کر برسنے لگیں جس طرح پر کسی پہاڑ کی ہوا بادلوں کو جب پیچھے ہٹا دیتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔

جواب تیسویں صاحب جب شروع اکتوبر میں عموماً بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو سمندر جنوب کی طرف بہنا شروع ہوتا ہے اور اٹھنڈی شمالی ہوا چلنے لگتی ہے جو چار پانچ مہینے تک برابر ایک ہی حالت پر بلا طوفان وغیرہ ایک ہی طرف کو چلتی رہتی ہے۔ البتہ اس عرصہ میں کبھی ایک آدھ روز اپنا رخ بدلتی یا ٹھہر جاتی ہے۔ اور اسکے بعد کوئی دو مہینے تک بمقامہ ہوائیں چلتی ہیں جسکو ہم لوگ وسطی موسم اور ڈچ لوگ غیر معین اور مختلف ہواؤں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اور جب یہ دو مہینے ختم ہو جاتے ہیں تو سمندر پھر اپنا رخ جنوب سے شمال کو کر لیتا ہے اور جنوبی ہوا چلنی شروع ہوتی ہے۔ اور چار پانچ مہینے تک اسی طرف سے چلتی رہتی ہے اور سمندر کا بہاؤ بھی اس تمام عرصہ میں بدستور شمال ہی کو رہتا ہے۔ اور اسکے بعد پھر دو مہینے تک وہی وسطی موسم بہتا ہے اور ان وسطی موسموں میں جب ازرائی کرنا نہایت مشکل اور خطرناک ہوتا ہے لیکن ان دونوں معمولی موسموں میں بحر جنوبی ہوا کے موسم کے اخیر حصہ کے جہازرائی کرنا بہت آسان اور خوشحال آئندہ اور بلا اندیشہ ہوتا ہے پس

آپ کو اس بات سے متعجب ہونا نہیں چاہیے کہ ہندوستانی جو بہت
 ڈرپوک اور فن جبارانی سے محض نا آشنا ہیں خاصے لمبے اور مفید
 بحری سفر اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً بنگالہ سے تناسرم (دھناسری)
 آجین۔ ملاکا۔ سیام۔ اور میڈی گاسکر۔ کو یا مجلی پٹن۔ سرانڈیپ
 جزائر مالدیپ۔ بندر مخا۔ اور بندر عباسی کو اپنے جہاز لیجاتے ہیں
 اور بڑی احتیاط کے ساتھ جانے اور آنے کے موسم کی عمدگی کا لحاظ
 رکھتے ہیں۔ مگر اسپر ہی ایسا ہوتا ہے کہ مناسب وقت سے زیادہ
 کہیں اٹکے رہنے کی حالت میں باد مخالف سے مغلوب ہو کر تباہ
 ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ صورت بعض وقت فرنگستانیوں کو بھی
 پیش آ جاتی ہے جو بہت دل چلے اور زیادہ تجربہ کار اور واقف ہیں اور
 جنکے جہازوں کی حالت اور ساز و سامان بہت بڑھکر ہیں۔ دولوں وسطی
 موسموں میں سے وہ موسم جو جنوبی ہوا کے بعد آتا ہے۔ چونکہ اُس میں طوفان
 اور ناگھانی جھو کے اکثر آتے ہیں ایسا خطرناک ہے کہ اگر کوئی موسم
 ایسا نہیں ہے اور یہ جنوبی ہوا اپنے عین موسم میں بھی شمالی ہوا کی نسبت
 زیادہ تند اور غیر مساوی ہوتی ہے مجھے اس موقع پر یہ بات ہی بیان کر دینی
 چاہیے کہ جنوبی ہوا کے موسم کے خاتمے اور برسات کے موسم میں گو سمندر
 میں کامل سکون کی حالت ہو مگر کناروں پر پچائش ساٹھ میل کے فاصلہ
 تک ہوا اتنا ہی طوفانی ہوتی ہے۔ پس فرنگستانی اور غیر فرنگستانی
 جہازوں کے کپتانوں اور ناخدا یوں کو اس امر کی بڑی احتیاط کرنی چاہیے

کہ ہندوستان کے کسی بندر مثلاً سورت یا مچھلی ٹپن پر ٹھیک برسات کے ختم ہوتے ہی نہ جانکیلیں ورنہ اُن کے جہازوں کو زمین سے ٹکرائے جانے کے مخاطرہ میں پڑنا ہوگا۔ پس میں اپنے مختصر اور جزوی تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں موسموں کی ترتیب اس طرح ہے۔

شمالی اور جنوبی ہواؤں کے کاش مچھکو ہر ایک نتیجہ کے اصلی باعث کے پیدا ہونے کے اسباب کا بیان معلوم کر لینے کی قدرت ہوتی ! مگر پروردگار عالم کے تمام بھیدوں کا دریافت کر لینا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اپنی غور و فکر سے جو اسے مینے قائم کی ہے اُسکی بنیاد چن در خیالات پر ہے۔ چنانچہ خیال اول تو یہ ہے کہ جو ہوا ہمارے کرہ کو گہیرے ہوئے ہے سمندر اور دریاؤں کے پانی کی طرح اُسکو بھی ہمارے کرہ کا ایک جزو سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ دونوں چیزیں اسکی طرف جھکتی اور ایک ہی مرکز کی طرف میل کرتی ہیں۔

جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ چیزیں ہمارے کرہ سے علیحدہ نہیں ہیں اور پھر اس سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے کہ یہ کرہ ہوا پانی اور دھڑی تین چیزوں سے بنا ہوا ہے ! اسکے بعد دوسرا خیال یہ ہے کہ ہمارا کرہ ایک ایسے خلا میں لٹکا ہوا اور تلا ہوا ہے کہ جہیں خالق نے اپنی مرضی سے اسکو ایسے طور سے رکھ دیا ہے کہ اگر یہ کسی آؤر نامعلوم جسم سے ٹکرا جائے تو اپنی جگہ سے باہر نکل سکتا ہے ! پھر تیسرا خیال اس طرح ہے کہ جب آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب مثلاً قطب شمالی کی طرف

حرکت کرتا اور اپنی شعاعیں اُس طرف ڈالتا ہے تو قطب شمالی کو کسی قدر دبانے کے لئے کافی اثر پیدا کرتا ہے اور قطب شمالی اسی قدر دبتا جاتا ہے جب قدر کہ سورج اُسکی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح جس قدر کہ سورج خط استوا کی طرف واپس آتا ہے اُسی قدر قطب شمالی بتدریج او بھر نے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب کی کرنوں کی طاقت سے وہی اثر قطب جنوبی کی طرف پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان حیالات کو صحیح فرض کر لیا جائے اور اس کے ساتھ زمین کی روزانہ حرکت پر غور کیا جائے تو ہندوستان کا یہ قول سچ نہیں ہے کہ سورج اپنے ساتھ سمندر اور سوا کو کھینچتا اور چلاتا ہے کیونکہ اگر یہ بات سچ ہے کہ آفتاب خط استوا سے گزر کر کسی قطب کی طرف جاتے ہوئے زمین کے محور کی تبدیل حرکت اور اُس قطب کے نیچے کو دب جانے کا باعث ہوتا ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیے کہ دوسرا قطب اونچا ہو جائے اور سمندر اور سوا الگ ہو جائے اور زمین کا جسم ہین انجان کی طرف بہنے لگیں! پس میرے نزدیک اس بات کا کتنا درست ہے کہ سورج کسی قطب کی طرف جاکر اُس طرف کو سمندر اور سوا کے بڑے اور باقاعدہ بہاؤ کا باعث ہوتا ہے اور ہوا کے اس بہاؤ سے موسمی ہوا پیدا ہوتی ہے۔ یعنی سورج کے کسی قطب کی طرف جانے اور واپس آنے کے وقت سمندر اور ہوا میں دو مختلف رفتاریں پیدا ہوتی ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس قیاس کی بنا پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قطب شمالی اور جنوبی سے سمندر کے دو بڑے بالعکس بہاؤ ہیں۔ اور اگر

الزایک قطب سے زرخیز قطب تک ایک ایسا سمندر ہوتا جو
فرنگستان میں ہو کر گزرتا تو ہم وہاں بھی ہر حالت میں سمندر کی ایسی ہی دو
باقاعدہ رفتاریں پاتے جیسے کہ ہندوستان میں ہیں۔ اور اس قاعدہ
کے عام نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ قطعات زمین کے حائل ہو جانے کے
سبب سے سمندر کا بہاؤ رک کر دوسری جانب کو ہو جاتا ہے جیسے کہ
بعض لوگوں کا قول ہے کہ معمولی جذر و مد اُن سمندروں میں جو بحیرہ شام کی طرح
مشرق سے مغرب تک پہیلے ہوئے ہیں رک جاتا ہے اور اس خیال
کے اعتبار سے میری رائے میں یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہوا کی بھی دو بڑی
اور بالعکس رفتاریں ہیں۔ اور اگر زمین پورے اور عام طور پر صاف اور برابر
اور ایک ہی سی ہوتی تو مذکورہ بالا خیال کے موافق شمالی اور جنوبی ہواؤں کی
رفتاریں بھی عموماً اسی قاعدہ پر ہوا کرتیں۔

جواب تھیویٹ صاحب کے | ہرزما نے میں ملک مصر کو دنیا میں سب سے
جو تھے سوال کا۔ | عمدہ اور زرخیز بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ حال کے

مورخ بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی اور ملک میں ایسی خصوصیت کے ساتھ
قدرتی سامان موجود نہیں ہیں۔

مصنف کا بنگالہ کو مصر ترجیح دینا۔ | لیکن بنگالے میں دو مرتبہ جانے سے جو
واقفیت مجھ کو اس ملک کی نسبت حاصل ہوئی ہے اُس سے مجھ کو
یقین ہے کہ جو فضیلت ملک مصر سے منسوب کی گئی ہے وہ زیادہ تر
بنگالہ کا حق ہے۔

بنگالہ کے چاول اور اسکے بنگالے میں چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے
 نکاس کا بیان۔ کہ نہ صرف آس پاس کے بلکہ دور دور کے ملکوں کو
 جاتا ہے۔ چنانچہ بنگالہ کے راستہ بٹنہ کو اور سمندر کی راہ سے مچھلی بٹن وغیرہ
 بنادر ساحل کار و منڈل اور خصوصاً جزیرہ سراندیپ اور جزائر مالدیپ کو
 بھیجا جاتا ہے۔

بنگالہ کی کھانڈ اور اسکے اسی طرح کھانڈ وغیرہ بھی کثرت سے ہوتی ہے جو گول کنڈا
 نکاس کا ذکر اور تمام کرناٹک کو جہاں یہ بہت کم پیدا ہوتی ہے اور
 محض اور بصرہ کو ہو کر عرب اور عراق کو اور بندر عباس کے راستہ سے ایران
 کو جاتی ہے۔

بنگالہ میں جو مربے بنائے بنگالے کے مربے بھی مشہور ہیں خصوصاً اُن مقامات کے
 جاتے ہیں اُن کا ذکر۔ جہاں پر تکیہ لوگ آباد ہیں اور جو نہایت عمدہ مربے
 بناتے ہیں اور ایک بڑی تجارت کی چیز سمجھے جاتے ہیں چنانچہ وہ یہودیوں میں
 سے ویسے ہی بڑے بڑے چکو تروں کا جیسے کہ فرنگستان میں ہوتے ہیں
 اور ایک خاص قسم کی روئیدگی کی جڑ کا جو عشب کی جڑ کی مانند ہوتی ہے اور
 آم کا اور انناس کا جو ہندوستان کے دو عام میوے ہیں۔ اور آملہ اور نیچو
 اور اورک کامر یا بناتے ہیں۔

مصر کی نسبت بنگالہ میں گیوں یہ سچ ہے کہ بنگالے میں مصر کی برابر گیوں پیدا نہیں
 کے کم پیدا ہونے کا ذکر ہوتا۔ لیکن یہ یہاں کے باشندوں کا قصور ہے جو
 مصر والوں کی نسبت چادوں پر زیادہ گوران کرتے ہیں اور روٹی کبھی ہی کھاتے

ہیں مگر پھر بھی ملک کی ضرورت کے لحاظ سے گیہوں کچھ کم نہیں ہو یا جاتا۔ چنانچہ فرنگستانی اہل جہاز مثلاً طیج انگریز اور پرتگیز وغیرہ سے دامنوں گیہوں خریدتے اور مسند کے سفر کے واسطے بسکٹ بناتے ہیں۔

ترکاری اناج اور کمائی کے جانوروں کے اس ملک کے لوگوں کی غذا زیادہ تر تین چار قسم بنگال میں کثرت سے ہونیکا ذکر۔ کی ترکاری اور چاول اور گئی ہے جو بہت

ہی تھوڑی سی قیمت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ایک روپیہ میں بیس سے زیادہ عمدہ مرغ مل سکتے ہیں اور بلطنیں اور مرغابیاں بھی اس قدر ارزاں ہیں۔ بھیت بکریوں کی بھی افراط ہے اور سورتواتنے سے ہیں کہ جو پرتگیز یہاں آباد ہیں وہ قریباً تمام سوہی کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور ستا جانکر انگریز اور طیج بھی اپنے جہازوں کے واسطے نمک لگا کر رکھ لیتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تازہ اور نمک سود مچھلی بھی اسی افراط سے ملتی ہے۔

ارزانی کی وجہ سے اہل یورپ غرضکہ بنگالے میں معیشت کی ہر ایک چیز افراط سے ہے۔ اور اس افراط ہی کا طفیل ہے کہ بہت

سے پرتگیز اور دو غلیہ یورپین اور آفریدیائیوں نے جنگو ڈچ لوگوں نے ان کی مختلف نوآبادیوں میں سے نکال دیا ہے اس زرخیز ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ چنانچہ فرقہ حیدر سٹ اور اگستین کے لوگوں نے جنگلی ٹبری ٹبری مذہبی جماعتیں ہیں اور جو اپنے اعمال مذہبی کو آزادانہ اور بلا دقت عمل میں لاسکتے ہیں مجھے اس بات کا یقین دلایا کہ صرف ہو گلی میں آٹھ ہزار سے نو ہزار تک

عیسائی بستے ہیں اور اس ملک کے اُوڑھوں میں تو انکی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس ملک کی زرِ شیزی اور عورتوں کے حسن اور ایلم الطبعی نے برتکیز۔ چُج اور انگریز لوگوں میں یہ بات زبان زدِ کرمی ہے کہ ”بنگالے میں داخل ہونے کے واسطے تو سودر دازے میں مگر نکلنے کے لئے ایک ہی نہیں“

بنگالہ میں رومی۔ ریشم اور سوتی اور ریشمی کپڑوں کی کثرت اور تجارت وغیرہ کا ذکر۔ بلحاظ ایسی عمدہ عمدہ دلالی تجارت چیزوں کے جنکے باعث سے غیر ملکوں کے سوداگر کسلی ملک کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں میرے خیال میں بنگالے کے برابر کوئی ملک نہیں ہے۔ اور علاوہ اس قند و شکر کے جسکا مینے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور جسکو قیمتی لایق تجارت اجناس کی فہرست میں درج کرنا چاہیئے اس ملک میں رومی اور ریشم بھی اس قدر ہوتا ہے کہ اس ملک کو نہ صرف ہندوستان بلکہ آس پاس کے ملکوں اور نیز یورپ کا گودام گھر کہنا زیبا ہے۔ میں بعض اوقات رومی کے ہر قسم کے ماریک اور موٹے اور سفید اور رنگ دار کپڑوں کی افراط کو دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ جنکو خصوصیت کے ساتھ چُج لوگ مختلف مقامات خصوصاً جاپان اور یورپ کو بھیجتے ہیں اور انگریز اور برتکیز اور خاص یہاں کے سوداگر بھی ان چیزوں کی بہت سی تجارت کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیت ریشم اور ہر قسم کے ریشمی کپڑوں کی ہے۔ جس قدر رومی کا کپڑا تمام سلطنت مغلیہ میں لاہور اور کابل تک بلکہ عموماً تمام غیر ملکوں کو یہاں سے جاتا ہے اُسکی مقدار معلوم

کرنا ناممکن ہے۔

مصنف کا ایران اور شام کے ریشم کو
بنگالہ کے ریشم پر ترجیح دینا۔

کا لیکن یہ سنا بہت ہے اور میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر عمدہ چھانٹ
لیا جائے اور احتیاط سے صاف کیا جائے تو اس سے نہایت ہی
عمدہ کپڑا بن سکتا ہے۔

بنگالی ریشم کے کارخانوں کا ہونا
میں بعض اوقات سات آٹھ سو آدمی کام کرتے ہیں۔ اور اس قدر انگریزوں
اور اور سودا گروں کے کارخانوں میں۔

بنگلہ کے شورہ کا ذکر
راستے سے بہت سا شورہ پٹنے سے دسا دیا جاتا ہے اور ڈنچ
اور انگریز شورے کی بہت سی پھپھیں ہندوستان کے مختلف
مقامات اور فرنگستان کو بھیجتے ہیں۔

بنگلہ کے گوند۔ اقیون۔ موم
دخیرہ وادن اور گئی کا ذکر۔
اس زر خیز ملک سے گوند اقیون۔ موم۔ مشک
بلائی۔ گمہ پیل اور آؤر بہت سی دوائیں حاصل
ہوتی ہیں اور گئی جو ایک ناچیز جنس معلوم ہوگی یہاں اس انفرادے
ہوتا ہے کہ اگرچہ غیر ملکوں کو بھیجے جانے کے واسطے ایک بڑی جہات
کی چہچہ مگر پھر یہی سمندر کی راہ سے بیشمار باہر کو جاتا ہے۔

اسٹاکسٹین اور شام کی دو بنگالہ ہوں کا نام ہے (س م ح) ص سے ذاب مے روست

اہل یورپ کو بنگالہ کی آب و ہوا کے موافق نہ آنے اور اس سے بچنے کی تدبیروں کا ذکر۔

لیکن یہ بات واجبی ہے کہ یہاں کی ہوا خصوصاً سمندر کے پاس کی اجنبی لوگوں کو شاذ ہی موافق ہوتی ہے۔ چنانچہ چڑچڑ اور انگریزوں میں جبکہ پہلے پہل یہاں آکر رہے موت کثرت سے ہوئی اور بہت درگاہ بلا سور میں مینے دو خوبصورت انگریزی جہازوں کو جو چڑچڑ لوگوں کے ساتھ لڑائی ہوئے کی وجہ سے یہاں سال بھر تک ٹھہرے رہے تھے دیکھا کہ بہت سے ملاحوں کے مرجانے کی وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ کہیں کو جا سکیں ! لیکن اب یہ دونوں قومیں بہت احتیاط سے رہتی ہیں اور موت کم ہو گئی ہے۔ جہازوں کے مالک اس بات کی احتیاط رکھتے ہیں کہ ان کے آدمی شراب کو پہنچنا نہ سیکھیں (جو قندی شراب اور نیبو کے عروق اور پانی اور جاسٹیفیل کو ملا کر بناتے تھے۔ اور جبکا ذالیقہ گو بہت اچھا تھا مگر نیبجے ملک تھے اور ہندوستانی عورتوں کے نزدیک نہ جائیں اور شراب اور تمباکو پیچنے والوں سے نہ ملیں۔ لیکن عمدہ قسم کی انگوری شراب اور شیرازی خام شراب میں۔ ان کو اگر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے تو مخالف آب ہوا کے اثر سے بچنے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔

بنگلہ میں آج محل سے لیکر لنگا کے کنارے سمندر تک جو ملک ہوا کی خوشنماں اور گرم لکڑی کی غذا کیلئے توت کے درختوں کی کثرت کا ذکر ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیے

اس ملک کی خوشنماں کو بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیے

کہ اس ملک میں جو دریا سے گنگا کے دونوں طرف رائج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بے شمار نہریں ہیں جو دریا سے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اسلئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارتی مال کے لیجا نے میں آسانی ہوا اور گنگا کا پانی جسکو ہندوستانی تمام پانیوں سے اعلیٰ گنتے ہیں مختلف مقامات میں پہنچ سکے۔ ان نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گائوں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجائش آبادی ہے اور چاول اور ایکھ اور غنہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں اور ریشم کے کپڑوں کی غذا کے واسطے کوئی دو تین فرانسیسی فٹ کے برابر چھوٹے چھوٹے شہوت کے درخت ہیں۔

گنگا کے بیشمار ٹاپوؤں اور انکی لیکن بنگا کے کو ان بیشمار قطعوں نے جو بطور ٹاپوؤں خوبصورتی وغیرہ کا ذکر۔ کے دریائے گنگا میں ہیں اور جنکی وسعت بعض جگہ

چھ سات منزل کی مسافت کی ہے عجیب خوبصورت بنا رہا ہے۔ ان ٹاپوؤں کی وسعت کم و بیش ہے۔ لیکن سب نہایت زرخیز اور جنگلوں سے بھرے ہوئے اور میوہ دار درختوں اور انناس سے پُر اور سبز سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں۔ ہزاروں نہریں اتنی ددر تک کہ جہاں نظر کام نہیں کرتی ان میں جاری ہیں اور ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا لمبی لمبی روشیں درختوں کی محرابوں کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔

بنگال کے سمندر کے قریب سمندر کے پاس کے بہت سے جزیروں کو جن پر آراکان کے غیر آباد جزیروں کا ذکر۔

کے قزاق لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور جنگاؤں اور کسی مقام پر کیا گیا ہے وہاں کے باشندوں نے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بالکل اُجاڑ پڑے ہیں جہاں بحر ہر نون اور جنگلی سوروں اور پرندوں اور شیروں کے جو بعض اوقات ایک جزیرے سے پیر کر دوسرے جزیرے میں چلے جاتے ہیں اور کوئی جاندار مخلوق نظر نہیں آتی۔ چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے کنارے گنگا کو عبور کرتے ہوئے (جو ان جزیروں میں جانے کا معمولی طریقہ ہے) اکثر مقامات میں خشکی پر اتر پڑنا پڑھتا ہے۔ اور اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیے کہ رات کو جو کشتی کو کسی درخت سے باندھ دیا جائے تو کنارے سے کچھ فاصلہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ ہمیشہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی آدمی شیر کا شکار ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ خوشخوار جانور جب لوگ سوئے پڑے ہوں کشتی میں آجاتے اور قبول اس ملک کے ملاحوں کے (بشرطیکہ سچ ہو) کسی ایسے آدمی کو پہچان کر اُٹھا لیا جاتا ہے جو سب سے موٹا تازہ ہو۔

پہلی سے ہو گئی تک دریا میں مجھے وہ نودن کا دریائی سفر یاد ہے جو میں نے مصنف کے ایک سفر کے نیکادہ سے پہلی سے ہو گئی تک ان جزیروں اور نہروں میں سے کیا تھا جس کو میں بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اُس سفر میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ ان جزیروں اور نہروں کی طرف جاتے ہوئے جب ہماری سات ڈانڈ والی کشتی دریا سے پہلی سے نکلا تو پندرہ میل سمندر میں بڑھ گئی تو نہنے سمندر کو مچھلیوں سے جو ظاہر اُڑی کا رہ کی قسم کی معلوم ہوتی تھیں۔

کارپ اور ڈالفن مچھلیاں کا ذکر اور جنکے پیچھے لتاقب کے طور پر کثرت سے ڈالفن مچھلیاں لگی چلی آتی تھیں بھرا ہوا دیکھا میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ کشتی کو ان کی طرف سے چلین اور میں نے دیکھا کہ بہت سی مچھلیاں پہلو کے بل اس طرح پڑی ہوئی ہیں جیسے مردہ اور بعض کچھ کچھ حرکت کرتی تھیں اور بعض نزع کی حالت میں بیہوش پڑی لٹتی تھیں چنانچہ ہم لوگوں نے چوبیس مچھلیاں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیں اور دیکھا کہ ہر ایک کے مونہ سے ایک پھلکا باہر نکلا ہوا ہے جیسا کہ کارپ مچھلی کے ہوتا ہے اور اسیں ہوا بھری ہوئی ہے اور اسکا سر اسخری نارنگ کا ہے۔ میں نے آسانی سے معلوم کر لیا کہ یہی پھلکا مچھلیوں کو ڈوبنے نہیں دیتا۔ مگر یہ بات بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ باہر کو کیوں نکٹ رہا تھا۔ لیکن شاید یہ سبب ہو کہ ڈالفن مچھلیوں نے دیر تک ان کا

۱۵ صاحب فرہنگ رشیدی نے اسکا تلفظ ڈلفین لکھا ہے اور اسکی عادت جو ظاہر ایک انسان ہے یہ لکھی ہے کہ وہ بے ہوش آدمی کو دیا سے نکال کر کنارے پر ڈال دیتی ہے چنانچہ اسکی اسی عادت کے اعتبار سے شیخ ابراہیم ذوق نے بھی اپنی ایک مثنوی میں محبوب کے بازوؤں کی تعریف میں لکھا ہے ”مچھلی بازو کی ماہی ڈلفین۔ غرض کش بحر خون سے مردم عین“ اور کتاب مخزن الادویہ میں اسکی نسبت یہ عبارت لکھی ہے کہ ”اسم یونانی است و بعضے گفتہ اند بلغت رومی (یعنی لیٹن) اسم نوعی از سمک است کہ لعلی خندانہ العجم و بفارسی انوک ماہی و ماہی بینی و راز و بہ دلیلی کچھ ماہی و ہندی سوس نامند، اور انگریزی کتا بوں میں یہ ہے کہ یہ لفظ لیٹن زبان کا ہے اور انہوں نے اسکو ایک تم وھیل مچھلی کی لکھا ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب طوفان آنے کو ہوتا ہے تو یہ مچھلی اچھلنے کودنے لگتی ہے جس سے ملاح ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اس باعث سے اسکو انسانوں کا دوست کہتے ہیں اور یہ ہی مشہور ہے کہ یہ قریب المرگ ہوتی ہو کر گٹ کیٹن اپنا رنگ بدلنے لگتی ہے۔ س۔ م۔ ج۔

Carp + Dolphin * Whale

نکل پڑا۔ میں نے اس امر کا ذکر سیکڑوں جہازدارانوں سے کیا مگر کسی نے یقین نہیں کیا۔ البتہ ایک طرح ملاح نے مجھے کھا کہ چین کے کنارے پر جبکہ میں ایک بڑی کشتی پر سفر کر رہا تھا تو میں نے بھی ایک ایسی ہی صورت دیکھی تھی اور کشتی سے باہر ہاتھ نکال کر بہت سی مچھلیوں کو پکڑ لیا تھا۔

مصنف کا ایک رات کو اگلے دن ہم کچھ دیر کر کے ان جزیروں میں پہنچے اور قمری قوس قزح دیکھنا ایک ایسی جگہ پسند کر کے جہاں شیر کا خوف نہ تھا خشکی پر اتر پڑے اور آگ روشن کر لی اور میں نے اپنے نوکروں کو لکھ دو مرغ اور کچھ مچھلیاں تیار کر لیں اور خوب مزے سے کھانا کھایا۔ اور مچھلیاں فی الواقع لذیذ تھیں۔ میں نے پھر کچ کیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ رات ہونے تک برابر چلے چلیں کیونکہ ان نہروں کے درمیان اندھیرے کے باعث راستہ بھول جانے کا خوف تھا۔ اور ایک محفوظ کھاڑی تلاش کر کے ہم بڑی نہر میں سے آسمین چلے گئے اور کشتی کو کنارے سے معقول فاصلہ پر ایک درخت کے موٹے ٹہنے سے باندھ کر رات بسر کی۔ اور جبکہ میں نگہبانی کے لئے جاگ رہا تھا تو میں نے آسمان میں ایک عجیب صورت دیکھی جیسے کہ دو مرتبہ دہلی میں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یعنی ایک قمری قوس قزح دیکھی اور اپنے سب ساتھیوں کو جگا کر دکھایا جو دیکھ کر بہت متعجب ہوئے

۱۷ قمری قوس قزح کو بعض ہمارے اس زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھا ہے چنانچہ کتاب : نہ دانشوراں میں (جو کو علا و فضلہ کی ایک کشتی نے بحیرہ ناصر الدین شاہ بادشاہ حال ایران مشہور و معروف اہل علم کے تذکرے کے طور پر تالیف کیا ہے) جو خوش قسمتی سے مطبع شاہی طہران کی چھپی ہوئی ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے، ابن بطالان طبیب کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے

ہوے خصوصاً دو پر تکیز جو کشتیوں اور جہازوں کے معلم یعنی رہنما تھے اور جنگو
 مینے اپنے ایک دوست کے کہنے سے اپنے ساتھ چڑھا لیا تھا۔
 انہوں نے کہا کہ ہننے ایسی قوس کہی دیکھی نہ سنی!

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷۔ کہ شاہزادہ علی قلی میرزا وزیر علوم (ڈاکٹر سر شہ تعلیم ایران) نے اپنی
 ایک تالیف میں لکھا ہے کہ سن بارہ سو اسی ہجری میں جبکہ ہم دبا کے خوف سے بادشاہ کے
 ساتھ موضع امام میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ایک رات کو جو شب اہ تھی اور خفیف سا ترخ
 ہو رہا تھا آدھی رات کے وقت جو میں ایک کام کے لئے اپنے خیمہ سے باہر نکلا تو کیا دیکھا تو ہوا
 کہ چاند آفت کے قریب ہے اور اسکے مقابل مشرق میں قوس پڑی ہوئی ہے۔ چونکہ دیکھنا تو کیا
 چاند سے قوس کا پڑنا کہی نہ تھا مجھ کو نہایت حیرت ہوئی اور میں نے امیر زادہ محسن میرزا
 اور ملا علی محمد اصفہانی اور حکیم قافی اور شمس الشعر اسروش۔ اور جناب نصیر الدولہ میرزا
 عبدالوہاب خان وزیر تجارت کو جو میرے ساتھ تھے جگا کر دکھایا اور وہ بھی تعجب ہوئے اور پھر
 میں نے اس کا ذکر جو اکثر اہل کمال سے کیا تو میں دیکھا تھا کہ وہ بظاہر ہاں ہاں تو کرتے تھے مگر دل سے
 اس کا انکو یقین نہ تھا۔ اسکے بعد میں نے کتاب تاریخ الحکما میں قمری قوس کا ہونا پڑھا جس سے مجھ کو
 نہایت تقویت ہوئی اور ہمیشہ میں اپنے قول کی صداقت کی خاطر اس کتاب کا حوالہ دیتا تھا۔ مگر چونکہ
 مجھ کو ہمیشہ اسکی تحقیق کا خیال تھا پھر میں نے علم طبیعیات کی کسی کتاب میں دیکھا کہ حکماء فرنگستان میں سے
 کسی شخصوں نے قمری قوس کو دیکھا ہے چنانچہ کتاب فزیک کاؤ کا صنف لکھا ہے کہ سورج کی طرح چٹا
 سے بھی قوس پڑتی ہے مگر قمری قوس کے رنگ بہت ہلکے ہوتے ہیں اور کتاب فزیک راکن میں جو چار
 جلدوں میں ہے لکھا ہے کہ قمری قوس کے رنگ نسبت آفتاب کے چاند کی روشنی کے کم ہونے کی وجہ سے
 ایک دوسرے سے کم تیز ہوتے ہیں اور ایک کتاب میں لکھا ہے کہ کہی کہی چاند سے بھی قوس پڑتی ہے چنانچہ
 ماہ تبریز ۱۳۰۷ میں شہر شوش میں جو ملک فرانس کا ایک شہر ہے دیکھی گئی تھی ۱۲ س - م - ج -

(فزیک کاؤف - ذی ک ک آف - فزیک راکن - راکن ک راکن) (دشور - شوش - شوش)

تیسرے دن ہمارے انہروں میں راستہ بھول گئے اور اگر ہمارے بعض پر تلگیر جو ایک جزیرے میں نمک بنا رہے تھے نہ ملتے تو میں نہیں جانتا کہ ہمارے سیدھا راستہ کیونکر معلوم ہوتا۔ اس رات کو جبکہ ہماری کشتی ایک چھوٹی سی محفوظ کھاڑی میں لگی ہوئی تھی میرے پر تلگیر رفیقوں نے جو شب گزشتہ کے عجیب مشاہدے کے خیال میں اپنی نظر ہر وقت آسمان کی طرف لگا رہے ہوئے تھے ٹھیکوین سے جگایا اور دیسی ہی قوس قزح بھر دکھائی جیسی کہ ہم نے کل رات دیکھی تھی۔ یہ آپ کو خیال نہ کرنا چاہیے کہ میں غلطی سے چاند کے ہالہ کو قوس سمجھتا ہوں! انہیں میں ہالے کو خوب جانتا ہوں کیونکہ بمقام دہلی برسات میں کوئی ایسا نہیں ہوتا جس میں اکثر چاند کے گرد ہالہ نظر نہ آئے۔ لیکن ہالہ اُسی وقت نظر آتا ہے جبکہ چاند اُفق سے بہت بلند ہو چنانچہ میں تین چار رات تک متواتر دیکھتا رہا ہوں اور بعض اوقات دوسرا ہالہ بھی دیکھا ہے مگر جس قوس کا میں ذکر کرتا ہوں وہ چاند کے گرد کوئی ہالہ نہ تھا بلکہ وہ چاند کے مقابل اسی طرح جیسے آفتاب کی قوس ہوتی ہے تھی۔ چنانچہ جب کہیں میں نے قمری قوس کو دیکھا تو چاند کو مغرب میں پایا اور قوس کو مشرق میں۔ اور چاند قریباً پورا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے نزدیک اسکی شعاع قوس پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی یہ قوس ہالے کی طرح سفید نہ تھی اور اچھی طرح نمایاں تھی بلکہ طح طح کے رنگ بھی اُس میں نمودار تھے۔ پس آپ دیکھتے ہیں کہ میں متقدم کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہوں جنہوں نے اسطو کے قول کے بموجب

اُسکے زانے پہلے قمری توس قنچ کا ہونا بیان نہیں کیا۔

مصنف کا اپنے اس سفر پر رات کو چھوٹے روز کی شام کو معمول کے موافق ٹہم پڑی عجیب و غریب رشتہ یوں کا دیکھنا نہر میں سے ایک محفوظ جگہ میں چلے آئے

اور وہاں پہنچے ایسی رات کا ٹی جو معمولی طور کی نہ تھی! ہوا نام کو بھی نہ تھی! اور گرمی اور گھمسن کا یہ عالم تھا کہ دم لینا مشکل تھا اور آس پاس کی جھاڑوں میں جگنو اس کثرت سے چمکتے تھے گویا آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور ہر لمحہ شعلوں کی طرح آگ نکل نکل کر ہمارے ملاحوں کو ڈراتی تھی جب کہ یقین تھا کہ یہ سب جن بھوت ہیں۔ ان نورانی صورتوں میں سے دو صورتیں بہت عجیب و غریب تھیں یعنی ایک تو پیرا آتشیں گولہ جو اُس قدر عرصہ سے جو دعا کے پیڑ پراسٹر کے پڑھنے میں گزر رہے تھے زیادہ دیر تک قائم رہا! دوسرا ایک چھوٹا سا درخت جو پاؤ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک رہا۔

پانچویں رات کا سخت طوفان پانچویں دن کی رات بڑے ہی خوف و خطر میں گزری! اور بارش میں بس رہا۔ ایسی سخت ہوا آئی کہ گو ہم اپنے خیال کے موافق

درختوں کے نیچے بڑی محفوظ جگہ میں تھے اور کشتی بھی احتیاط سے بند ہی ہوئی تھی مگر لنگر کار سا ٹوٹ گیا۔ اور اگر میں اور میرے وہ دونوں پر نگیز ساتھی دفعتاً اپنے بازو درختوں کے ٹہنوں میں ڈال کر ان کو دو گھنٹے تک یعنی جب تک کہ وہ طوفانی ہوا برابر شدت سے چلتی رہی بڑے زور سے نہ پکڑے رہتے

۱۴ عیسائیوں کے روس کی تھک فرود کی ایک دعا کا نام ہے۔ س م ح Paternoster

تو بالآخر درہم بڑی نہر میں جا گرتے اور آخر کار وہیں مر جاتے۔ کیونکہ
ہندوستانی ملاحوں سے جن پر بالکل خوف چھارہا تھا کسی طرح کی امید
نہ تھی۔ اس وقت ہماری حالت بڑی ہی دردناک تھی! مینہ اس شدت
سے پڑ رہا تھا کہ کشتی میں گویا ڈول کے ڈول پانی کے گہرے ہیں۔ اور
بجلی کی چمک اور کڑک ہمارے سروں کے آس پاس اور اس قدر تھی کہ
ہم اُس ہو لٹا کر رات کو اپنی جانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔! مگر ہمارا
باقی سفر ایسی عمدگی سے گزرا کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔

نویں روز ہم ہو گلی میں پہنچے اور اس خوشنما ملک کو دیکھ دیکھ کر جس میں
سے ہمارا گزر ہوا میری آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں۔ مگر میرا صندوق
اور تمام پہنے کے کپڑے بھیگ گئے تھے اور مرغیاں مر گئیں۔ اور
پچھلیاں تلف ہو چکی تھیں اور تمام بسکٹ مینہ سے تر ہو گئے تھے۔

جواب تھیویٹ صاحب
میں نہیں جانتا کہ میرا اس پانچویں سوال کا حل قابل
اطمینان ہو گیا یا نہیں۔ لیکن جو رائیں میں پیش
کے پانچویں سوال کا۔

کر ونگا وہ باعتبار اسکے ہیں کہ مینے دریائے نیل کی طغیانی کو دو مرتبہ دیکھا
ہے اور اپنی تمام غور و فکر اس مضمون پر صرف کی ہے اور ہندوستان

۱۵ اس غرض سے کہ دریائے نیل کے منبع وغیرہ کی بابت مصنف کے بعد کے زمانے میں جو تحقیقاتیں عمل
میں آئی ہیں اس مضمون کے ساتھ ناظرین انکو بھی پڑھ لیں ہم تاریخ مصر میں سے جبکہ سینٹیفک سوسائٹی
علی گڑھ نے ڈاکٹر رولن صاحب کی تاریخ اقوام قدیمہ میں سے انتخاب کر کے باضافہ بعض مفید مضامین اور
حاشیوں کے ساتھ ان میں چھاپا تھا عبارت ذیل نقل کرتے ہیں۔ س م ح۔

دریائے نیل کی طغیانی کا بیان

مصر میں دریائے نیل بھی ایک عجیب چیز ہے۔ اس ملک میں مینہ بہت ہی کم برتا ہے۔ مگر اس

میں بھی بعض ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے اس امر کی تحقیق میں مجھے کچھ آسانی ملی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی آسانی بالضرور اس مشہور و معروف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱۔ دریا کی طغیانی سے تمام ملک سیراب ہو جاتا ہے۔ اور سینہ برسنے کی کمی سے جو نقصان ہوتا ہے اسکا بلایہ دیدیتا ہے کیونکہ اور ملکوں کی بارش کو بطور محصول کے جمع کر کے پانی دیتا ہے چنانچہ ایک شاعر نے مقرر کے کھیتوں کے حق میں خوب کہا ہے شعر عجیب طرکی تھیں مصر کی چراگا ہیں + کہ عین خط میں بارش کی دہاں نہ تھی پروا۔ اس فیض رساں دریا سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے مصریوں نے زمینوں کے اندازہ پر اور مناسب مناسب موقوفوں پر بشمار زمین مناسب مناسب عرض و طول کی بنائی تھیں اور ان کے ذریعہ سے دریا سے نیل اپنی فیاض دہاروں سے ہر جگہ کو ذخیرہ کرتا تھا نہروں کی راہ سے لوگ سفر کرتے تھے اور خشکی پر چلنے اور خشکی کے سفر کی مصیبت جاتے رہنے سے گویا اس دریا نے شہروں کو پاس پاس کر دیا تھا۔ اور دریا سے قلمزم کو بحیرہ روم سے ملا دیا تھا اور اس سبب سے ملک کی اندرونی و بیرونی تجارت بہت رونق پڑتی اور دشمنوں سے بھی ملک محفوظ تھا اس سبب باتوں کے سبب کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ دریا مصر کا مربی اور اسکا بہت بڑا محافظ ہے۔ مصر والے کھیتوں میں دریا کے پانی کو جانے سے نہ روکتے تھے مگر شہروں میں جو بڑی محنت سے بنے تھے اور جو طرف پانی بھر جانے سے جزیروں کی طرح دیکھائی دیتے تھے اپانی نہیں جاسکتا تھا دہاں کے رہنے والے ان میدانوں کو دریا سے نیل کے پانی سے بھر جاتے تھے اپنے اپنے مکانات پر چڑھ کر نہایت خوشی سے دیکھتے تھے۔

دریا سے نیل کے منجھ کا بیان

متقدمین خیال کرتے تھے کہ دریا سے نیل کا مخرج ان پہاڑوں میں ہے جو کہ قمر کے نام سے مشہور ہیں اور جو خط استوا سے دس درجہ عرض جنوبی میں واقع ہیں۔ تقویم البلدان میں ابوعلی سینا کا یہ قول لکھا ہے کہ دریا سے نیل تمام دنیا کے دریاؤں سے بڑا اور لمبا ہے۔ گریہ پرانے زمانہ کی بات ہے یورپ کے سامان اور جغرافیہ دانوں نے جو کئی کئی تحقیقات کی ہیں ان سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا میں بہت سے دریا دریا سے نیل سے بڑے اور لمبے ہیں۔ سب سے بڑا دریا دنیا میں امریکہ کے ملک میں امیزن ہے اور دریا سے نیل کی لمباں سے دو گنے سے بھی زیادہ لمبا ہے۔ دریا سے نیل کا مخرج اگلے زمانہ میں اچھی طرح تحقیق نہیں ہوا تھا عربی جغرافیہ

شخص کو حاصل نہ ہوئی ہوگی جس نے بغیر اس کے کہ ملک مصر میں سیاحت کی ہو صرف اپنی ذہانت اور سیرکتب اور مطالعہ کی زور سے اس کو سب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲۔ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خط استوا کے جنوب کی طرف بالکل ویران ہے اور اس سبب سے وہاں کا حال دریافت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یونانیوں نے لکھا ہے اُس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ رولن صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے سیاحوں نے یہ تحقیق کیا ہے کہ خط استوا سے بارہ درجے عرض شمال میں اسکا منبج ہے اور اس سبب سے متقدمین کی تحقیقات کی نسبت اس دریا کی لمبائی کو قریب بارہ یا پندرہ سو میل کے کم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دریا کے نیل نکلتا ہے ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں سے جب کانام گویا ہے اور مملکت اپنی سینائیں واقع ہے مگر زمانہ حال میں انگلستان کے شاہی جغرافیہ کی سوسائٹی نے اس دریا کے خرج دریافت کرنے کو بہت سی کوششیں کیں اور کیتاں اسپیک صاحب تین دفعہ اس کا خرج دریافت کرنے کو افریقہ میں گئے۔ اخیر سفر ان کا ۱۸۵۹ء میں تھا انہوں نے اپنے سفر میں عین خط استوا کے نیچے ایک بہت بڑی جھیل پائی اور کہتے ہیں منیزا اسکا نام رکھا اگلے نزدیک وہی جھیل در حقیقت دریا کے نیل کا منبج ہے جنوبی سر اس جھیل کا قریب تیسرے درجہ عرض جنوبی کے واقع ہے۔ جو گویا دریا کے نیل کا ہے۔ اس حساب سے دریا کے نیل جنوبی ۳ درجوں کی لمبائی میں یعنی دو ہزار تین سو میل کے طول میں بہتا ہے اس جھیل کے جنوبی سرے سے مغرب کی طرف آؤ تو کینٹول نامی ایک دریا ملتا ہے جو اس جھیل میں پڑتا ہے مگر کیتاں اسپیک صاحب کہتے ہیں کہ اس دریا سے اور دریا کے نیل سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اگر جھیل کے اسی جنوبی سرے سے مشرق کی طرف جاؤ تو وہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے۔ کیونکہ عرب کے سیاحوں سے انہوں نے تحقیق کیا کہ کوہ گلی ماند جبار کے مغرب کی طرف نمک کی جھیلیں اور نمک کے میدان ہیں اور پٹاری ملک ہے بانی کی بہت قلت ہے کبھی کبھی کوئی چھوٹی ندی بہ آتی ہے۔ اس جھیل کے شمالی کنارے سے دریا کے نیل نکلتا ہے اس جھیل کے شمال مشرق کو اور جھیل سے مگر کیتاں اسپیک صاحب کا وہاں تک جانا نہیں ہوا مشہور ہے کہ وہاں ایک آبنا ہے جسے جو ان دونوں جھیلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس چھلی جھیل سے ہی ایک دریا نکلتا ہے جب کانام آسنو ہے اور تخمیناً سو تین درجہ عرض شمالی نمک بیکر دریا کے نیل سے ملا ہے۔ س۔ م۔ ح۔

مسلمین ایک عمدہ اور عالمانہ تحریر کی ہے۔

مصنف کا دہلی میں شاہ قلیچ آباد کے سفیر ہونے میں پہلی بیان کر چکا ہوں کہ جب اٹھویں سال کے دو سفیر دہلی اور یسٹل کے حالات کا دریافت کرنا۔ میں آئے تھے تو میرے آقا دانشمند خاں جنکو معلوم حاصل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳۔ میں مل جاتا ہے۔ وکٹوریائی مینز مینجیل کے شمالی کنارے میں سے تین دہائیوں تک تھی اور پھر سب آپس میں مل جاتی ہیں اور ایک دریا یعنی دریا سے نیل ہو جاتا ہے۔ انہیں سے مشرقی دھار اس طرح بڑھتی ہے کہ جھیل میں سے ایک حصہ پانی کا شمال کی طرف نکلتا ہے اسپیک صاحب نے اسکا نام نیو لین چینل فرانس کے بادشاہ کے نام پر رکھا ہے کیونکہ فرانس میں شاہی سوسائٹی نے اسکا حال تحقیق کرنے کے صلہ میں انکو ہونے کا تمغہ دیا تھا۔ اس چینل سے ایک بہت بڑی چادر پانی کی نہایت زور شور سے جھکا کر چار سو پانچ سو فٹ تک ہے گرتی ہے اور وہ بہک دریا کی دہانہ بن جاتی ہے۔ کپتان اسپیک صاحب نے اس چادر کا نام راپن رکھا ہے۔ کیونکہ وہ دریا۔ نیل کے مخرج کی تحقیقات کو روانہ ہوئے تو انگلستان کے جغرافیہ کی شاہی سوسائٹی کے پریزیڈنٹ راپن صاحب تھے! کپتان اسپیک صاحب کے نزدیک جو کہ ضروری اور متعلق جغرافیہ درباب تحقیق مخرج نیل کے تھے وہ دوسرے ہو چکے ہیں۔ مگر اکثر محققین کے نزدیک ابھی اور زیادہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

دریا نیل کی آبشاروں کا بیان

جن مقاموں میں کہ دریا نیل سخت پتھروں میں بہہ کر زور سے نیچے گرتا ہے انکو آبشار کہتے ہیں ملک مصر میں آنے سے پہلے یہ دریا اٹھویں سال کے جنگل میں آہستہ آہستہ بہک آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اور پھر وہاں سے دفعتاً نہایت تیزی اور زور شور سے بہتا ہے اور زیر فتنہ تمام رکاوٹوں سے نکل کر اور چند پہاڑیوں سے گزر کر اسقدر زور شور سے بہتا ہے کہ اُنکی آواز نویں پر سے سنائی دیتی ہے۔ ۱۔ اس ملک کے رہنے والے جنکو اس دریا میں آنے جانے کی عادت ہو گئی ہے ان لوگوں کو جو یہاں سیر کرنے کو آتے ہیں ایک عجیب تماشا دکھاتے ہیں جنہیں نسبت دل لگی کے خوف زیادہ معلوم ہوتا ہے! ایک چھوٹی سی ڈوگلی میں دو آدمی بیٹھ کر دریا میں جاتے ہیں ان میں سے ایک تو ڈوگلی کھیتا ہے۔ اور دوسرا ڈوگلی میں سے پانی لیجتا جاتا ہے۔ بہت

کرنے کا ہمیشہ شوق رہتا ہے۔ انکو اکثر دعوت کی تقریب سے اپنے ہاں بلالیتے تھے اور میں بھی ہمیشہ شریک مجلس ہوتا تھا۔ اور اس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴۔ دیر تک وہ ڈوگلی لہروں کی تیزی سے ٹکراتی رہے مگر دو لاکھ ہر طرح کا صدمہ اٹھا کر اور ڈوگلی کو ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے قابو میں کر تیز دھار پر لپکا کر مہاجر چھوڑ دیتے ہیں اور تیر کی طرح آسمان سے نکل جاتے ہیں۔ غوف زدہ تماشا دیکھنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ جس بلندگی سے ان لوگوں نے اپنی ڈوگلی کو چھوڑا ہے اُسکے نیچے جا کر وہ لوگ ڈوب گئے لیکن وہ لوگ جب اصلی دھار پر جا پڑتے ہیں تو بہت دور تک پہنچ جاتے ہیں اور جہاں بانی دھیمہ ہو جاتا ہے وہاں سے نکل آتے ہیں اس عجیب تماشے کا بیاں سنیکا صاحب نے کیا ہے اور حال کے زمانہ کے سیلج بھی اسکی تصدیق کرتے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کے سببوں کا بیان

اگلے زمانہ کے لوگوں نے مثل ہیروڈوٹس اور ڈیوڈورس اور سیکولس اور سنیکا صاحب کے دریاے نیل کی طغیانی کے بارے میں سبب بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ پرانی باتیں اور صرف نا تحقیق خیالات تھے حال کے زمانہ میں کچھ زیادہ اتفاقات کے لاپتہ نہیں رہے۔ اس زمانہ میں سب کا اتفاق ہے کہ اٹھویں یا میں جہاں سے یہ دریا آتا ہے نہایت کثرت سے بارش ہونے کے سبب دریاے نیل کو اسقدر طغیانی ہوتی ہے کہ اول اٹھویں یا کو اور اُسکے بعد تھر کو غرقاب کر دیتا ہے اور یہی دریا اس بارش کے سبب سمندر تک تمام ملک میں پھیل جاتا ہے۔ پھر بڑے بڑے صاحب کہتے ہیں کہ مقدس کا صرف یہ قیاس تھا کہ نیل کی طغیانی اٹھویں یا میں کثرت سے بارش ہونے کے سبب ہوتی ہے لیکن اس قیاس پر وہ یہ بات زیادہ کرتے ہیں کہ بہت سے سیاحوں نے اُسکو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے چنانچہ ٹولیمی، فلیٹیفنس یعنی اعلیٰ مصر ثانی، باؤشا، مہرنے جو علوم اور فنون کی تحقیقات میں نہایت شوق رکھتا تھا اس امر کی تحقیقات کے لئے نہایت قابل قابل شخصوں کو وہاں بھیجا کہ اس امر کو تحقیق کیا تھا۔

دریاے نیل کی طغیانی کے موسم کا بیان

ہیروڈوٹس صاحب اور اسیطو ڈیوڈورس اور سیکولس صاحب اور اور بہت سے مصنف بیان کرتے ہیں کہ دریاے نیل گرمی کے موسم میں یعنی جون کے اخیر میں بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے

نواب صاحب کی اصل غرض یہ ہوتی تھی کہ اُن کے ملک کی حالت اور حکومت کی وضع سے واقفیت حاصل کریں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵۔ اخیر تک روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اور اکتوبر اور نومبر میں رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے اصلی حال پر آ جاتا ہے۔ اس زمانہ کے لوگ بھی اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور حقیقت میں جو اصل سبب اس دریا کی طغیانی کا ہے اسی پر انکی بنیاد ہے اور وہ سبب وہی اٹھیر بیا کی بارش ہے جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اپریل کے مہینے میں وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے تک یعنی اگست کے نصف غیر ماہ تک نصف اول تک برابر بارش ہوتی ہے اور ستمبر میں بیاے نیل کا چڑھاؤ تین ہفتے یا ایک مہینے بعد ابی سینا میں بارش شروع ہونے سے ہوتا ہے۔ سیاحوں کا قول ہے کہ دریاے نیل مئی کے مہینے سے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ مگر اول نہایت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور اپنے کناروں سے باہر نہیں نکلتا اور جون کے ختم ہونے کے قریب تک بھی اس میں طغیانی نہیں ہوتی۔ میر ڈوٹس صاحب کہتے ہیں کہ اسکے بعد چوتین مہینے آتے ہیں انہیں تین مہینوں میں اس دریا میں طغیانی ہوتی ہے۔ اگلے مصنفوں کی اصل کتابوں میں ایک اختلاف ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں میر ڈوٹس اور ڈاؤڈوس ایک طرف ہیں اور سترے بو صاحب اور پلے فی صاحب اور سولیس صاحب دوسری طرف ہیں۔ یہ تینوں صاحب دریاے نیل کی طغیانی کے زمانہ کو بہت کم گنتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ تین مہینے یا سو دن میں کنارے کے باہر کی زمینوں میں سے لوٹ جاتا ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ پلے فی صاحب اپنی رائے کی بنیاد میر ڈوٹس کی گواہی پر قائم کر رہے ہیں۔

دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی کا بیان

پلے فی صاحب بیان کرتے ہیں کہ طغیانی تھے دنوں میں دریاے نیل ٹھیک ٹھیک چوبیس فٹ اونچا چڑھ جاتا ہے۔ جبکہ اسکا چڑھاؤ اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فٹ اونچا آتا ہے تو ملک میں قحط سال ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جبکہ چوبیس فٹ اونچا چڑھاؤ آتا ہے تو غرق کا اندیشہ ہوتا ہے شہنشاہ جو لین نے ایک چھٹی مورخہ ایکٹیشس مورخہ میسویں ستمبر ۳۶۲ء میں دریاے نیل کی طغیانی کی بلندی بایس فٹ لکھی ہے۔ دریاے نیل کے چڑھاؤ کی بلندی میں باجم متقدیم کے اور نیز زمانہ حال کے مورخوں میں اتفاق نہیں ہے۔ مگر بہت سا تفاوت بھی

دریاے نیل کے منبع کی بابت چنانچہ علاوہ اوہ باتوں کے جس نے اُن سے دریاے
اتھیو پیا کے سفروں کا بیان نیل کے منبع کی نسبت جسکو وہ آبا با نیل
کہتے ہیں بہت گفتگو کی انہوں نے کھا کہ اسکے منبع کا حال تو ہر کسی کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶۔ اُن میں نہیں ہے۔ اور اُس کے سبب یہ ہو گئے! اول یہ کہ اگلے زمانہ
کے اور زمانہ حال کے سیماؤں میں شاید کچھ تفاوت ہو چکا دریا نٹ کرنا مشکل ہے۔ دوسرے متقدّم
مذہبوں نے بے پروائی سے اپنے بیانوں کو لکھا ہو۔ تیسرے یہ کہ خود نیل کی طغیانی میں تفاوت ہوتا ہے
کیونکہ وہ دریا جس قدر سمندر کے پاس آتا جاتا ہے اُس کے چڑھاؤ کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے جو کہ مصر کے
ملک کی زرخیزی دریاے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی اس لئے مصریوں نے اُس کے چڑھاؤ کے تمام
حالات کو اور اُس کے مختلف درجوں کو چوٹی غور کیا تھا اور ایک مدت تک باقاعدہ امتحانوں سے
جو بہت سے برسوں میں ہوئے تھے خود دریاے نیل کے چڑھاؤ سے یہ بات معلوم ہوئے لگی
تھی کہ اس سال میں چڑھاؤ سے کیسی فصل پیدا ہوگی۔ مصر کے بادشاہوں نے شہر مصر میں ایک
ایک سیما نہ لگایا تھا اور اُس پر دریاے نیل کے چڑھاؤ کے مختلف درجے لکھے تھے۔ اور اُن درجوں پر
حساب کر کے تمام ملک مصر میں اطلاع دی جاتی تھی کہ اب کی فصل میں کیا نقصان آویگا یا کیا فائدہ
ہوگا۔ سترے بوصاحب کہتے ہیں کہ اسی مطلب کے لئے شہر سین کے قریب دریاے نیل
کے کنارے پر بھی ایک کنواں بنا ہوا ہے۔ آج تک یہ رسم شہر قاہرہ میں جاری ہے کہ ایک مسجد
کے صحن میں ایک مینار ہے اور اُس پر دریاے نیل کے چڑھاؤ کے درجوں کے نشان بنے ہوئے
ہیں۔ شہر کے ہر گلی کو جس میں ہر روز منادی ہوتی ہے کہ دریاے نیل میں اس قدر چڑھاؤ ہوا ان میں کاخراج
جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے اُس کا تصفیہ نیل کے چڑھاؤ پر منحصر ہے جس دن دریاے نیل کا چڑھاؤ
ایک معین بلندی پر پہنچ جاتا ہے اس دن بہت خوشی ہوتی ہے اور عیش و عشرت کی بجائی ہے
اور آتش بازی چھوٹی ہے۔ اور آپس میں دعوتیں ہوتی ہیں۔ اور جو بائیں ہر طرح کی خوشی میں ہوتی ہیں
وہ سب کیجائی ہیں۔ قدیم زمانہ میں ہی دریاے نیل کی طغیانی ہونے سے تمام مصر میں عام خوشی کیجائی
تھی۔ اس لئے کہ اُس ملک کی خوشی اور آسودگی کی بنیاد یہ ہی دریا ہے۔ اگلے زمانہ میں مصر کے لوگ
حیث پرست تھے دریا کی طغیانی کو اپنے دوتو اس پر اس کا سبب جانتے تھے اور جس مینار پر اسکے چڑھاؤ
درجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اسکو ہاؤس مند میں مقدس سمجھ کر رکھا تھا شہنشاہ قسطنطین نے
اس مینار کو وہاں سے اٹھا کر اسکندریہ کے گرد میں لیجانے کا حکم دیا۔ اس پر مصریوں نے یہ مشہور
کیا کہ سر اس دوتو کا خفگی کے سبب دریا نیل میں کہی چڑھاؤ نہیں آئے گا۔ دوسرے سال دریا نیل

خوب معلوم ہے اور اسکی نسبت کہ یکو کچھ شک نہیں ہے۔ بلکہ ان سفیروں میں سے ایک نے مع ایک مغل کے جو انہیں کے ساتھ ہندوستان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷۔ میں معمولی قاعدہ پر چڑھا دیا شہنشاہ جو یس مرتبہ جو بہت پرتی کامری تھا اس میںا کو اسی سند میں بچوا دیا اگر شہنشاہ تھیبہ ڈوشیسیس نے پھرا سکودمان سے اٹھوا منگایا۔

نیل کی نہروں اور پانی کے کینچنے کی کلوں کا بیان

اگرچہ خدا تعالیٰ نے مصر کے ملک کو دیا فیض رسان دیا دیا تھا مگر اسپر ہی یہ نہیں چاہا کہ وہاں کے رہنے والے سست اور کامل ہو جائیں اور بغیر محنت و مشقت کے ایسی بڑی نعمت کا فائدہ اٹھائیں۔ دیات از خود معلوم ہو سکتی ہے کہ دریا سے نیل تمام ملک کو سیراب نہیں کر سکتا تھا اسلئے بہت سی محنت و مشقت زمین کے پانی دینے میں کیجاتی تھی اور بہت سی نہریں ہر جگہ پانی پہنچانے کے لئے کاٹی گئی تھیں جو دیات دریا سے نیل کے کنارے کے پاس اونچی زمینوں پر تھے۔ ان میں نہریں بنائی تھیں۔ اور مناسب وقت پر بہت سے دیات میں پانی پہنچانے کے لئے کوئی جاتی تھیں جو دیات کو بہت دور و دراز فاصلہ پر ملک کی سرحد پر تھے ان میں بھی پانی پہنچانے کے لئے نہریں بنی ہوئی تھیں۔ اور اسطرح سے نہایت دور دور کے مقاموں میں بھی نہر سے پانی پہنچتا تھا جب تک کہ دریا سے نیل ایک معین حد پر نہ چڑھ جاتا تھا۔ اسوقت تک لوگوں کو پانی لینے اور نالیاں کاٹنے اور وہاںوں کے کوٹنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے پانی لینا شروع ہو جاتا تو بعض زمینوں کو بہت سا بیج جانا اور بعض کمیتوں کو کم بیجنے کا احتمال ہوتا۔ بموجب ان قاعدوں کے جا یک کتاب میں لکھے ہوئے تھے اور زمین سب طرح کے اندازے مقرر تھے پہلے اوپر کے حصہ ملک مصر میں اور پھر نیچے کے حصہ میں نہروں کا کوٹنا شروع ہوتا تھا اسطرح پر پانی کی ایسی احتیاط سے تقسیم ہوتی تھی کہ تمام زمینوں کو بوجی پہنچ جاتا تھا جن ضلعوں میں کہ دریا سے نیل کا پانی از خود پھیلتا تھا وہ اسقدر کثرت سے ہیں اور ایسے نیچے میں اور ان میں اسقدر نہریں بنی ہوئی ہیں کہ بقدر پانی جون اور چلائی اور اگست میں مصر میں پھیلتا تھا یقین ہوتا ہے کہ اسکا دسواں حصہ بھی مستند تک نہیں جاتا تھا۔ مگر باوجود اسقدر نہریں کے بہت سی زمینیں ایسی بلند ہیں کہ نیل کی طغیانی کا پانی وہاں تک نہ پہنچتا تھا اسلئے سچا رکلوں سے ان زمینوں میں پانی پہنچا دینے

کو واپس آیا تھا اُسکو دیکھا ہی تھا انہوں نے کہا کہ دریا سے نیل کا منبع
اگوس کے ملک میں ہے اور وہ دوبرے جو شندہ چشمے میں جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸۔ تے اُن کلوں کو نیل بھرتے تھے اور بانی ملکوں میں جا کر اُن اونچی
زمینوں میں پہنچاتا تھا۔ ڈیوڈوس صاحب کہتے ہیں کہ جب اُرکی میڈیز صاحب بطریق سیر کے
مصر میں گئے تو انہوں نے لوگوں کے لیے یہ کل ایجاد کی تھی۔

مصر کی زر خیزی کا بیان جو دریا سے نیل کے سبب ہوتی ہے۔
دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جسکی زمیں مصر کی زمیں سے زیادہ زرخیز ہو اور وہ صرف
دریا سے نیل کا باعث ہے اور دریاؤں کا یہ دستور ہے کہ جب اُلگی روز زمیں پر پھر جاتی ہے تو
وہ ریت دیکھتی ہے یعنی زمیں کی مٹی جسکے سبب زمین غم رہتی ہے بہ جانی ہے مگر خلاص
اُسکے دریا سے نیل اپنی رومیں اوپر سے چکنوٹ مٹی بہا لاتا ہے۔ اور وہاں چھوڑ جاتا ہے
اور زمینوں کو زرخیز کر دیتا ہے اور اس سبب اُلگی فصل ہونے سے زمین جیسقدر کمزور
ہو جاتی ہے پھر اتنی ہی زور آور ہو جاتی ہے کاشتکار کو ملک میں مل جلا نے اور زمیں توڑنے
کی حاجت نہیں پڑتی۔ جب دریا سے نیل ہٹ جاتا ہے تو بحر ابکے گز زمیں کے اوپر چکنوٹ
مٹی گر گئی ہے اسکو الٹ پلٹ کر نیچے کی ریتی مٹی سے ملا کر اسکے مزاج کو معتدل اور اسکی قوت
کو کم کر کیا جائے اور کچھ کام کرنا نہیں پڑتا۔ اسکے بعد نہایت آرام سے اس میں بیج ڈال دیا جاتا ہے
اور اس سبب کھیتی کرنے میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ دو مہینے میں سب زمینیں پھول پھل کر
سبز ہو جاتی ہیں اور کھیتیاں اعلیٰ مانے لگتی ہیں اور ان میں کثرت سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ مصر
والے اکثر نومبر اور اکتوبر میں جبکہ دریا سے نیل کا بانی کم ہونے لگتا ہے کھیتی بوتے ہیں
اور مارچ و اپریل میں فصل تیار ہو جاتی ہے۔ مصر کی زمینیں فصلی اور چو فصلی ہیں۔ یعنی ایک
زمین میں ہر سال تین یا چار قسم کی مختلف چیزیں بونی جاتی ہیں۔ پہلی دفعہ گھرا کا ہو کر کاٹ
لیتے ہیں اسکے بعد اناج بوتے ہیں اور جب اناج کی فصل تیار ہو کر کٹ لیتی ہے تو مختلف
قسموں کی ترکاریاں جو خاص کر مصر میں ہوتی ہیں بوتے ہیں اور جو کہ مصر میں آفتاب بہت تیزی
سے نکلتا ہے اور دھوپ کی تلپش بہت ہوتی ہے اور مینہ بہت کم پڑتے ہیں اگر اس ملک
میں نہریں اور چشمے بکثرت نہ ہوتے جن سے نالیاں بنا کر کھیتوں اور باغوں میں بخوبی پانی
دیا جاتا ہے تو قیاس چاہتا ہے کہ وہاں کی زمینیں جلد خشک ہو جاتیں اور ایسی

ایک دوسرے کے قریب ہی زمین سے نکل کر اول تو کوئی تیس یا چالیس قدم لمبی ایک چھوٹی سی جھیل بن جاتی ہے اور پھر اس میں سے نکل کر دریا نے نیل اپنے منہ سے جدا ہو کر یہ دریا بہت پھیل جاتا ہے اور اس کے بعد راستہ میں اور بہت سے ندی نالے مل جاتے ہیں اور ایک دریا سے ذخار مصر میں پہنچتا ہے اُس کا بیان -

بنجانتا ہے - انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایسے طور پر تیز چھا کھا کر گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹ - شدت گرمی سے اناج اور ترکاریاں جل جاتیں دریا سے نیل سے مولشی کی پرورش میں ہی جو مصر کی دولت کا دوسرا ذریعہ ہے کچھ کم مدد نہیں ہوتی - مصر دے اپنے مولشی کو نو مہر کے مہینے میں چرنے کو باہر نکال دیتے ہیں اور مارچ تک چراتے ہیں - لفظوں میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اُن چراگا ہوں کی زرخیزی کا بیان اُن میں ادا ہو سکے - مولشیوں کے ریوڑ کے ریوڑ جو بسبب معتدل اور خوش آئند ہوا کے دن رات باہر رہتے ہیں تھوڑی ہی مدت میں بہت تازہ اور فربہ ہو جاتے ہیں جن دنوں میں انکیل نیل کی طغیانی ہوتی ہے اُن دنوں میں مولشی کو کٹمی اور گماس اور جوار مگر ماکر پرورش کرتے ہیں -

مصر کا نیل لی بروکن صاحب اپنی سیاحی کے حال میں لکھتے ہیں کہ مصر کے ملک پر خدا کی بہت بڑی عنایت ہے کہ ایک معین موسم میں اچھی سیاحی اس قدر مہینہ برستا ہے کہ مصر کو بانی دیکر ہنال کر دیتا ہے جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی - اور اس اپنی عنایت سے ایسی خشک اور تیلی زمین کو دنیا کا ایک عمدہ زرخیز ملک بنا دیتا ہے - ایک اور بات یہی نہایت عمدہ ہے جس کو یہاں کے رہنے والے بیان کرتے ہیں کہ جون میں اور اس کے اگلے چار مہینے میں شمالی اور مشرقی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دریا سے نیل کا بانی رکا رہے اور جلدی سے بکر سمند میں نہ چلا جائے اگلے نو گون نے بھی اس قدر ترقی حکمت کے نکتہ کو بہت غور سے خیال کیا تھا



ہے کہ جس سے زمین کا ایک وسیع حصہ جزیرہ نما کی صورت بن گیا ہے اور پھر بہت اونچی اونچی چٹانوں پر سے اتر کر ایک بڑی جھیل میں جو مملکت ڈیمبیا میں اسکے منبع سے صرف چار باغ منزل اور گوندار دار الحکومت اٹھیوپیا سے تین ہلکی منزلوں کے فاصلہ پر ہے جا گرتا ہے۔ اور اس جھیل کو طے کر کے مع اُن تمام پانیوں کے جو اس جھیل میں کرتے ہیں آگے کو بڑھتا ہے اور مالک فنجی یعنی بربرستان جو شاہ اٹھیوپیا کے باج گزار ہیں اُن کے خاص شہر شیاریں سے گزرتا ہوا آبشاروں کی صورت میں ہو کر ملک مصر کے میدانوں میں آ نکلتا ہے۔

اٹھیوپیا کے سفیروں کے قول جب یہ سفیر وریاے نیل کا منبع اور اسکی کیفیت کے موافق نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہونا چاہیئے۔ بیان کر چکے تو میں نے اُس ملک کا موقع دریافت کرنا چاہا جہاں اس دریا کا یہ منبع ہے پس میں

پوچھا کہ ڈیمبیا باب المندب سے کس طرف کو اور افریقہ کے کون سے حصہ میں واقع ہے۔ لیکن انہوں نے مجھرا کے اور کچھ جواب نہ دیا کہ وہ مغرب کی طرف ہے۔ مجھ کو یہ تقریر سنکر حیرت ہوئی خصوصاً ایک مسلمان سفیر سے جسکو کسی عیسائی کی نسبت مقامات کی نسبتی حالتوں سے زیادہ واقف ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اپنی بیچگانہ نماز پڑھتے وقت شہر مکہ کی طرف رخ کریں۔ مگر ہر حال اُس مسلمان سفیر نے یہ امر با صریح بیان کیا

وٹے م بی آ Dembea گوندار Gondar وٹے فنجی Fungi

بربرستان Berberis بی نی آز Senaar

میان کیا کہ ڈیمبیا باب المندب کے مغرب میں ہے۔ پس ان سفیروں کے قول کے بموجب دریا بے نیل کا منبع خط استوا کے شمال میں ہے۔ نذکہ جنوب میں جہان بطلیموس نے قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نقشوں میں جنوب ہی میں درج ہے۔

ابن بطلمیوس - اس شخص کا نام انگریزی مورخ کلاؤڈیس ٹولیمی اور مسلمان مصنف بطلیموس ابن قلوڈیس کہتے ہیں یہ اصل میں یونانی تھا اور اسکندریہ میں آباد تھا۔ لکھا ہے کہ جب اس نے ذرا ہوش سنبھالا تو مشہور حکیم جالینوس کی شاگردی اختیار کی اور جب علوم حکمیہ میں اچھی دستگاہ ہو گئی تو ریاضیات کی طرف اسکو زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ جب یہ آذربائیجان کے عہد میں جو آریان قیصر روم کی طرف سے ملک مصر کا حاکم تھا اور جو اسکو بہت عزیز رکھتا تھا اپنے وطن سے اسکندریہ میں آیا تو رات دن ریاضیات ہی کا اسکو مشغول تھا۔ یہاں اس نے ستاروں اور اخلاک کی گردش وغیرہ دریافت کرنے کے لئے رصد خانہ بنایا۔ اور متقدمین علماء اہل ہنریت خصوصاً ہیپارکس (دبیرس) کے سیاروں اور ثابت کی فہرستوں کی تصحیح کی اور ایسی جدیدیں بنائیں جسے سچ چاند وغیرہ کی گردش کا حساب لگ سکتا ہے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اصطلاحات وغیرہ آلات سدی ایجاد کئے اور اگرچہ بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ ہیپارکس ان کا موجد ہے لیکن اعمال ریاضی اور آلات رصد جو بالفعل معمول ہیں ان کی تصحیح اور توضیح تو فی الواقع اسی نے کی تھی چنانچہ اس نے اپنی مشہور کتاب مجسطی کے تیسرے مقالہ کی آٹھویں نوع میں خود لکھا ہے! اس کتاب کی برابر اس فن میں آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ نامور مسلمان علماء ہیئت فضل بن یحییٰ تبریزی و محمد بن جابر و ابو ریحان خوارزمی جنہوں نے اس کتاب پر حاشیے اور شرحیں لکھی ہیں جس قدر انہوں نے اس کتاب کے مسائل کی تحقیق و تدقیق کی اس قدر بطلیموس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ اس کتاب کے تیرہ مقالوں کا ترجمہ اول چند یونانی علماء نے خلیفہ ہارون رشید عباسی کے وزیر یحییٰ بن خالد برکی کے حکم سے جو سن ایک سو ستر تک یہ ہجری مطابق سن سات سو چھیالیس تک پایا جاتا ہے۔

پتلمی کا نام Ptolemy کائنات ڈی اس ٹول سے م Claudius (ادری ان دس) (ادری ان Adria) (دہ پٹارک Nipparehun) (دم ش طانی)

اتھوپیا کی بارش کی نسبت ان سفیروں نے اپنے ان صاحبوں سے یہ بھی دریافت
کے جواب اور نیل کی طغیانی سے اسکو تعلق کا ذکر کیا کہ اتھوپیا میں بارش کب ہوتی ہے
اور یہ کہ ہندوستان کی طرح مقررہ موسم میں ہوتی ہے یا اور طرح انہوں نے
جواب دیا کہ بحر احمر کے ساحل پر سواکن اور آرکیگٹو اور جزیرہ موصوع سے لیکر
باب المندب تک اس سے زیادہ بارش نہیں ہوتی جیسی کہ مخامیس ہوتی ہے
جو اس سمندر کے دوسرے کنارے پر ملک یمن میں ہے مگر اس ملک کے اندر کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲ - عیسوی سے سن ایک سو تاسی چھی سٹاپن سن اٹھ سو دو عیسوی
تک وزیر ہاٹھایونانی سے عربی زبان میں کیا تھا لیکن وہ اسکو پسند نہ آیا اور اس نے ابو حنیفہ اور ایک
اور عالم کو اسکے دوبارہ ترجمہ کرنے کا حکم دیا جنہوں نے نہایت عمدگی سے اس کلم کو انجام دیا اور حجاج
بن مطر ثابت بن قرہ اور اسحاق نے اسکے الفاظ کی اصلاح کی اور قریب سن بارہ سو تیس کے
بھی عربی ترجمہ سے یہ کتاب زبان کیٹن میں ترجمہ ہوئی۔ بطلمیوس نے اس فن میں ایک اور
رسالہ بھی اپنے شاگرد سورس کے واسطے لکھا تھا جسکا ترجمہ ابراہیم بن صلحت نے عربی میں کیا اور
حنین بن اسحاق نے اسکی اصلاح کی۔ عرض بطلمیوس متقدمین ہیئت دانوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا
جو اس علم کو مکمل کر کے ہمارے لئے چھوڑ گیا۔ اسکے نظام مقررہ کو نظام بطلمیوسی کہتے ہیں جسکا بڑا
اصول یہ ہے کہ زمین مرکز عالم ہے اور تمام ستارے اور فلک اسکے گرد حرکت کرتے ہیں بخلاف
نظام مسلمہ حال کے جو نظام فیثاغورسی کہلاتا ہے جس میں آفتاب کو مرکز عالم قرار دیا گیا ہے اور بطلمیوس
مارینس باشندہ شہر مار کے اصولوں کی بنیاد پر فن جغرافیہ میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جسکا کندی
نے عربی میں ترجمہ کیا اور لیسنر ہیں ہی اسکا ترجمہ ہوا۔ جواب موجود ہے طول شرقی اور خط شمالی اسی
نے قائم کئے اگرچہ اسکا یہ کام مکمل نہیں سمجھا جاتا مگر تاہم نئے جغرافیہ دانوں کے لئے بڑا مفید
اور متن میں بطلمیوس کی اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ علم حقیقی کا بھی بڑا ماہر تھا اور اسکی ایک نہایت
عمدہ کتاب تین جلدوں میں اس فن پر بھی موجود ہے۔ اسکی وفات اٹھتہ برس کی عمر میں سن دو سو نو
عیسوی میں واقع ہوئی۔ (ماخوذ از نسخ التواریخ فیہا فیہا یار برطانیہ کا) س م ح

(۱) آرکٹک ٹی کے Arctiko (۲) آب دہ تھی ان (۳) ح م ن (۴) م اری ن سن
Marinus.
(۵) ٹ اے ز Tyre (۶) ک ن دی۔

طرف مملکت ڈیمبیا کے صوبہ اگوس میں اور آس پاس کے صوبوں میں گرمی کے اُن دو مہینوں میں بہت بارش ہوتی ہے جنہیں کہ ہندوستان میں بھی ہوتی ہے اور میرے قیاس کے بموجب یہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ مصر میں دریاے نیل طغیانی پر آتا ہے۔ اُن سفیروں نے کہا کہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ دریاے نیل کی طغیانی اور اس سے ملک مصر کی سیرابی کا باعث اٹھیبویا کی بارشیں ہیں۔ اور ملک مصر کی زرخیزی کا باعث وہ چکنی مٹی ہے جس کو دریاے نیل بھا کر بیان لاڈالتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں حالات کی وجہ سے شاہان اٹھیبویا کو ملک مصر سے خراج لینے کا استحقاق حاصل تھا اور جب اُس ملک پر مسلمان مسلط ہو گئے اور وہاں کی عیسائی رعایا ظلم رسیدہ اور ذلیل ہو گئی تو شاہ اٹھیبویا نے چاہا تھا کہ دریا کا رخ بحر احمر کی طرف پھیر دیا جائے اور یہ ایسی تدبیر تھی کہ مصر کی زرخیزی بالکل مفقود ہو کر یہ ملک برباد ہو جاتا۔ لیکن یہ منصوبہ اگرچہ غیر ممکن نہ تھا مگر ایسا عظیم الشان تھا کہ مطلق عمل میں نہ آیا! ان تمام باتوں سے میں بمقام نچا پہلے ہی واقف ہو چکا تھا۔ کیونکہ گوڈار کے رہنے والے دنل بارہ سوداگروں سے (جو بادشاہ اٹھیبویا کی طرف سے ہر سال اس شہر میں اس غرض سے آتے تھے کہ ہندوستان کے اے ہوئے جہازوں کے ساتھ لین دیں کرین) ہم کو طرح کی گفتگوؤں کا موقع ملا تھا۔ اور جو معلوم ہوتا تھا کہ ان سے حاصل ہوئے تھے اگرچہ وہ بہت مفید ہیں۔ کیونکہ اُن سے بھی دریاے نیل کی طغیانی کا باعث صرف وہ بارشیں ہی ثابت ہوتی ہیں جو قریب اُس کے منبع کے اور ملک مصر سے کچھ فاصلہ پر ہوتی ہیں۔ لیکن تاہم میں اپنے

ذاتی مشاہدوں کو جو اس دریا کی طغیانی کے وقت بچکود و مختلف اوقات میں ہوئے تھے زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور ان سے آپ کو ظاہر ہو جائیگا کہ مصر کے عوام الناس کی جو رائے اس بارہ میں ہیں وہ غلط ہیں بلکہ ثابت ہو جائیگا کہ وہ محض بے معنی قصے کہانیاں اور ایسے لوگوں کی گھڑتیں ہیں جو توہمات میں اسوجھ سے پہنسے ہوئے ہیں کہ ایسے موسم میں یعنی جب گرمی شدت سے ہوتی ہے ایسے ملک میں کہ جہاں بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں دریا کی طغیانی کو دیکر سخت متحیر ہو جاتے ہیں۔

نیل کی طغیانی کے متعلق عوام	چنانچہ منجملہ ان توہمات اور تخیلات کے میری مراد
مصر کے بعض تخیلات اور ادوار	اس جگہ یہ تخصیص ان کے مفصلہ ذیل غلط خیالات
کاؤڈر اور ان کا ابطال -	سے ہے یعنی ایک تو وہاں کے لوگوں کا یہ اعتقاد

ہے کہ دریا نیل کی طغیانی شروع ہونیکا ایک خاص دن مقرر ہے! دوسرے یہ کہ ایک خاص قسم کی شبنم جب کوٹ لگتے ہیں۔ طغیانی کے اول ہی دن پڑنی شروع ہوتی ہے اور اسکے شروع ہوتے ہی دبا و طاعون فوراً جاتی رہتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب کوٹ لگنے لگ جاتی ہے تو پھر اس مرض میں اگر کوئی شخص مبتلا ہی ہو تو ہلاک نہیں ہوتا! چوتھے یہ کہ اس دریا کی طغیانی کے اسباب ایسے مخفی اور خاص طور کے ہیں کہ جو کسی کو معلوم نہیں ہیں! مگر میرے مشاہدات کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے بخوبی منکشف ہو گیا کہ یہ شہور دریا بھی مثل اور دریاؤں کے صرف بارشوں کی کثرت سے طغیانی پر آتا ہے نہ یہ کہ اسکی طغیانی اس سبب سے وقوع میں آتی

ہے کہ مصر کی زمین اپنی شوریّت کی وجہ سے جوش کھا کر اسکی طغیانی کا باعث ہو جاتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ طغیانی کے اُس متخیلہ دن سے قریب ایک مہینہ پہلے ہی یہ دریا ایک فرانسیسی فٹ سے زیادہ چڑھا ہوا اور ہٹائیٹ گدے پن کی حالت میں بہ رہا تھا۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہ دریا طغیانی پر آتا ہے تو قبل اسکے کہ اسکی نہروں کے دہانے کھولے جاویں یہ پہلے تو چند روز تک ایک یا دو فٹ چڑھتا ہے۔ اور بعد ازاں بتدریج اترنا شروع ہوتا ہے اور پھر چڑھنے لگتا ہے اور ٹھیک اُسی اندازہ سے چڑھتا یا اترتا ہے جبکہ اسکے منبع کے قریب بارش کی قلت یا کثرت ہوتی ہے اور اسکی یہ حالت بعینہ ہمارے دریائے گواگر کی سی ہے جبکہ چڑھاؤ اور اتار اسی نسبت سے ہوتا ہے جس قدر کہ بارشیں اُن پہاڑوں پر ہوتی ہیں جہاں سے یہ نکلتا ہے۔

طغیانی کے متخیلہ دن اور شبنم کے پڑنے میں کچھ تعلق نہیں ہے۔ اُس دن سے قریب ایک مہینہ پہلے جبکہ گوٹ کا گزنا بیان کیا جاتا ہے ایک مرتبہ بیت المقدس سے واپس آتے ہوئے میں ڈیٹا (یعنی دمیاط) سے شہر قاہرہ تک اس دریا کی بالائی بجانب کو آیا تھا اور صبح کو ہمارے کپڑے شبنم کی وجہ سے جو رات بھر ٹہری تھی تر ہو گئے تھے۔

شبنم کے گرنے اور دباے طاعونین جو تعلق خیال کیا جاتا ہے اسکا ابطال (یعنی ریشید) مجھے اپنے وائس کانسل (الغنی) نے

نائب دکیل (مانشیور دی برمن صاحب کے ساتھ شب کو کھانا کمانے کا اتفاق ہوا تھا اور جماعت حاضرین طعام میں سے تین شخص اُسی رات کو طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ جن میں سے دو نوٹھویں دن مر گئے اور تیسرا مرض بھی جو اتفاق سے خود وی برمن صاحب ہی تھے شاید اس بیماری سے جاں بر نہ ہوتا اگر میں حیرات کر کے یعنی اُس شب تک متخیلہ تاثیر کے بھروسہ پر نہ کہہ کر اُن کا پھوڑا نہ پھیر ڈالتا اور دو اتھویں نہ کرتا۔

خود مصنف کے مرض طاعون اس موقع پر خود مجھ کو بھی یہ مستعدی بیماری لگ گئی میں مبتلا ہونے کا ذکر۔

بھی اور اگر میں فوراً پٹر آف اینٹی مینی یعنی سرمہ کا جو ہر استعمال نہ کرتا تو میں بھی مرجاتا۔ اور یہ بات ثابت ہو جاتی تھی کہ گوٹ کے گر جانے کے بعد بھی آدمی وبا سے مرجاتے ہیں! اس قے لانے کی دوا نے جو مینے بیماری کے آغاز ہی میں پی لی تھی عجیب اثر کیا اور میں تین چار دن سے زیادہ بیمار نہ رہا۔ ایک میرا بندوی لڑکھو جو اس بیماری میں میری خدمت کرتا تھا میری ڈھانٹس بند ہانے کی خاطر وہ یخنی جو میرے سینے سے بچ جاتی تھی بے تامل پی جاتا تھا۔ اور چونکہ وہ ایک متوکل شخص تھا طاعون سے ڈرنے والوں کے خیال پر ہنستا تھا۔

شبنم کے شروع ہونیکے بعد طاعون میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ گوٹ کے میں کمی ہونے کا طبی سبب۔ اگر نے کے بعد اس بیماری میں عموماً ہلاکت کا کم خوف ہوتا ہے لیکن میری غرض یہ ہے کہ اس خوف کے کم ہونے کو گوٹ سے

منسوب کرنا چاہیے کیونکہ کبیری رائے میں بیماری کم ہو جائیگا سبب گرمی کی وہ شدت ہے جو ان دنوں میں بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہو جاتی ہے جس سے مسامات کھل کر وہ سب مضر اور وبائی ربط و تین جو جسم میں بند تھیں خارج ہو جاتی ہیں۔

ملاحوں معروف رہتے کے

علاوہ دہریں مینے بہت احتیاط سے اکثر ملاحوں سے قول کے موافق بھی بارش بھی جنکو دو ریزہ کہتے ہیں اور جو دریا سے نیل پر

ہی نیل کی طغیانی کا سبب ہے

مصر کے میدانوں کی حد اخیر یعنی چٹانوں اور آبشاروں

تک سفر کر آئے تھے دریافت کیا تو انہوں نے بھی مجھے یہی بتایا

کہ جب یہ دریا مصر کے میدانوں اور اُس زمیں جو شور اور پُر جوش ہیاں کی جاتی

ہے طغیانی پر آتا ہے تو آبشاروں اور پہاڑوں میں بھی بہت چڑھتا ہے

اور ان آبشاروں کو عجیب طور سے طغیانی پلاتا ہے حالانکہ اُن پہاڑوں

کی زمین ظاہر آشور نہیں ہے۔

سینار کے جغیرہ کے بیان سے میں نے ہوشیاری کے ساتھ سینار کے جغیرہوں

ہی اسی کی تائید ہوتی ہے

ہیں اور جنکا ملک دریائے نیل کے کنارے پر اُن کو ہستانی قطعات

میں واقع ہے جو مصر کے جنوب کی طرف ہیں اور شاہ اٹھو پیا کا باج گزار ہے

تحقیق کیا تو انہوں نے بھی متفق اللفظ یہی بیان کیا کہ جب وقت دریائے نیل

مصر کے میدانوں میں چڑھتا ہے تو یہ ہمارے ملک میں بھی چڑھتا اور زور پر آتا

ہے۔ اور اسکا باعث وہ بارشیں ہیں کہ جو نہ صرف ہمارے پہاڑوں میں ہوتی

(۱) اس فطرت جو اخیر یعنی ریح کی علامت ہے۔ س م ح (برسے ز Rays

(۲) برسی ن آد Sennaar.

ہیں بلکہ ہمارے ملک آپ کی طرف اٹھیں پیا میں بھی ہوتی ہیں۔

ہندوستان کے دریا گنگا وغیرہ ہیں ہندوستان کی موسمی بارشوں اور دریا سے بارش ہی سے طغیانی پڑتے ہیں۔ نیل کے متصر میں ایک ہی وقت میں طغیانی

پڑانے سے جو خیالات میرے دل میں گزرے اُن سے یہ مضموں بہت صاف ہو جاتا ہے۔ اور آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دریا سے سندھ اور گنگا اور اس ملک کے اور دریا گویا دریا سے نیل اور ان کے اس پاس کی زمینیں گویا مصر کی زمینیں ہیں۔

دریا سے نیل اور گنگا اور متصر یہ خیالات میرے دل میں اس وقت گزرے

اور ہنگال میں جو مشابہت ہے تھے جبکہ میں بنگالے میں تھا اور مندرجہ ذیل اس کا ذکر۔ عبارت وہ عبارت ہے جو میں نے اُس وقت

اس بحث کے متعلق لکھی تھی ”خلیج بنگالہ میں دریا سے گنگا کے دہانے پر وہ متعدد جزیرے جو زمانہ پاکر آپس میں مل گئے۔ اور آخر کار براعظم سے شامل

ہو گئے ہیں مجھ کو دریا سے نیل کے دہانوں کی یاد دلاتے ہیں۔ جب میں متصر میں تھا تو صنایع قدرت کو دیکھ کر مجھے خیال آتا تھا کہ اسطو کا یہ قول ”کہ

ملک مصر دریا سے نیل کی صنعت ہے“ بنگالے پر بھی صادق آتا ہے جو دریا سے گنگا کا بنایا ہوا ہے! ان دونوں دریاؤں میں صرف اتنا فرق ہو

کہ دریا سے گنگا نیل کی نسبت بہت بڑا ہے اور اسی وجہ سے نیل سے زیادہ مٹی اپنے ساتھ سمندر میں بہا لیتا ہے جس کے سبب اسکے جزیرے

نیل کے جزیروں کی نسبت بڑے ہیں۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ دریا سے نیل

کے جزیرے درختوں سے خالی ہیں بخلاف گنگا کے جزیروں کے جو سبب ان چار مہینوں کی متواتر اور کثیر بارشوں کے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہیں درختوں سے لہے ہوئے ہیں۔

مصر میں جو نہریں آبپاشی کی خاطر نیل سے کاٹی جاتی ہیں بنگالے میں موسمی بارشوں کی بدولت ان کی حاجت نہیں ہے اگرچہ وہ ہی بآسانی تیار ہو سکتی ہیں کیونکہ دریا گنگا اور اُردو دریا گرمی کے موسم میں ان بارشوں کے سبب سے اس موسم میں ہمیشہ ہوتی ہیں اُسی طرح چڑھتے ہیں جس طرح نیل چڑھتا ہے! دونوں ملکوں میں یہ تفاوت ہے کہ مصر میں سمندر کے کنارے کے سوا جہاں کبھی کبھی خفیف سی بارش ہو جاتی ہے خواہ کوئی موسم ہو بارش کو کوئی جانتا بھی نہیں اور صرف اچھو پیا میں دریا کے نیل کے منبع کے قریب بارش ہوتی ہے بخلاف ہندوستان کے جہاں بارش ان ملکوں میں ہمیشہ مقررہ موسم میں ہوتی ہے جنہیں دریا بتتے ہیں۔

ملک سندھ اور مصر کی مگر معلوم رہے کہ یہ حالت عموماً نہیں ہے۔ چنانچہ مشابہت کا ذکر۔ دریا سندھ کے دہانے پر ملک سندھ میں جو خلیج

فارس کی طرف واقع ہے برسوں ایک بوند ہی نہیں پڑتی خواہ اس دریا میں کیسی ہی طغیانی کیوں نہ ہو اور یہ ملک اسوقت مصر کی طرح صرف نہروں سے سیراب کیا جاتا ہے۔

تھیوہیٹ صاحب نے جو یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ جو تجربے اور شاہدے جمع ہو جو قریب لزم اور سوز اور طور اہ کو سینا اور جلدہ میں جو مکہ سے آدھے

دن کے راستہ پر پاک مانا ہوا ایک مقام ہے اور جزیرہ کامیرن^(۱) اور
لوہیا میں ہوئے ہیں اُن کا مفصل حال آپ کے پاس لکھ بھیجوں
اس لئے میرا ارادہ ہے کہ جب مجھے اپنی قلمی یادداشتوں کے کھولنے
کی فرصت ملے اُن کی تمنا کو پورا کروں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو واقفیت
مجھ کو بمقام نخل ملک اٹھو پیا اور وہاں جانے کے لئے عمدہ راستہ کی
نسبت حاصل ہوئی ہے اسکو بھی لکھوں۔



مصنف کا خط بنام مسٹر جلیپ لین مورخہ دسویں
جون سن سولہ سواڑسٹھ عیسوی بمقام شیراز واقع ایران

ہندوؤں کے عقائد اور توہمات اور بعض انوکھی

رسموں اور مذہب وغیرہ کے بیان میں



سوچ گمن

صاحب من! سوچ گمن کے دو واقعے میں

ایسے دیکھے ہیں کہ جنکو میں کبھی نہیں بھولوں گا

سوچ گمن کے ایک موقع پر فرانس

میں لوگوں کے توہمات کا بیان

۱۔ کسی مصنف کی کوئی ایسی رائے ہو کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی خیالات کے مخالف ہو اس قوم
یا فرقہ کے لوگوں کو اکثر ناگوار ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً جبکہ الفاظ بھی کسی قدر سخت ہوں۔ پس اس
کتاب کی اس فصل کے ترجمہ کرنے میں اگرچہ مروج کی رائے پر ہمارا اختیار نہ تھا کہ اسکو بلیڈ یا جانگوان

M. J. Chanclon (2) Lohia

۱۱ Camaran

پنج سے پل سے ن

لہوئی

مک ام سے دن

اپنے ہی ملک میں سن سولہ سوچون عیسوی میں دیکھا تھا اور دوسرا سن سولہ سوچھیا سٹھ عیسوی میں بمقام وہلی! پہلا گن مجھے اس سبب سے یاد ہے کہ اُس سے اہل فرانس کی طفلانہ زود اعتقادی اور اُن کے بے بنیاد خوف و ہراس کے عجیب عجیب تماشے دیکھنے میں آئے تھے۔ چنانچہ اُن کے یہ بے وقوفانہ وسواس اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بعض لوگوں نے تو ٹوٹنے ٹوٹنے کر کے بیچ جانے کے لئے قسم قسم کی جڑی بوٹی اور دوائیں مول لیں اور بعض نے محفوظ مکانوں اور تہ خانوں میں نہایت احتیاط سے اپنے تئیں بند کر لیا تاکہ اُس منحوس قوت کے آفتاب کی شعاع اُن تک نہ پہنچے اور نہ اردن آدمی گرجاؤں میں دے مانگنے لگے! بعض یہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی ناگہانی آفت آنے والی ہے اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قیامت کا دھڑلہ یہی ہے اور یہ جہان آج ہی ملیا میٹ ہو جائیگا اور اگرچہ گے سینٹیڑی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱۔ مگر اب بلا اندیشہ فوت مطلب جس جگہ ترجمہ میں کوئی لایم لفظ اختیار کیا جاسکتا تھا۔ پیاس خاطر اپنے محو طوفان کے دوران ایسا کیا گیا ہے بلکہ بعض لفظ جو بڑی دیتے گئے ہیں اسید کہ ناظرین وقت پسند ہماری اس فروگزاشت کو معاف فرمائیں گے۔ السید محمد حسین

۱۵ گے سین ڈی ملک فرانس کے نامی حکما میں گنا جاتا ہے۔ یہ سن پندرہ سو پانچوے عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچیس میں مرا۔ یہ ابتداء عمر ہی سے علوم ریاضی کی طرف مائل رہا چنانچہ سولہ برس کے سن میں تحصیل علم سے فارغ ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں بمقام امی علم الادیان اور فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اسی زمانہ میں اسے ارسطو کی ترویج میں ایک کتاب لکھ کر پیش کی جس کے باعث یہ تمام فرنگستان میں مشہور ہو گیا سن سولہ سو اٹھائیس عیسوی میں یہ جب ملک ہالینڈ سے اپنے ملک میں واپس آیا تو علم ہیئت کی طرف زیادہ متوجہ ہوا اور سن سولہ سو اکیس میں عطار دے آفتاب کے سلسلہ سے گزرنے کی خبر دی جبکہ انگریزی میں سیرین زٹ اور عرب میں سیرت دان لوگوں کی اصطلاح میں قرآن یا مردور کہتے ہیں (ماخوذ از کتاب دروضۃ الحکماء) س م ح دٹا رٹے ن زٹ

اور رابڑوں وغیرہ اہل سہیت اور حکما اور فرنگستان نے پہلے ہی خوب تکرار سے لکھ دیا تھا کہ اس گن میں اگرچہ دھوپ بالکل نہ رہیگی مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اور جس طرح ہمیشہ ہوتے رہے ہیں یہ بھی بالکل بیخطر ہے بخومیوں اور مالوں کے سے یہود تو بہات نکر نے چاہئیں مگر اسپر ہی ہمارے ہموطنوں کو ایسے ایسے دسواس اور توہمات تھے۔

دہلی میں ایک سورج گن جو گن بمقام دہلی سن سولہ سو چھیاسٹھ عیسوی کے دیکھنے کا ذکر۔ میں ہوا وہ ہندوؤں کے توہمات اور عجیب و

غریب حرکات کی وجہ سے مجھے یاد رہیگا۔ جب گن کا وقت آیا تو میں اپنی جوبلی کی چھت پر جو جمنائے کنارے تھی اور جہاں سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے تھے جن میں تخمیناً ایک ”لیگ“ یعنی تین میل کا فاصلہ رہا تھا اور ہزاروں لاکھ ہندو مکر پانی میں سورج کی طرف ٹٹکی باندھ کھڑے دیکھ رہے تھے تاکہ گن کے شروع ہوتے ہی غوطہ لگائیں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اور لڑکے بالکل ننگے تھے۔ مرد صرف دھوتیاں باندھے ہوئے تھے۔ بیاہی ہوئی عورتیں اور چھپہ چھپہ سات سات برس کی لڑکیاں صرف ایک چادر یا ساڑھی اٹھ رہے ہوئے تھیں۔ ذی مقدور شخصوں اور

۱۵ رابڑوں ایک فرانسیسی عالم تھا اور ریاضیات اور خصوص ہندسہ میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا مگر علما اور حکما کے طریق کے برخلاف بغل اور خود غرضی سے ان مسائل کو جو اس نے اپنے خود طبیعت سے نکالے تھے اور لوگوں کو کم بتاتا تھا (ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

(س۔ م۔ ج)

Roberial

رابڑوں

مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں یا دوست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے۔ مگر ماں اتنی بات بیشک ہے کہ تھانیسر کے مہلہ سے پہلے چند برہمن اپنی قوم (ہندوؤں) کی طرف سے بطور وکیل حاضر ہو کر ایک لاکھ روپیہ پیشکش کر کے پوجا وغیرہ کی اجازت حاصل کرتے ہیں اور اس کے عوض کچھ خلعت اور ایک کم قیمت ضعیف ہاتھی لکھو عطا ہوتا ہے

گن کے موقع پر پوجا پٹھار اب میں اس گن کی پوجا کی وجہ اور منشا اور یہ کہ یہ بن دان کرنے کی وجہ - رسمیں کیوں جاری ہیں بیان کرتا ہوں ہندو

کہتے ہیں کہ ہمارے چار وید یعنی (کتب آسمانی) پوچھو اے حکمران ہا کی وساطت سے دیئے ہیں یہ بتلاتے ہیں کہ ایک دیوتا جس نے راجپس کا اوتار لیا ہے اور جو نہایت مفسد اور شریر اور نہایت کالا کھوتا اور ازبیں نجس اور میل کچیل ہے سورج کو پکڑ کر شدت میلاد اور کالا بنا دیتا ہے۔ سورج ہی اگرچہ ایک دیوتا ہے مگر چونکہ نہایت رحم دل اور نیک ہے اسے اس شریر کا لی بلا۔

۵۔ ہندو راجہ اور بڑے بڑے امیر سورج گن کے موقع پر اکثر ہاتھی کا دان ایک قسم کے برہمنوں کو جو معمولی برہمنوں سے ذات میں کم سمجھے جاتے ہیں اور جنکو ہمارے ملک این روئے ستیج میں ڈکوت یا ہمارے برہمن یا گجراتی یا اچانک کہتے ہیں دیا کرتے ہیں پس غالباً ہے کہ بادشاہ کی طرف سے یہ باقی اور پرشاک برہمنوں کو بطور دان دیا جاتا ہوگا۔ اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہے کیونکہ سلطان مغلیہ نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے انکی بعض رسمیں اختیار کر لی تھیں جو اگر کے عہد سے لیکر اس سلسلہ کے اختتام تک سب بادشاہ لکھو بجاتے تھے مثلاً دل وانی یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے جب بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کہہ سنے اور چاندی کے ساتھ تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا اور چاندی مستحقین کو بطور خیرات دیا جاتا تھا اور اس موقع پر ایک بڑا جشن کیا جاتا تھا۔ س۔ م۔ ح۔

کے پنجہ میں پھنک کر سخت تکلیف اور ایذا پاتا ہے۔ پس ہر ایک شخص کو یہ لازم اور واجب ہے کہ سورج جھگوان کو اس حالت سے نجات اور رہائی دینے میں کوشش کرے اور اسکی منہ سے یہی سبیل ہے کہ اشنان اور پو جا پاٹھ اور پن دان کیا جائے۔ کیونکہ یہ دھرم کرم گن کی حالت میں نہایت ہی مہاتم اور گن رکھتے ہیں اور جو پن دان اُس وقت کیا جائے وہ بہ نسبت معمولی پن دان کے سوگنا پھلتا ہے۔ پس ہندو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھلا کون ایسا شخص ہوگا کہ جس کام میں سوگنا فائدہ ہو سکو نہ کرے! صاحب من۔ یہی وہ دونوں سورج گن ہیں کہ جنکی نسبت میں نے آپے کھا ہے کہ انکو ہرگز نہ بھولوں گا۔

جگن ناتھ کی رتھ جاترا کا بیان

سورج گن کی رسموں وغیرہ کے ذکر سے مجھکو طبعاً اور خواہی نحوہی یہ تحریک ہوتی ہے کہ کچھ اور حال بھی ان لوگوں کی بعض حشیانہ طور کی رسموں کا آپ کو سناؤں جنکو آپ کی رائے میں جیسا مناسب معلوم ہو نتیجہ نکال لیں۔

رتھ جاترا کے موقع پر جاتری خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ نامی ایک شہر ہے اور نہایت کثرت جمع ہوتے ہیں وہاں ایک مشہور مندر ہے جس میں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے۔ اور اگرمیری یا دیں غلطی نہ وہاں ہر سال ایک میلہ ہوتا ہے جو آٹھ نو روز تک رہتا ہے اور اس موقع پر

لوگوں کا بڑا اجماعی مجمع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگلے زمانہ میں یمن کے مند پر ہوتا تھا یا ہمارے وقت میں مکہ میں ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ قریب دو لاکھ کے جاتری جمع ہو جاتے ہیں۔

جنگل ناٹھ کے رتھ اور لکڑی کا ایک نہایت عجیب و غریب رتھ بنا ہوا ہے (مورت کا بیان۔) جب کا نقشہ ہندوستان کے بعض مقامات میں مینے دیکھا بھی ہے) جس پر شیار مورتیں بنی ہوئی ہیں جنہیں سے کیکے تو ان

۱۵۸ یمن انگریزی میں ٹراک ایک دوسرا نام ہے جو قدیم بت پرست یونانیوں اور رومیوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا یہ مند جب کا ذکر متن میں ہے لیبیا کے دار فریقہ کا ایک قدیم نام ہے) اُس ضلع میں تھا جب کا ہمارے زمانہ میں شہر بقرہ دار الحکومت ہے۔ جہاں یہ مند رہتا ہوا تھا اُس سے کسی قدر فاصلہ پر اب صیوۃ نامی ایک گائوں آباد ہے جو بقرہ اور قاہرہ کے مابین قاہرہ سے مغرب کی طرف تین سو بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ رومیوں کی سلطنت کے زمانہ میں یہ مید و شمارا ہوا ہے اور سونے جاندی سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن ان کی سلطنت کے زوال کے بعد ان لوگوں نے جو وٹنل کے نام سے مشہور تھے اُس کو لوٹ کر بر باد کر دیا جس ضلع میں یہ مند رہتا ہوا تھا اُس کے چاروں طرف کی زمیں بالکل بیابان تھی جس میں نہ گھاس تھی اور نہ پانی۔ مگر اس مندر کے آس پاس کی زمین نہایت سرسبز اور شاداب تھی۔ اور اُس بیابان میں صرف وہی ایک قطع تھا جہاں اُس بڑی تھی مشہور رومی مورخ ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ اس مندر کے نزدیک ایسا چشمہ تھا جب کا پانی صبح کو گرم اور دوپہر سے ذرا پہلے ٹھنڈا اور ٹھیک دوپہر کو نہایت سرد ہوتا تھا جس کی شکل دن کے گھٹنے کے ساتھ گھٹتی جاتی تھی یہاں تک کہ شام ہونے تک گرم ہو کر رفتہ رفتہ آدھی رات کو کھولنے لگتا تھا اس مندر سے سو بانوے عیدوی

(دجوبی ٹریج وپ نی ٹر) (لیبیا۔ لی ٹی پ ٹی ۲) (بقرہ۔ ب ر ق ہ) (صیوۃ میں نی وٹہ) (وٹنل۔ وٹن دل) (ہیروڈوٹس۔ ہی روڈوٹس) Herodotus

جنہوں کی تصویروں کی طرح چوہمارے ملک میں ہوتی ہیں۔ دوسرے میں غنی
 آدھا جسم انسان کا ہے اور آدھا حیوان کا اور کیسے نہایت قریب بند اور
 اور دیکو وغیرہ کا سا ایک سر ہے۔ یہ رتھ بندرہ سولہ پیسوں کا ہے اور پچاس
 ساٹھ آدمیوں کے زور سے چلتا ہے اور اسکے عین وسط میں جگن ناتھ کی
 صورت کو نہایت مکلف اور زرق برق پوشاک پہنا کر رکھتے اور عظم و شان کے
 ساتھ ایک مندر سے دوسرے مندر کو لیجاتے ہیں۔

مورت کے درشن کے وقت لوگ پہلے روز جس وقت اس مورت کے درشن
 کثرت از دھام سے کچل جاتی ہیں۔ کرائے جاتے ہیں اس قدر از دھام ہوتا ہے
 کہ بہت سے جاتری جو کالے کوسوں چل کر نہایت ضعیف اور کمزوری کی
 حالت میں یہاں پہنچتے ہیں لوگوں کے دھکم دھکا سے کچل جاتے ہیں
 اور اُن کے ارد گرد کے لوگ یہ تعریف و توصیف کرتے ہیں کہ بڑے ہی
 خوش نصیب تھے! جو اتنی دور سے ایسی متبرک جگہ آن کر رہے۔ !!!

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸۔ عیسوی میں بروزنی نامی ایک سیاح نے اس مندر کا مقام دریافت
 کیا اور سن سترہ سو اٹھانوے عیسوی میں ہوارنی میں نامی ایک دھرم سیاح نے اس خیمہ
 کو معلوم کیا۔ اور ان کے بعد سن اٹھارہ سو سولہ میں ایک اور سیاح نے جبکا نام بلزدنی تھا
 اس مقام کو دیکھا وہ لکھتا ہے کہ یہ خیمہ کھجوروں کے خوشنما جنگل کے درمیان واقع ہے
 اور چونکہ اُس کے پاس بھر ماسٹر تھا اس لئے اُس نے اسکے پانی کی نسبت قیاساً یہ لکھا
 ہے کہ اس کی گرمی صبح کو داسٹی (دوبہر کو چالینٹی) شام کو داسٹھا (اور ادھی رات کو دستو)
 درجے ہو جاتی ہے (ماخوذ از حجام جہان) انسائیکلو پیڈیا برطانیکا

(بروزنی بُر زون ٹی) (ہوارنی میں ہوارنی ٹی م سے ن) (بلزدنی بُر زون ٹی)

جگن ناتھ کے تھ کے نیچے کچل کر یہ رتھ جسکے ساتھ ایک قیامت کا شور و غوغا مہا باٹر اہم ستم سمجھا جاتا ہے ہوتا ہے جب احتشام کے ساتھ چلتا ہے

تو میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ ایسے نادان خوش عقیدہ ہیں کہ اپنے تئیں اُسکے پیٹوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو انکو بالکل کچل دیتے ہیں اور دیکھنے والے اس امر سے ذرا بھی تعجب اور نفرت نہیں کرتے اور ان کے خیال میں کوئی کرم (عمل) ایسا بہادرانہ اور اس سے زیادہ راحت بخش نہیں ہے۔ اور جان دینے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جگن ناتھ جی اُسکو بچائے اپنے بچے کے سمجھیں اور اگلے جنم میں بہت آرام اور عزت اور عیش کی زندگی بخشیں گے !! برہمن لوگوں کو ان توہمات اور ان بہاری غلطیوں کے ازکاب کی آؤر بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں جسکے وسیلہ سے اُنکو دولت اور برائی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کا اُنکی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ یہ غیب کے جھیدوں سے واقف ہیں اور اس لئے اُنکی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور وہ پُرن دان لیکر مالدار ہو جاتے ہیں۔

ایک کنواڑی لڑکی جگن ناتھ کی برہمنوں کا دھا اور فریب یہاں تک ہے دولسن بنائی جاتی ہے کہ تا وقتیکہ مینے قطعی دلیلوں سے بخوبی تحقیق نہ کر لیا مجھ کو اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ یہ ایک خوبصورت لڑکی کو جگن ناتھ کی شادی کی واسطے انتخاب کرتے ہیں جو بڑم دھوم دھام سے مورت کے ساتھ مندر کو جاتی اور تمام رات وہاں رہتی ہے اور یہ برہمن

اسکو یہ دم دیتے ہیں کہ خود جگن ناتھ جی رات کو تیرے ساتھ اگر رہیں گے اور تو دیتا ہے پوچھو کہ انکی دفعہ سال کیسا ہوگا اور آپ کی اس کرپا کے عوض کس قسم کی پوجا اور چڑھاوا اور رتھ کی روانگی کا جالوس آپ کو پسند ہوگا اور رات کی وقت ایک شہوت پرست برہمن ایک چھوٹی ٹیسی جو رکھڑکی کی راہ راہ سے مندر میں پہنچ جاتا اور اُس بیچاری کنواری لڑکی سے جو اسکو جگن ناتھ سمجھے ہوتی ہے ہم بستر ہوتا ہے اور جس بات کی برہمنوں کو ضرورت ہو اسکو یقین کرا جاتا ہے۔ اور جب صبح کو ایسی ہی دھوم دھام سے اسکو دوسرے مندر میں لیجاتے ہیں تو برہمن اُس سے کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے دیوتا کی زبان سے سنا ہے وہ علامتیں لوگوں کو سنا دو۔

کسبیاں جگن ناتھ کی مورت کے سامنے اب ہم ایک اڈر بیوقوفی کا ذکر کرتے ہیں ناچتی ہوئی بہت بیجائی کی حرکتیں کرتی ہیں یعنی جگن ناتھ کے ہتھ کے سامنے بلکہ خاص مندر میں بھی میلہ کے دنوں میں ناچ کی وقت کسبیاں اپنے بدن سے مختلف اوضاع کے ساتھ نہایت شرمی اور بے حجابی کی حرکتیں کرتی ہیں اور

۱۵ مصنف کی مراد اس عبادت سے وہ یہودہ نالج معلوم ہوتا ہے جو اب تک بھی بنگال میں مروج ہے اور لہو جوان بنگالی اپنے عیش و عشرت کے بے تکلفانہ جلسوں میں رنڈیوں کو بڑی مطلق کی حالت میں بچا کر خوش ہوتے ہیں اور اس قسم کے نالج کو انکی زبان میں کھیمٹا کا نالج کہتے ہیں بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سن اٹھارہ سو تین عیسوی میں جب وہ صوبہ جہان یہ مندر ہے سرکار انگریزی کے ہاتھ آیا تو اسوقت تین ہونا چنے والی عورتیں مندر کی ملازم تھیں جو گورنمنٹ کے حکم سے موقوف کی گئیں اور مندر کی آمدنی خزانہ سرکار میں داخل ہوتی تھی اور اس کے وصول کے لئے ایک عمدہ دارمقرر تھا مگر کچھ زمانہ بعد پادریوں نے جو مندر

برہمن ان لغویات کو بالکل اپنے ملک کے مذہب کے مطابق خیال کرتے ہیں۔

یہ کسبیاں برہمنوں اور ہندو فقیروں کے میں کسی ایک خوبصورت کسبیوں کو جانتا سو کسی کے پاس نہیں جاتیں۔

ہنایت محتاط ہیں یعنی ہر کسی کے پاس نہیں چلی جاتیں۔ چنانچہ ان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱۔ کے چڑباوے کی آمدنی کا لینا اپنی عیسائی سرکار کے لئے حرام جانتے تھے۔ حکام سرکاری کے ساتھ جھگڑا کر کے خزانہ سرکار میں اسکا ناموٹف کر دیا اور اس طرح پر یہ آمدنی خالص حق پوجاریوں کا ہو گیا۔ س۔ م۔ ح۔

اس کتاب کے انگریزی ترجمہ مسٹر اردنگٹ براک صاحب نے اس موقع پڑا ڈاکٹر کلاڈی اس بکان صاحب کی کتاب یادداشت سے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کو مناسبت مقام کے سبب سے ترجمہ کر کے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ قولہ ڈاکٹر کلاڈی اس بکان صاحب (جنہوں نے سن اٹھارہ سو چھ عیسوی میں ملک اوڈیہ کے دورہ کرنے کے موقع پر مندر جگہ ناتھ کی نسبت اپنی کتاب یادداشت میں بعض حالات تحریر کئے ہیں) یوں کہتے ہیں کہ آج تین تیسویں مئی سن اٹھارہ سو چھ عیسوی ہم بمقام بھدریکٹ مقیم ہیں اور اگرچہ جگہ ناتھ اب بھی پچاس میل سے زیادہ فاصلہ پر ہم سے ہے۔ لیکن ہم کئی دن سے برابر انسانوں کی ہڈیاں شاہراہ پر پڑی ہوئی دیکھتے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم جگہ ناتھ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ اس مقام پر قریب دو سو ہزار کے جاتری ہو کر آئے ہیں جو ہندوستان کے اضلاع شمالی کے مختلف مقامات سے آئے ہیں۔ چنانچہ بعض ان میں سے یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اپنا گھر چھوڑے دو مہینے ہوئے اور باوجودیکہ آجکل موسم سخت گرمی کا ہے مگر اس پر بھی یہ لوگ صرف تنہا نہیں بلکہ مع عیال و اطفال آئے ہیں یہ جاتری لوگ بہت سے راستہ ہی پر ہر جاتے ہیں اور انکی لاشوں یا ہڈیوں کو کوئی دفن تک نہیں کرتا اور اسی طرح شاہراہ پر پڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس منزل پر جہاں ہم مقیم ہیں ندی

عورتوں کو کسی اہل اسلام اور عیسائی اور بعض پردیسی قوم کے بت پرستوں نے بہت کچھ دولت اور روپیہ دینا چاہا لیکن انہوں نے بایں عذر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲ کے کنارے جو جاتریوں کے اترنے کے لئے ایک سرانہی ہوئی ہجو کوئی تریب سوکھو پڑیوں کے سہنے پڑی دیکھیں آج ہنگو ایک ایسا خوش اعتقاد جاتری ملا جو ہر قدم پر پوری ڈنڈوت کرتا اور گویا اپنے جسم سے جگن ناتھ کا راستہ ناپتا جاتا تھا اور اپنی دانست میں دیوتا کے خوش کرنے کے واسطے اس طریق کو نہایت عمدہ سمجھ کر بجلا رہا تھا۔ چہرہ جو دھوین جوں سن اٹھا رہا تھا وہ چہرہ کو خاص جگن ناتھ سے یوں لگتے ہیں وہ کہ میں نے جگن ناتھ کو دیکھا کوئی کتاب تاریخ اس دار الفنا اور وادی موت کا ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتی۔ البتہ اس کے مشاہدہ وادیکے ہیتم جو تو ہو جیسا کہ مولک کی مورت پر شہر کغان میں اگلے وقتوں میں انسان کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ویسا ہی اگر جگن ناتھ کی مورت کو اس زمانہ کا مولک کہا جائے تو کچھ ناواقف نہیں ہے۔ کیونکہ جگن ناتھ کے آگے اپنے تئیں ملی دان اور قربانی کرنے والے لوگ ہی نہ تو مولک کی قربانیوں سے تعداد ہی میں کم ہیں اور نہ اس پرے طور پر جہان کو مرنے ہی میں جگن ناتھ کے ساتھ اس کے بہائی اور بن بلراہم اور سوجھدرا کے نام سے دو اور مورتیں بھی ہیں اور تینوں کی پوجا ہوتی ہے اور تقریباً تینوں کی ماننا ایک ہی سی ہے۔ کیونکہ تینوں کے سنگھاس بلندی میں قریباً برابر ہیں آج صبح کو میں مندر کے دیکھنے کو گیا نہایت وسیع اور عالی شان عمارت ہے! اور فی الواقع لایح شان اور منزلت ایسے ہی ہوں لاک بادشاہ کے ہے اور جیسا کہ سب مندروں میں اس مندر کے دیوتا کے حالات اور حیالات اور معتقدات کی مناسبت سے اس شکل کی مورتیں وغیرہ بنا کر قائم کی جاتی ہیں ویسا ہی اس مندر میں وہ بے ناشائستگی اور عیوب کی بیشمار اور مختلف مورتیں موجود ہیں جو خاص اس کی پوجا کے طریق کا لب لباب ہیں چنانچہ مندر کی دیواروں اور دروازوں کے تختوں پر ایسی خلاف تہذیب شکل کی مورتیں جنگو دیکھ کر شرم آتی ہے بھاری بھاری اور پاکدامن پھروں سے تراشی ہوئی کھڑکی ہیں۔ میں سمندر کے کنارے کی ریتی کو بھی دیکھنے گیا تھا وہاں بھی بعض مقامات جاتریوں کی پڑیوں سے بالکل

۱۵ ملک شام میں بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں ایام سلف میں مولک نامی ایک بت استادہ تھا اور اس پر اکثر لوگ اپنی اولاد کو قربانی کرتے تھے۔ س۔ م۔ ح۔

قبول نہ کیا کہ ہم نے اپنے تئیں دیوتاؤں اور برہمنوں اور اربان سا دھوؤں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳۔ سفید نظر آتے تھے۔ شہر کے نزدیک سینے ایک اور جگہ جبکہ لکھنؤ
گلگہ تھا کہتے ہیں دیکھی جہاں جاتریوں کی لاشیں یونہی پھینک دی جاتی ہیں اور گتے
اور گدے وغیرہ وہاں ہمیشہ جمع رہتے ہیں۔

میں ہمیں نظر صاحب کے مکان میں جو سرکار آرمیبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے
جگن ناتھ کے مندر کے منتظم اور جاتریوں سے سرکاری محصول کے وصول کے ذمہ دار
ہیں آئے ہوا ہوں جو مندر کے کنارے مندر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے یہ
صاحب شہر کے قریب اس واسطے نہیں رہتے کہ وہاں متعفن لاشوں کے باعث نہایت
بدبو آتی ہے اور ابن لوگوں کے گوناگوں توہمات کے مشاہدہ سے قطع نظر شہر میں
اور بھی بہت سی ایسی نازیبا باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جن سے آدمی کے حواس پر گندہ
ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فاقوں کے مارے ہوئے ہزاروں جاتری نیم مردہ اور بھوت کی
سی ڈرائی صورت کے ساتھ شہر میں دیکھے جاتے ہیں۔ جن میں سے اکثر بھوکہ اور
بیاریوں کے مارے شہر کے گلی کوچوں ہی میں مر جاتے ہیں یا یہ کہ اکثر وہ لوگ جو بڑے
بھگت اور خوش عقیدہ ہوتے ہیں بالوں کے جوڑے باندھے اور بدن کو کسی طرح کے
رنگ لائے اور اپنی جان کو طرح طرح کے عذاب دیتے ہوئے جس کو وہ عبادت سمجھتے
ہیں نظر آتے ہیں اسکے سوا عورتیں اور مرد بلیئر کسی قسم کے ستر اور حجاب کے شہر کے
قریب رہتی ہیں تھنا۔ حاجت کے لئے برابر بیٹھے دکھائی دیتے ہیں جن کے
فضلہ کو ساند جبکہ وہ لوگ مقدس سمجھے جھوڑے کہتے ہیں بے تکلف اگر چٹا کرتے ہیں۔
پھر صاحب موصوف اٹھارہ دین جون سن اٹھارہ سو چھ عیسوی کو جگن ناتھ ہی سے
یوں کہتے ہیں کہ وہ میں ابھی ایک تماشہ دیکھ چکا ہوں کہ اپنے مکان پر آیا ہوں
آج اس دیوتا کا ایک بڑا دن ہے۔ چنانچہ دوپہر کی وقت ہندو جگن ناتھ کی مورت کو
رجیس نظر۔ ج۔ مے م ش ہن طر

پر جو ننگے دھوئی رماے اور جٹا و ہارن کے مندر کے چاروں طرف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴۔ مندر سے باہر لائے اسوقت لاکھوں جاتری اور عقیدت مند لوگ اپنے جے جے کار سے نہایت شور و غل کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اور جب سورت کو سنگھاسن پر بٹھایا اسوقت تو ایسا غل پڑا کہ سینے کبھی نہیں سنا تھا۔ پھر تھوڑی سی خاموشی کے بعد دور سے کچھ شور سنا دیا۔ اور تمام خلقت کی آنکھیں اس طرف کو اٹھ گئیں اور میں نے دیکھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ سا چلا جاتا ہے۔ ذرا قریب آنے پر معلوم ہوا کہ بہت سے آدمیوں کا ایک غول بڑی جلدی سے چلا آتا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں کھجور یا کسی اور درخت کی بیڑھنی ہے اس غول کے لئے خلقت نے راستہ چھوڑ دیا اور جب وہ جگن ناتھ کے سنگھاسن کے سامنے جب پھرت رکھی ہوئی تھی پہنچے تو اس پر سرتا پا کر گڑبڑ مٹات اور پوجا بجالاے۔ اُس وقت جگن ناتھ کا سنگھاسن ایک بہت اونچے رتھر پر رکھا گیا جو غل ایک برج کے ساٹھ فٹ بلند تھا اور جسکے پیچھے پوجہ کے مارے زمین میں دھسے جاتے تھے۔ اس رتھر میں جہاز کی سی بہاری اور لمبی لمبی چھید بنجیرس لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں مرد و عورت اور بچے ان کو کھینچتے تھے اور اس قدر ازدحام تھا کہ بعض لوگ صرف ایک ہی ہاتھ لگا سکتے تھے۔ بچوں سے اس زنجیر کے کھجور لے کر یہ وجہ تھی کہ ایسے دیوتا کی زنجیر کو کھینچنا ایک بڑے دھرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ رتھر کے اوپر سنگھاسن کو پاس پر ہمراہ اور پوجاری لوگ کھڑے تھے اور میں نے شاید ایک سو بائیس پوجاری رتھر پر موجود تھے۔ جگن ناتھ کی سورت ایک لکڑی کا بنا ہوا قالب ہے (جسے ہندو دیکھ کر ڈرتے ہیں) اس کا چہرہ کالا رنگ ہوا اور نہایت مہیب ہے اور نہ بڑا سا اور کھلا ہوا لال رنگ سے ہوا ہوا ہے۔ بازو سونے کے ہیں اور پوشاک نہایت مکلف اور نفیس پہنائی ہوئی ہے اور وہ دونوں سوتیلے جو اس کے ساتھ ہیں ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا زرد ہے! پانچ ہاتھی جسکے اوپر بڑی اونچی اونچی جھنڈیاں بھی تھیں اس میں گنبد والے رتھر کے آگے چلتے تھے! ان ہاتھیوں پر لال رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور دونوں جانب معمولی گھنٹے

بیٹھے ہیں (جنکی وضع کا بیان میں جلد کرونگا) وقف کیا ہوا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵۔ یہی لگتے تھے۔ میں ہی اس جلوس میں جا شامل ہوا بلکہ خاص تھہر کے قریب پہنچ گیا جس کو بہت سے لوگ شکل تمام کیسچتے تھے۔ اور اسکے پیچھے جو بہت سے تھے ان میں سے گرج کی سی آواز نکلتی تھی۔ چند لمحہ بعد رتھ ٹرک گیا اور پوجا شروع ہوئی یعنی مندر کے بڑے پوجاری نے رتھ پر چڑھ کر اور مورت کے سامنے آکر چند بخش گیت گائے اور بیان کیا کہ جگن ناتھ جی کو ایسے گیت بہت پسند ہیں اور جب ان گیتوں سے خوش ہوتے ہیں تب ہی ان کا رتھ چلتا ہے۔ چنانچہ ان گیتوں کے گانے کے بعد رتھ ذرا سا آگے بڑھ کر پھر ٹھہر گیا۔ تب ایک ٹرک جسکی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی سامنے کیا گیا اُس نے اُس پوجاری سے بھی بڑھ کر چند قابل شرم گیت اس امید سے گانے شروع کیے کہ شاید ان کا دیوتا قدم آگے بڑھے اُس لڑکے نے دیوتا کی تعریف اور اُسٹھٹ بڑی دلربا آواز سے کی اور گیت کے مضامین کو جسمانی حرکات یعنی تانے سے بھی ادا کیا کہ جس سے دیوتا خوش ہو گیا۔ اور لوگوں نے ایک مصنوعی خوشی کا شور کر کے رتھ کو ذرا آگے بڑھا دیا مگر چند لمحہ بعد رتھ پھر ٹھہر گیا۔ پھر اس دیوتا کے ایک بڑے پوجاری نے کھڑے ہو کر اور اپنے ہاتھ میں ایک لمبی چھڑی لیکر اور اُسکو تھوڑے عرصہ تک ناشائستہ طور پر ہلا ہلا کر اس مکر وہ تماشے کو ختم کیا۔

واضح ہو کہ جگن ناتھ کی پوجا جسکو میں ہندوستان کا مولک کہتا ہوں بخش اور خوش ریزی دو باتوں سے مرکب ہے چنانچہ بخش کا ذکر تو ہو چکا۔ اب خوش ریزی کا بیان سنئے۔ جب رتھ تھوڑی دور اور آگے بڑھا تو ایک جاتری بولا کہ میں جگن ناتھ جی پر اپنی جان قربان کر لے کو تیار ہوں۔ چنانچہ اُس نے چلتے ہوئے رتھ کے پیروں کے آگے اپنے تئیں ہاتھ پھیلا کر مونہ کے بل زمین پر ڈال دیا۔ اس وقت از دحام غلامی نے اُسکے لئے جگہ چھوڑ دی اور رتھ کے پیروں سے وہ کچل کر مر گیا۔ اس حرکت پر جاتریوں کے از دحام نے مورت کی طرف دھیان کر کے بڑے زور سے جے جے کا کی صدا بلند کی۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اس طرح سے دیوتا کو خون چڑھایا جاتا ہے تو دیوتا مسکراتا ہے۔ پھر ان لوگوں نے اس جاتری کی لاش پر بڑا اظہار استحسان اسکے اس فعل کے کوڑیاں چسکینی شروع کیں پھر بیرونی جن سن اٹھا رہے تھوچھہ عیسوی کو اسی مقام سے جہاں صاحب موصوف یہ لگتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸- کہ یہ ہولناک رسمیں ابھی بدستور جاری ہیں۔ چنانچہ کل بھر ایک عورت نے اپنے تین قربانی کیا۔ مگر وہ رتھ کے نیچے چونکہ سیدھی نہیں پڑی تھی اور معمول کے خلاف اڑے طور پر لٹکی تھی اس وجہ سے فوراً ہلاک نہ ہوئی بلکہ کئی گھنٹوں میں اُس کی جاں نکلی۔ مگر آج صبح کو جب میں اُس مردوں کی کموڑیوں والی جگہ سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ اُس عورت کی لاش میں بھر پور بڑوں کے اس دقت اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔ ابہر اکیسویں جون سن اٹھارہ سو چھ عیسوی کو یون لکھتے ہیں کہ وہ بھی رتھ جاترا کے تماشے بدستور جاری ہیں لیکن ایسے افعال اور یہ جمیوں کو دیکھتے دیکھتے میں اس قدر تنگ آ گیا ہوں کہ اب دل ہی چاہتا ہے کہ نہاں سے جلد بہاگ چلے! آج صبح کو اُس مقام پر جہاں مردوں کو پھینکا جاتا ہے میں نے ایک اور بھی زیادہ دردناک واقعہ دیکھا کہ ایک عورت جو مرد یا قریب المرگ پڑی ہوئی تھی اُسکی لاش کو کٹے اور گڈ چٹے ہوئے تھے۔ اور اُس کے دو بچے اُس کی لاش کی طرف بھرت تک رہے تھے۔ اور جاتری لوگ جو اُس طرف ہو کر جاتے تھے ان بچوں کی حالت پر کوئی بھی اصلاً ملتفت نہ ہوتا تھا میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ تمہارا گھر کہاں ہے انہوں نے کہا کہ جہاں ہماری ماں ہے وہیں ہمارا وطن ہے! افسوس کہ اس جگہ میں رحم نام کو بھی نہیں ہے۔ اس دقت جاتری لوگ یہاں اس قدر جمع ہوئے ہیں کہ انکی تعداد کا اندازہ ٹھیک ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ خاص اتواروں پر جب قدر جاتری جمع ہوتے ہیں انکی تعداد کی نسبت یہاں کے لوگ ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر بالفرض میلے میں سے ایک لاکھ آدمی چلا جائے تو کثرتِ خلافت میں کچھ کمی محسوس نہیں ہو سکتی میں نے ایک برہمن سے پوچھا کہ بڑے سے بڑے میلے پر تمہاری دانست میں کس قدر جاتری آتے ہوں گے تو اُس نے یہ جواب دیا کہ میں کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ مٹھی بھر بریت میں کتنے ذرے ہوتے ہیں۔

انگلستان میں انگریزوں کو اس بات پر یقین نہیں آنے کا کہ یہ سب خونریزیاں جو جگن ناتھ میں ہوتی ہیں ایک کلکتہ میں حکام انگریزی کو بھی معلوم ہیں یا نہیں۔ لیکن افسوس کہ گورنمنٹ ہوس کے دروازے کے آگے اور سپریم کورٹ منسٹ کی نظروں کے سامنے یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ خاص بنگلے میں ہی جو ایک خوشنما دور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹۔ ایسا سبز اور شاداب ملک ہے جسکو دنیا کا باغ کہا جاتا ہے اس ہندوستان کے مولک کے کئی مند ہیں۔ چنانچہ ایشیٹر اوج کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر رنگا کے کنارے ایک خوشنما گاہوں ہے (اور جہاں پہلے وارن ہسٹنگس صاحب گورنر جنرل ہند رہا کرتے تھے اور اب بھی گورنر جنرل محل کے باغ سے یہ جگہ سامنے نظر آتی ہے) خاص اُن کے متصل ہی جلن ناتھ کا مندر موجود ہے جہاں اکثر انسان کی قربانی کا خون بت کو چڑایا جاتا ہے چنانچہ بابا مہی سن اٹھارہ عالت سن عیسوی جبکہ ڈاکٹر بکان صاحب رتھ جاترا کے میلے پر اس جگہ موجود تھے ایک بہت خوبصورت اور تازہ توانا نوجوان شخص نے کہ جسکے لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے اور گلے میں پھولوں کا ہار پہنے ہوئے تھا یہ حرکت کی کہ اُٹھ چلتا کودتا آیا اور رتھ کے سامنے تھوڑی دیر تک اول تو بہت ذوق و شوق سے ناچتا اور گاتار ہا اور پھر یکا یک اُس کے پیوں کے نیچے جا گسٹا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا فقط انتہی! س۔ م۔ ح

۱۷ شاید یہ لفظ دراصل چٹرا ہے۔ جسکو بنگالی چٹھرا کہتے ہیں اکیونکہ ایشیٹر اکانام ہندوستان کے نقشوں میں کلکتہ کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔ اور وہ باغ شاید بارک پور المعروف آجامک سے مراد ہے۔ س۔ م۔ ح۔

۱۸ اصل کتاب میں لفظ کنٹری ہو س ہے۔ شہروں کے رہنے والے ذی مقدور یورپین لوگوں میں رسم ہے کہ ایسے مکان مع باغ بیرونجات میں اس مدعا سے پتا رکھتے ہیں کہ جب بھی شہر میں رہتے رہتے طبیعت ادق ہو جاتی ہے تو تفریح خاطر اور تبدیل آب و ہوا کے لئے وہاں جا رہتے ہیں۔ س م ح۔

ایشیٹر (اے سن ٹرا)

وارن ہسٹنگس (وارنہرے سن ٹنگس) Warren Hastings

ستی کا بیان

ستی کی رسم اور اسکے باب ہندوستان کی عورتوں کے ستی ہونے میں حکام مغلیہ کی پالیسی کا بیان۔ کی نسبت جو دو اکتین فرنگستاں میں مشہور

ہیں اگرچہ پہلے ہی انکی تصدیق بہت سے سیاحوں اور مسافروں کے بیانات سے ہو چکی ہے مگر امید ہے کہ میرے ہم وطن اس پر اندوہ کیفیت کو سنکر اب تو شبہ کرنا بالکل چھوڑ دیں گے۔

۱۵ ستی کی رسم ہندوستان میں بہت عرصہ سے تھی اور چونکہ منوسمیتی میں باجوہ مکہ بیوہ عورتوں کے وفادار نہ چلن وغیرہ کا ذکر آیا ہے ستی کی نسبت کچھ اشارہ پایا نہیں جاتا اس لئے انگریز مورخ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ رسم منوجی کے زمانہ سے پہچے جاری ہوئی تھی اور چونکہ مجربید کی تالیف و ترتیب کا زمانہ سن چودہ سو قبل مسیح آتھوں نے ثابت کیا ہے اسلئے منوسمیتی کا تقریباً نو سو برس قبل سن سچی مرتب ہونا قرار دیتے ہیں۔ بہر حال دو ہزار برس سے زیادہ عرصہ سے ہندوؤں میں اس رسم کا ہونا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ سلمان بادشاہوں نے اسکے اشناع کی نسبت کچھ توجہ نہیں کی اور ایک بے پردائی سے کبھی کبھی اسکی عزت کی! لیکن انگریزوں کو جب خدا اس ملک کی حکومت عنایت کی تو پولیٹیکل خیالات سے مدت تک ان کا حال ہی سلمان بادشاہوں ہی کا سا رہا یعنی یہ کہ بیوہ صرف اپنی مرضی سے ستی ہو یا اس حالت میں ستی ہو جبکہ اسکے رشتہ داروں کی خوشی ہو یا اگر وہ حکم ہو غرض زبردستی نہ جلائی جائے! ایک دفعہ لارڈ ویلزلی کے عہد میں اس کے اشناع کے لئے تحریک ہوئی تھی مگر اسوقت وہ ولایت کو جانیا وے

یہ عجیبہ دے می جُزیدے (ڈی لارڈ ویلزلی) (ڈی آرڈو) (ڈی نلی) Wellesley

جو بیانات سستی کی بابت لکھے گئے ہیں ان میں بلا شک مبالغہ
کیا گیا ہے اور آجکل پہلے کی نسبت سستی کی تعداد کم ہو گئی ہے کیونکہ
مسلمان جو اس ملک کے فرماں روا ہیں اس حشریانہ رسم کے نیت و
تابہ دہ کرنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اسکے امتناع
کے واسطے کوئی قانون مقرر کیا ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی پاسی
(تبیہ مملکت) کا یہ ایک جزو ہے کہ ہندوؤں کی خصوصیات میں جسکی
تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے دست اندازی کرنا مناسب
نہیں سمجھتے بلکہ ان کی مذہبی رسوم کے بجالانے میں انکو آزادی دیتے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹۔ تہ جاتے جاتے کیا کر سکتے تھے مگر یہی چلتے چلتے وہ اتنا
لکھ گئے کہ اس رسم کا موقوف ہونا مناسب۔ دسویں اپریل سن اٹھارہ سو وٹل عیسوی کو محکمہ
صدر نظامت بنگال نے ایک اپنا سرکار اس مضمون سے جاری کیا کہ بغیر اطلاع مجسٹریٹ
یا انسپریٹس کے کوئی بیوہ سستی ہونے نہ پائے اور یہ عہدہ دار ان امور کی تحقیق
کیا کریں کہ بیوہ خود اپنی مرضی سے سستی ہوتی ہے اور کوئی افسر زور و ظلم تو
نہیں کرتا ہ کسی نے اسے نشہ پلا کر تو یہ سنت نہیں چڑھا دیا ہ یا کسی اور طرح کے
بیہوش دوا اس تو نہیں کر دیا ہ اسکی عمر سولہ برس سے کم یا وہ حاملہ تو نہیں ہے۔

یہ سرکار اگرچہ مخالفت کے لئے تھا مگر غور کرو تو حقیقت میں ایک طرح کی اجازت تھی
گوؤنٹ بجٹی نے ایک عجیب و غریب حکم یہ جاری کیا کہ جتنا کو ایک انگریز عہدہ دار بنایا
کرے جس سے یہ غرض تھی کہ بیوہ اگر آگ کے شعلوں سے ڈر کر نکل ہاگتا چاہے
تو ہاگ کے اسن اٹھارہ سو بیس عیسوی میں اس معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان
میں بڑے زور شور سے مباحثہ شروع ہوا مگر کسی کو یہ حوصلہ نہوا کہ اسکے امتناع کا قطعی حکم
دیوے۔ بلکہ بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ اس کا رد کنا گوؤنٹ کے اس بڑے

رجسٹرا (ج ج ٹ) سنت (س ٹ)

ہیں لیکن تاہم ستی کی رسم کو بعض ایچ پیج کے طریقوں سے روکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے ستی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا جب تک کہ قطعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادہ سے ہرگز باز نہ آئیگی۔ صوبہ دار یہ وہ کو بحث مباحثہ سے سمجھاتا ہے اور بہت سے وعدے وعید کرتا ہے اور اگر اسکی فمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کہی ایسا ہی کرتا ہے کہ اپنی محاسن بھی دیتا ہے تاکہ بیگمات بھی اسکو اپنے طور پر سمجھائیں۔ مگر باوجود ان سب امور کے ستی کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰۔ اصول کے مخالف ہے کہ سرکار عایا کے مذہب اور رسم و رواج میں بشرطیکہ وہ شائستہ اور عقل اور انصاف کے خلاف نہوں کہی مزاحم نہ ہوگی۔ چنانچہ تمام موافق و مخالف رائے جمع کر کے صاحبان کو رٹ آف ڈاکٹر کزنس نے سن اٹھارہ سو تیس عیسوی میں گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجیں اور لکھا کہ ہر کوئی مال خوشی ہوگی یہ رسم بغیر کسی فتنہ و فساد پیدا ہونے کے موقوف ہو جائے۔ اس پر لارڈ ڈائمن ہرٹ نے پھر تمام دانشمند عہدہ داروں سے مشورہ لیا مگر یہی بات قرار پائی کہ اس کا انسداد تو ضرور چاہیے۔ لیکن تب درج ہندوؤں کے اخلاقی اور تہذیب اور عقل میں ترقی نہ کر کے! اور یہ جواب ولایت کو بھیجا گیا کہ بالفعل یہ رسم قطعی موقوف نہیں ہو سکتی مگر تہذیب و اشاعت اور ترقی تعلیم سے خود موقوف ہو جائیگی! سن اٹھارہ سو ستائیس عیسوی میں پھر گورنر جنرل کے پاس دلالت سے لکھا گیا کہ کسی طرح یہ رسم شائستگی کے ساتھ بہت جلد موقوف ہی ہو سکتی ہے۔

اس پر لارڈ ڈائمن ہرٹ نے جواب بھی گورنر جنرل کو کر کے تھے پھر جنگ اور ملکی عہدہ داروں سے مشورہ لیا اور بہت کر کے آخر کار چودھویں دسمبر سن اٹھارہ سو ستائیس عیسوی

۱۸۵۷ ایم ہرٹ (اے مہ ٹرسٹ) Amherst

۱۸۵۷ ولیم بینٹنک (ول کے مپ کے بن ٹن Lord William Bentinck)

تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عمارتوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار متعین نہیں ہے۔ لیکن ہر ایک عورت کے واقعات کے بیان سے جنگو میں بچشم خود سنی ہوتے دیکھا ہے میں اپنی تصدیق افزائی اور سامعہ خراشی نکر و زکا۔ بلکہ منجملہ ان کے صرف دو تین صدیوں ہی کا بیان کروں گا۔ اور ان میں بھی مفصل حالات صرف ایک ہی عورت کے لکھوں گا جسکو سنی ہونے کے مستقل اور خوفناک ارادہ سے روکنے کے واسطے میں بھیجا گیا تھا۔

ایک عورت کا ذکر جسکو بندی داس نامی میرا ایک دوست تہاجو دشمنہ خان مصنف نے بھیجا تھا کہ کامیر منشی تھا وہ تپ و دق کی بیماری سے جسکا معالجہ سنی ہونے سے روکا۔ میں نے دو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کیا تھا مر گیا اور اسی وقت اسکی زوجہ نے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ سنی ہو ٹیکا ارادہ کر لیا۔ اسکے رشتہ دار میرے آقا کے نوکر تھے اور ان کو یہ حکم دیا گیا تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱۔ کو ایکٹ نمبر سترہ جاری کر ہی دیا جسکی رو سے یہ دردناک رسم ہمیشہ کیواسطے ہندوستان سے دفع ہو گئی۔ اور اگرچہ کلکتہ کے دو تین بابوؤں نے بہت غل جمایا اور اخبار و نکتہ صفحہ کی صفحہ کے کڑاے مگر اس باہمت شخص نے ایک نہ سنی اور خاص شاہی کونسل

کی خدمت میں جو پیل وار کیا گیا تھا اور جس پر فرقہ پرہم سماج کے مشہور بانی راجد رام موہن رائے کے بھی دستخط تھے سن اٹھا رہے تیس عیسوی میں دلایت سے خارج ہو گیا۔ اور اس رسم کی موت کوئی کی نیکیا میں جو خدا نے سلطنت انگریزی کی قسمت میں لکھی تھی وہ اسکو ہمیشہ کے لئے حاصل ہو گئی۔ رانا غوڑا تاج پند مولفہ انفاطیس صاحب و پرنسپل محمد ذکا احمد صاحب (س م ح

کہ اس دیوانگی کی حرکت سے باز رکھیں چنانچہ انہوں نے اُسے سمجھایا کہ اگرچہ تمہارا یہ قصہ پسندیدہ اور باعث عروت اور خوشنودی خاندان اور سراسر لائق تحسین اور بہت کام ہے لیکن تمکو یہ خیال کرنا چاہیے کہ تمہارے بچے کم عمر ہیں اور انکو چھوڑنا نہایت بیرحمی ہے اور تمکو اپنے فرزندوں کی بہبودی کا فکر اس محبت سے جو تم اپنے متوفی شوہر کی نسبت رکھتی ہو بہت زیادہ ہونا چاہیے اس بیوقوف اور دیوانی عورت نے جب ان کی فمائش کو کسی طرح نہ مانا تو انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ چلکر سمجھائیں۔ چونکہ ہمارے آقا کی بھی یہی مرضی تھی اور اس خاندان سے میری دیر سے دوستی تھی اسلئے میں اُسکے پاس گیا جب مکان میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات آٹھ بد صورت بڑھی عورتیں اور چار پانچ مٹن اور ضعیف العقل برہمن لاش کے ارد گرد جمع ہیں اور یہ عورتیں باری باری بڑے شور و فغاں اور آہ و زاری سے روتی اور بڑے زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹتی ہیں۔ یہ عورت لاش کے پائنتی بیٹھی تھی اور بال کھلے ہوئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر نگہ نہیں آنسو بہتا۔ لیکن جب حاضرین مجلس کی طرح وہ بھی بہت زور سے جلا کر رونے لگی تو نگہیں لال نگارا ہو گئیں اور باتفاق اُس خوفناک گردہ کے اپنی باری پر وہ بھی پیٹتی رہی جب یہ رونا پیٹنا فرو ہو اتویں اُس کم بخت گردہ کے قریب گیا اور آہستگی اور نرمی کے ساتھ اُس بیوہ سے کھا کہ میں دانشمند خاں کے حکم سے تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ نواب تمہارے دونوں بیٹوں کے واسطے دو دو کروڑ یعنی پانچ پانچ روپے ماہواری کا وظیفہ جاری رکھے گا بشرطیکہ

تم اپنی جان تلف نہ کرو۔ کیونکہ تمہارا جیتنا رہنا تمہارے بچوں کی خبر گیری اور تربیت کے واسطے از بس ضرور ہے اور تم کو خوب معلوم رہے کہ ہم بہت طرح سے تمہاری جتنا پر بیٹھنا اور ستی ہونا روک سکتے ہیں اور ان لوگوں کو جو تمہیں اس نامعقول بات کی جرات دلاتے ہیں سزا دے سکتے ہیں۔

تمہارے سب عزیز و اقارب تمہاری اولاد کی زندگی کی خاطر تمہارا زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور اس حالت میں تم پر کم ہمتی کا الزام اور وہ بدنامی بھی عاید نہو گی جو ایک ایسی عورت کی نسبت عاید ہو سکتی ہے جو باوجود اولاد نہ ہونے کے اپنے مالک کے ساتھ ستی ہونے کی جرأت نہ کرے اور سینے کئی بار اس تہمت پر کو دوسرا یا لیکن اُسے مطلق جواب نہ دیا آخر کار بڑے استقلال سے آنکھ ملا کر یوں بولی کہ ”دو خیر اگر میں ستی ہو سنے نہ پاؤں گی تو دیوار سے سر پھوٹ کر مر جاؤں گی“ یہ سن کر سینے اپنے دل میں ذرا سوچا اور پھر نہایت غصہ سے بکا کر کہا کہ کیا تیرے سر پر کوئی ہوت چڑھا رہا ہے! بہت اچھا ستی ہو جا لیکن اسے بد بخت بیرحم پہلے اپنے بچوں کے گلے کاٹ کر ان کو اسی جتنا پر جلادے کیونکہ ہم کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ تو ستی ہو کر اس دنیا سے چل دے اور ان کو بھوکا مرے کو پیچھے چھوڑ جائے اور میں بھی دانشمند خا کے پاس جاتا ہوں اور تیرے لڑکوں کا وظیفہ منسوخ کرتا ہوں۔ میرے اس مستقل طور پر بلند آواز سے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ چپ ہو گئی اور فوراً سر جھکا کر گھٹنوں پر رکھ لیا پھر تو وہ بڑھیا عورتیں اور برہمن بھی دروازے کی طرف کھسک گئے اور یہ دیکھ کر مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اس کو اس کے

رشتہ داروں کے سپرد کر کے جو میرے ساتھ آئے تھے وہاں سے چل دوں
چننا نچہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر کو چلا آیا۔ !
شام کیوقت جب کہ میں دانشمند خاں کے پاس اس حال کی اطلاع
کرنے کو جاتا تھا راستہ میں اسکا ایک رشتہ دار ملا اور بعد ازاں شکر بولا کہ
اُسکے شوہر کی لاش بغیر اُسکے جلائی گئی اور اُسے اپنی جان نہیں گنوائی۔

مصنف کا ایک بی بی اور اب ان عورتوں کا حال سننے جو فی الواقع جل مرتی
اُنکی پانچ لڑکیوں کو اکٹھے ہیں۔ مینے یہ اندوہناک واقعے اتنی مرتبہ دیکھے
ستی ہوتے دیکھتا ہوں کہ آئندہ ستی کے کسی اور واقعے کے
دیکھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ اور نہ اسکا اعادہ عبرت اور نفرت سے
خالی ہے بہر حال جو کچھ میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے حتی الامکان
اسکا بیان کرتا ہوں! لیکن مجھ کو یہ توقع نہیں ہے کہ ان ستی ہونے

۱۵ مشہور معروف سیاح شیخ ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ افریقی معروف بابن بطوطہ چین
سات سو چونتیس ہجری میں محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا تھا اپنے
سیاحت نامہ میں جو عربی زبان میں ہے اور جسکی ایک نقل خوش قسمتی سے ہمارے
کتب خانہ میں بھی موجود ہے لکھتا ہے کہ جب کبھی ستمی کا کوئی واقعہ سلطان ہند
کی نظر میں ہوتا ہے تو اول سلطان سے اجازت حاصل کی جاتی ہے اور اُسکے بعد
عورت ستی ہوتی ہے! اور پھر ایک اپنی آنکھوں دیکھے واقعہ کا یوں ذکر کرتا کہ کہ میں
وہ ملک سندھ ہی میں تھا کہ ایک شہر کے قریب (جس کا نام اُس نے ابجری لکھا ہے)
قزاقوں نے جو نزدیک ہی کے رہنے والے تھے اور سلطان کی حکومت نہیں مانتے
تھے چند مسافروں کو لوٹ لیا اور ماکہ شہر کے ہراہیوں میں سے جو سلاں تھا اُس نے

والی دیوانی عورتوں کی جرأت اور بیڑھ ملک جان کو نیک بیان ٹھیک ٹھیک کر سکوں۔ جو جو کچھ اُس پرانہ وہ اور خوفناک اور بد اخبام آسم میں ہوتا ہے غالب ہے کہ بے دیکھے کوئی بھی اسکو سچ نہ جانے گا! جب میں احمد آباد سے راجستان ہو کر آگرہ کو جاتا تھا اور ہمارا قافلہ دو پہر کاٹنے کو ایک قصبہ میں سایہ تلے ٹھہرا ہوا تھا سنا کہ اہی ایک عورت اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہوا چاہتی ہے! پس میں فوراً دوڑا ہوا وہاں گیا اور دیکھا کہ ایک بڑے تالاب میں جو بجز تھوڑی جگہ کے زیادہ خشک پڑا تھا ایک بڑا گرٹھا لکڑیوں سے بھرا ہوا ہے اور اُس پر مردے کی لاش رکھی ہوئی ہے اور اُسی پر ایک عورت بیٹھی ہے اور چار پانچ برہمن اسکو ہر طرف سے آگ لگا رہے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۵۔ لڑنے کو نکلتا چند ہندو آدمی مارے گئے تو ان میں سے تین کی عورتوں نے ستی ہو نے کا ارادہ کیا جو ہندوؤں کے نزدیک اگرچہ فرض نہیں مگر ثواب کا کام ہے اور جو عورت ستی ہو جاتی ہے وہ فادار اور اپنے خاندان کیلئے باعث عروت سمجھی جاتی ہے اور جو ستی نہیں ہوتی وہ موٹے ٹھوٹے کپڑے پہنتی اور بیوفائی کی وجہ سے کتبہ والوں کے نزدیک بد نصیب اور ذلیل خیال کی جاتی ہے اگرچہ ستی ہونے پر مجبور نہیں کی جاتی چنانچہ جب انہوں نے اپنا ستی ہونا ٹھان لیا تو تین دن تک گانے بجانے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہیں گویا دنیا سے رخصت ہوتی ہیں اور اوپر اوپر کی عورتیں انکی ملاقات کو آتی رہیں۔ جو تھے روز کی صبح کو خوب بناؤ سنگا لکڑی کے اور حط و خیر لگا کر گھوڑوں پر سوار ہو گیا اور وائیں ہاتھ میں ایک نایل اور بائیں میں ایک آئینہ لیا جنکو اچھا لیتی اور ان میں اپنا موٹھ دیکھتی جاتی تھیں اور ہندو آدمی ان سے کہتے جاتے تھے کہ ہمارے بابا یا ماں یا بھائی یا دوست کو ہمارا سلام کہہ دینا! جسکے جواب میں وہ ہنس کر کہتی تھیں کہ اچھا! میں اپنے ساتھیوں سمیت ان کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھنے کو

اور پانچ اوجھڑ عورتیں کسیدھرا چھی پوشاکیں پہنے ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے چتا کے گرد ناچتی گاتی ہیں اور بہت سے زن و مرد یہ تماشا دیکھ رہے ہیں چتا جسپر بہت سا گھی اور تیل ڈالا گیا تھا جلد بھڑک اٹھی اور عورت کے کپڑوں کو جن پر عطر اور زعفران وغیرہ چھڑکا ہوا تھا آگ لگ گئی مگر مینے کوئی علامت دکھ نہ دیا گھبراہٹ کی آسمیں نہ دیکھی اور کہتے ہیں کہ اُسے بڑے یقینی طور پر پانچ اور دو کا خط کہا جس کا یہ مطلب تھا کہ یہ پانچوں دفعہ ہے کہ میں اپنے اسی خاوند کے ساتھ ستی ہوئی ہوں۔ اور اب

حندو دفعہ اور ستی ہونا باقی ہے۔ پھر میں تناسخ (اداگون) کے مسئلہ کے موافق ”وکتی“ کو پہنچ جاؤ گی یعنی پیدا ہونے اور مرنے سے چھوٹ جاؤ گی اور یہ لفظ اُس نے اس طرح سے کہے کہ گویا اُس کے اس اخیر وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶۔ گیا اور کوئی تیریں میل چل کر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت سا پانی اور گھنے سایہ کے درخت تھے اور ان میں چار مٹ بنے ہوئے تھے جنہیں چھڑکی ایک ایک عورت تھی اور ان مٹوں کے چوں بیچ ایک بڑا اور بچہ تالا ب تھا جس پر درختوں نے ایسا گھن کا سایہ کیا ہوا تھا کہ دھوپ نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہ عورتیں جب ان مٹوں کے قریب پہنچیں تو تالا ب کے پاس جا کر اتر پڑیں اور کپڑے اور کٹنا پانا کر خیرات کر دیا اور پانی میں غوطہ کرا کر ایک برس ملا مٹا سونی کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھ لیا اتالا ب کے قریب ہی ایک نشیب زمیں میں بہت سی آگ جلائی جا رہی تھی جس پر بھڑکانے کے لئے تلوں کا تیل ڈالا جا رہا تھا اور کوئی پندرہ آدمی باریک دیندھن کے مٹھے ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے اور قریب آدس آدمیوں کے پاس بڑی بڑی لکڑیاں تھیں۔ اور ڈھول اور سنگھ بجانے والے لوگ ان عورتوں کے منظر کھڑے تھے۔ اور اس خیال سے کہ کہیں دیکھ کر ڈر جائیں لوگوں نے آگ کے سامنے قنات سے پردہ کر رکھا تھا جسکو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ القصد ان میں سے ایک عورت کو مینے دیکھا کہ جب قنات کے پاس پہنچی تو اسکو لوگوں کے ہاتھ سے جھنک کر

میں کسی آؤتار یا رشتی کی روح نے اُس میں حلول کیا ہے۔ لیکن ابھی اس دوزخیانہ طور پر جاں کھونے کی واردات کی ابتدا ہی تھی اور میں نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ بائج گانے والی عورتیں بحیرہ ایک اور ہی کے کسی خاص مطلب کے لئے نہ ہوں گی۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ اُن میں سے بھی جب ایک عورت کے کپڑوں تک آگ پہنچ گئی تو اُس نے ہی اپنے تئیں سر کے بل اُس آتشین گرٹھے میں گرا دیا اور اسی طرح جب ایک دوسرے کے کپڑے جلنے لگے اُس نے بھی اس دہشت ناک حرکت کی تقلید کی اور اسی طرح باری باری وہ تینوں عورتیں بھی جو ایک دوسری کا ہاتھ بکڑے کمال بیفکری اور آرام سے باج رہی تھیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آگ میں کود کر جل مریں۔ تب تو مجھ پر سخت حیرت طاری ہوئی مگر اب مجھ کو ایک شخص کے ساتھ کئی عورتوں کے سستی ہونے کے مطلب ہی جلد معلوم ہو گیا یعنی یہ کہ یہ پانچوں عورتیں لونڈیاں تھیں اور جب اُن کی بی بی کا مالک مرض الموت میں مبتلا تھا انہوں نے اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷۔ کینچ لیا اور ہنس کر بولی کہ "ارامیت سانی آڑا طیش داتش ہمن مے داغم" کہ آڑا طیش است رہا کنی مارا، جسکے یہ معنی ہیں کہ کیا تم مجھ کو آگ سے ڈراتے ہو میں جانتی ہوں کہ یہ جلا ڈالنے والی آگ ہے۔ پھر اُس نے آگ کو سلام کر تیلی خاطر اپنے دونوں ہاتھ سپر چوڑے اور اُس کے کوڑھری اور معاً فکرے اور سنگہ اور فیڑیاں بجنے لگیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں ایندھن تھا وہ انہوں نے اُس پر ڈال دیا۔ پھر آؤر لوگوں نے لکڑیاں ڈال دیں تاکہ اُل نہ سکے اور بڑا شور و غل ہوا۔ اور یہ سانچہ دیکھ کر میری ایسی حالت ہوئی کہ اگر میرے ساتھی مجھ کو نہ سنبھالے اور پانی سے میرا منہ نہ دھوئے تو تڑپ تھا کہ میں اپنے گھوڑے سے گر پڑتا۔ (س۔ م۔ ح)

بی بی کی جانب سے اپنے شوہر کی نسبت کمال محبت دیکھی تھی جس نے اُس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے بعد میں بھی زندہ نہ رہوں گی۔ پس بیہ لونڈیاں بھی جوش الفتن سے اس قدر مغلوب ہوئیں کہ انہوں نے ہی اپنا خزانہ ٹھکان لیا اور اُسی آگ میں جل کریں جس میں انکی پیاری بی بی ستی ہوئی تھی۔

ستی ہونا مجھ کے سبب سے بہت سے لوگ جن سے میں نے اس وقت ستی ہوئے نہیں بلکہ ایک خاص طور کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ ہے

کی نسبت گفتگو کی مجھ کو اس بات پر یقین لانے کی جانب مائل کرتے رہے کہ ہندوستان کی

عورتوں کے ستی ہونے کا سبب اپنے خاوندوں کے ساتھ شدت محبت ہے۔ لیکن مجھے جلد معلوم ہو گیا کہ اس مکر وہ رسم کا باعث صرف ایک قسم کے تعصب اور توہم کا اثر ہے۔ جو لڑکپن ہی سے لڑکیوں کے دلوں میں جایا جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایک عمیق چرطہ پکڑ گیا ہے۔ کیونکہ ہر

ایک لڑکی کو اسکی ماں یہ تعلیم کرتی رہتی ہے کہ عورت کی پارسائی اور تعریف اسی میں ہے کہ اپنے بچے کے ساتھ ستی ہو جاوے۔ اور بچے پر تا عورتوں کا یہ ہی

طریق ہے کہ اس مقررہ رسم سے ہرگز موہ نہ موڑیں۔ علاوہ بریں مرد ہی عورتوں کو یہی عقیدے ہمیشہ تعلیم کرتے رہتے ہیں تاکہ عورتوں کی توجہ اپنے مالکوں کی اطاعت اور تیمارداری میں مشغول رہنے کے واسطے

آسانی حاصل ہو۔ اور اس طرح عورتوں کی طرف سے مالکوں کو زہر وغیرہ دیدینے کا ڈر بھی نہیں رہتا۔ :

اُب میں ایک نہایت عجیب اور زیادہ تر ہولناک واقعہ کا

بدکاری کی وجہ سے ایک عورت کا اول اپنے خاندان کو ہلاک کرنا اور پھر ایک عجیب طور سے سستی ہونا۔

بیان کرتا ہوں۔ اگرچہ واقعی یہ حادثہ میرا چشم دیدہ نہیں ہے۔ مگر اس نظر سے انتخاب کیا گیا ہے کہ جس قدر سستی کے واقعات میں نے دیکھے ہیں یہ واقعہ بلحاظ اپنی خصوصیات کے ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے اگرچہ ایسے بہت سے معاملات ہیں کہ باوجود میں نے خود دیکھے ہیں مگر میں ان پر اعتماد اور یقین نہیں کرتا۔ لیکن آپ کو یہ مجھے یہ نہیں چاہئے کہ اس حکایت کو صرف اس وجہ سے نامعتبر تصور کر لیں کہ انہیں ایک خاص طور کا انوکھا پن ہے۔ ہندوستان میں یہ قصہ ہزاروں آدمیوں کی زبان پر ہے اور عموماً صحیح خیال کیا جاتا ہے۔ اور شاید کہ اب تک فرنگستان میں بھی پہنچ گیا ہو۔ چنانچہ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک عورت کچھ مدت سے ایک نوجوان مسلمان درزی کے ساتھ جو اس کا ہم سایہ تھا اور ظنہ بورہ بجایا کرتا تھا ناجائز رنگا ور کرتی تھی اُس نے اپنے شوہر کو زہر دیدیا اور اُس سے جا کر کہا کہ اب اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے نکاح کر لو اور جھپٹ پٹ کہیں کو نکل چلو۔ کیونکہ اگر ذرا ہی دیر ہوگی تو مجھے بسبب دنیا کی لاج کے مجبوراً اپنے ختم کے ساتھ سستی ہونا پڑے گا۔ مگر جب اُس جوان نے اس امر کو مشکل اور خطرناک سمجھا انکار کر دیا تو یہ عورت بغیر کسی طرح کے اضطراب اور تردد کے فوراً اپنے خویش و اقارب کے پاس گئی اور اُن سے کہا کہ میرا خاوند ناگمانی موت سے مر گیا ہے اور میرا مصمم ارادہ سستی ہونیکا ہے۔ وہ لوگ اُسکی اس پرہمت ارادہ سے جو باعث افتخار خاندان تھا بہت خوش ہوئے۔ اور چتا تیار کر کے لاش کو

اُس پر رکھ دیا اور آگ لگا دی۔ جب سب تیاری ہو چکی تو وہ چتا کے گرد
 اس غرض سے پھرنے لگی کہ گلے مل کر اپنے غویش واقربا اور ہمسایوں
 وغیرہ سے رخصت ہو۔ اتفاقاً اُن لوگوں میں وہ مسلمان طنبور انوار بھی
 کھڑا تھا جو اُس زمانہ کے ساتھ جو ملک کی رسم کے موافق ستی کے سائے
 باجے بجاتے ہیں بلایا ہوا آیا تھا۔ پس جو ہیں یہ عورت اُس کے قریب پہنچی تو
 غصہ سے آگ بھبھو کا ہو کر آخری رخصت کے بہانہ سے اُس کا گریبان اس
 شدت اور زور سے پکڑا کہ کسی طرح چھوڑا نہ سکا اور کھینچ کر اپنے ساتھ چتا
 میں لے گئی اور اس طرح پر اس چھوٹے عاشق سے اپنا بدلہ لے لیا۔

مصنف کا شہر سورت میں
 ایک عورت کو عجیب استقلال
 سے ستی ہوتے دیکھنا
 سورت سے ایران کو آتے ہوئے میں نے ایک
 اور بیوہ کے ستی ہونے کی کیفیت دیکھی اس وقت
 کئی اہل فرنگ بھی یعنی انگریز اور ڈچ اور شہر پیرس کے رہنے
 والے۔ چارڈن صاحب بھی موجود تھے! یہ عورت عمر کی ادھیڑ
 اور اچھی خاصی صورت دار تھی۔ مگر میری زبان میں یہ طاقت
 کھاں جو اسکی وہ حیوانوں کی سی جرات اور دلیری اور وہ وحشیانہ
 چاؤ جو اُس وقت اُس کے چہرہ سے عیاں تھا اور اُس کا وہ
 بیدھڑک چتا کی طرف آنا اور بڑے استقلال اور دلجمعی کے

۵۔ سندھ ذیل ضرب المثل سے بھی جو عورتوں کی چھوٹے موقع پر استعمال کیجاتی ہے یہی بات ثابت ہوتی
 ہے کہ بعض عورتیں اس طرح بھی مرد رستی ہوتی تھیں۔ ”تیریا چلے جانے نہ کوئے ختم مار کستی ہوئی“ اس مع

ساتھ لوگوں سے بات چیت کرنا اور اپنے تئیں نشان کرانے کی اجازت دینا اور بڑے اطمینان اور نہایت بے پروائی سے ہماری طرف دیکھنا اور ہر قسم کے رنج و فکر سے آزاد اور آرام کی حالت میں ہونا اور اس کا وہ بلند ہمتی کا طور و طریق اور بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی کے اپنی ”گچھا“ کو جو گھانٹ بھولنس اور تلی تلی لکڑیوں کو اوپر نیچے چنکر چتا پر بنائی گئی تھی دیکھ بھال کرنا اور پھر شوہر کا سر گود میں لیکر اُس میں بیٹھنا اور ایک مشعل لے کر خود اپنے ہاتھ سے اُس میں اندر کی طرف سے آگ لگانا۔ اور پھر نہ معلوم کتنے برس ہمنوں کا باہر کی طرف سے اُس کو جلانا ٹھیک ٹھیک بیان کر سکوں۔ !!!

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اپنے بیان سے اس دردناک واقعہ کی کیفیتوں کا کامل خاکہ ہی آپ کے سامنے کہنچ سکتا ہوں اور نہ اُس حالت ہی کا کچھ بیان کر سکتا ہوں۔ جو اس حادثہ کو دیکھتے وقت میرے دل پر گزری! اور یہ ہریت ناک واقعہ اب تک مجھے ایسا یاد ہے کہ گویا میری آنکھوں کے آگے ہے! اور شدت اندوہ سے اگرچہ چاہتا ہوں کہ خواب و خیال کی طرح اُسے بھلا دوں مگر ہرگز نہیں بھولتا۔!

ستی کچھ نہ واقعات کا بیان
میں نے چند ایسی بد نصیب بیواؤں کی مصیبت بھی کہی
جن میں عورتوں کو جبراً جلایا گیا
ہے جو چٹا کی شکل دیکھتے ہی بہا گئے لگی تھیں۔ اور اس
حالت کو دیکھ کر میرے دل کو بالکل یقین تھا کہ اگر یہ بے درد بہمن ستی ہوئے
سے انکار کر دینے کی اجازت دیں تو وہ بخوشی تمام اس سے رک جائیں
مگر یہ کم نخب ان خوف زدہ اور اجل گرفتہ عورتوں کو ستی ہو جانے کی

خاطر صرف ترغیبیں اور بڑا دے ہی نہیں دیتے بلکہ آنکھوں پر دستی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے سامنے ایک غریب جوان عورت اسی طرح زبردستی آگ میں ڈال دی گئی تھی! اس طرح میں نے ایک اور بیچاری بد نصیب عورت کو دیکھا کہ اُس کے ارد گرد جب آگ بھڑکنے لگی تو اُس نے نکل بہا گنا جابا۔ مگر اُن دیوسیرت جلا دون کے لیے بے بانسوں کے مارے نکل نہ سکی۔

جو عورتیں چاہیں سے بھاگ نکلتی ہیں وہ بچہ ہندوں میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ اور خاکروہوں کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرتی ہیں۔

لیکن یہ عورتیں ان خونی برہمنوں کی آنکھ سے بچ کر کبھی نکل بھی جاتی ہیں۔ چنانچہ میری ایک حسین عورت کے پاس اکثر آمد و رفت رہتی تھی جس نے خاکروہوں کی مدد سے اپنی جاں بچائی تھی۔ یہ لوگ جب سنتے ہیں کہ ستی ہونے والی جان اور حیدین عورت ہے اور اُس کے گھر والے چند ان نامی اور ذمی مقدمہ نہیں ہیں اور صرف گنتی کے آدمی اور وہی بڑوسی اُس کے ساتھ ہونگے تو وہاں بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو عورت مرگ کا یہ سامان دیکھ کر اس طرح پر ہمت ہار دیتی ہے۔ اور ان لوگوں کی مدد سے اس بن آئی موت سے بچ نکلتی ہے تو یہ امید وہ ہرگز نہیں کر سکتی کہ اپنی زندگی کے باقی دن فراغ البالی سے کاٹے گی یا ہندو لوگ اُس کے ساتھ عورت اور محبت سے برتاؤ کریں گے۔ بلکہ وہ بھر کبھی اُن میں نہیں مل سکتی اور کوئی ہندو کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اُس عورت سے جس نے اپنے تئیں اس طرح بے عزت کر ڈالا ہو ہرگز میل جول نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ پرے سرے کی بدنام اور مطعون ہو جاتی ہے۔ اور عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُسکی اس

حرکت نے ہندو دھرم کو کلنک لگا دیا۔ اسلئے وہ ہمیشہ انہیں اپنے ذلیل اور
یکسے نئے محافطوں کی بدسلوکیاں سستی اور زندگی کے دن پورے
کرتی ہیں۔

جو عورت سستی ہونا نہ چاہے
مغل اسکو پناہ نہیں دیتے مگر
پرتگیزی پناہ دیتے ہیں۔

جب کوئی سستی چتا پر جا پہنچے تو کسی مغل کو یہ
جرات نہیں ہوتی کہ اسکی جاں بچائے۔ یا کہ
جب وہ برہمنوں کے پیچھے ہیں سے بھاگ
نکلی ہو اسکو پناہ دینے کی جھوٹوں اٹھائے۔ کیونکہ ایسا کام کرتے ہوئے
یہ لوگ ڈرتے ہیں۔ البتہ پرتگیزیوں نے بعض بندرگاہوں میں جہاں انکا
زور زیادہ تھا بہت سی بیواؤں کو بچا لیا ہے۔

مسنف کا ایک کم سن لڑکی
کو زبردستی جلائے جاتی دیکھنا

میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ ان حرکات کو دیکھ کر
غصہ کے مارے میری طبیعت کا کیا حال ہوتا
تھا۔ اور میں کس جوش سے چاہتا تھا کہ کوئی قابو ان کم سخت برہمنوں کے
استیصال کا ہاتھ لگے! چنانچہ لاہور میں میں نے ایک نہایت خوبصورت
کم سن بیوہ کو سستی ہوتے دیکھا۔ جسکی عمر بارہ برس سے زیادہ نہوگی۔

یہ بدنصیب لڑکی جب چتا کے پاس آئی تو خوف کے مارے اسپر مردنی
چھا گئی۔ اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ کس طرح کانپتی اور ہلک ہلک کر
روتی تھی۔ لیکن تین برہمنوں اور ایک بڑھیا نے جس نے اُسے گود میں لے
رکھا تھا زبردستی اُسے چتا پر بٹھا ہی دیا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تاکہ
بھاگنے نہ پائے۔ اور اس طرح برائے بیچارے معصوم کو جلا کر خاک کر دیا۔

اسوقت کچھ نہ پوچھے کہ غصہ کے مارے میرا کیا حال تھا۔ اور میں نے کس طرح سے اپنے تئیں تھاما۔ لیکن چونکہ کچھ بس نہ تھا اچار دل ہی دل میں کڑھتا تھا کہ ہاے غضب یہ لوگ کیسے قابل نفرت توہمات میں گرفتار ہیں اور میں نے شاعر کے یہ اشعار جو اُس نے لکھے مومنؑ کی مٹی اِیجینیا کے باب میں کہے تھے۔ جس کو اُس کے باپ نے ڈالنا پر قمر بانی چڑھایا تھا۔ ان کے حسب حال پائے۔

خُرَاصَةُ عَمْرِو اشْعَارِ لَیْلٍ

وہ ایسی چیزوں کے نیست و نابود کر دینے میں بھی جو خوبصورت اور اچھی تھیں بعض اوقات مذہب سے بڑے بڑے بد کام کئے ہیں۔ چنانچہ بیجاری لونجوان اِثیاناسا (یعنی اِیجینیا) کو کس بے دردی سے ڈالنا کی قمر بانی گاہ پر قمر بانی کرنے کو بٹھادیا گیا تھا۔ افسوس! یہ مذہب انسان سے کیسے بد کام کر دیتا ہے،

۴ ڈاکٹر برنی آڈ کے اس خط میں ڈالنا۔ آئیکے مومن اور اِیجینیا کا ذکر چونکہ قصہ طلب باتیں ہیں۔ اس لئے انساٹیکلو پیڈیا برٹانیکا اور کتاب جام جم وغیرہ سے ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر اس جگہ لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

ڈالنا

ڈالنا قریب زمانہ کے یونانیوں اور رومیوں کی ایک دیوی تھی جسکو وہ شکار وغیرہ کی دیوی کہتے تھے۔ اور اُنہیں مار ڈالنے اور بچا لینے کی دونوں قدریں خیال کرتے تھے اور اس مناسبت سے اُسکی مورت ایک ایسی مرقہ کنواری اور جوان عورت کی سی بناتے

۵ اے گ سے مومنؑ Agamemnon ڈالنا آ

۶ اِن مئی ج مئی جی آ Diana. Iphigenia.

زندہ جلا دینے کے عوض کبھی
 میں نے ابھی پورا ذکر اُن کی وحشت اور سنگدلی کا نہیں
 زندہ زمین میں گاڑ دیتے ہیں کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض حصوں میں تو
 یہ غضب ڈھاتے ہیں کہ جلا کر تھی کر دینے کے عوض عورت کو اول رفتہ رفتہ
 گردن تک زمین میں گاڑ دیتے ہیں اور پھر دو تین برہمن یکا یک اگر اسکی
 منڈیا مڑا ڈالتے ہیں۔ اور جب دم نکل جاتا ہے تو مٹی کی ٹوکریاں
 ڈال کر بانوں سے دبا دیتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵۔ تہ جکے سر کے بال گردن کے نیچے تک پڑے ہوئے ہوں اور وہیں
 ہاتھیں کرکٹ میں تیر نکالتی اور بائیں ہاتھ سے پارہ نکلی کو جھبکاتا چاہتا ہوں سنگ سے پکڑے
 ہوئے اور بانوں تک ایک لمبی پوشاک پہنے ہوئے ہو۔ اور اس خیال سے کہ وہ چاند کی آواز
 اُسکے ماتھے کو ہلال کی صورت سے بجاتے تھے۔ ایشیا کو جک کے لوگ ہی اسکو بوجھتے تھے
 اگر مش ہندوستان کی ویشنو دیوی کے) یونانیوں کے عقیدہ کے برخلاف وہ اسکو صرف مخلوق کے پائے
 والی خیال کرتے تھے۔ اور اسلئے اسکی صورت ایک ایسی عورت کی سی بناتے تھے جسکی بہت سی
 چھاتیاں ہوں اور اُسکے پوجاری خوب جے جاتے تھے۔ اسکامند جو شہر ایفیس واقع ایشیائے
 کوچک میں تھا لکھا ہے کہ دو سو تیس برس میں بنکر تیار ہوا تھا۔ اور اس مدت میں ایک سو تیس
 بادشاہوں نے اُسکی تعمیر کیا اور وہ بیدیا تھا۔ یہ مندر چار سو پچیس فٹ لمبا اور دو سو پچیس
 فٹ چوڑا تھا اور سنگ مرمر کے ایک سو تیس ستونوں پر جو ساٹھ ساٹھ فٹ اونچے اور ڈیڑھ ڈیڑھ
 سوٹن (ایک ٹن اٹھائیس ہن انگریزی کا ہوتا ہے) کے وزنی تھے بنایا گیا تھا۔ اور بیسٹ
 ہزار آدمی اُس میں بغراغت بیٹھتے تھے۔ تین سو چھپن برس قبل از ہن عیسوی یعنی
 جس رات کو سکندر اعظم کی ولادت ہوئی اس طے توں نامی ایک شخص نے اس معجزہ نامہ
 خیال سے جلا ڈالا کہ اس حرکت سے اُسکا نام دنیا میں باقی رہ گیا یہ مندر اگرچہ دوبارہ

دیکھا ایک خبر اس اٹھارہ سو تیس عیسوی) بعد درہ گونٹ ہند باب امتناع ہنمستی س م ح

Ephesus

ایفیس۔ اے ف جی س

ار اس طے توں۔ اراش طارٹ وٹس۔

ہندو اپنے مردوں سے کیا سلوک کرتے ہیں

داغ دیکر لاش کو دیہائیں اکثر تو یہی دستور ہے کہ ہندو اپنے مردوں کو جلاتے
ہے اور دینے کی رسم کا ذکر۔

مردے کے کسی عضو کو گھاس بھوس سے جھلس کر ایک اونچے اور سیدھے
کنارہ سے پانی میں ڈھکیں دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس داغ دیکر ہبہ
دینے کی رسم کو گنگا کے کنارے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ لاش کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶۔ ہی بنایا گیا مگر ویسا نہ بنا اور پھر اسکو بھی کاٹھ قوم کے لوگوں نے (جو پڑانے
جہنمی کی ایک مشہور لڑکا اور شہر قوم تھی اس دو سو چھپن عیسوی میں جلا ڈالا اور اسکے بعد پھر
کسی نے اسکو تعمیر نہیں کیا۔ شہر ایفینس شہر از میر سے جو ایشیائے کوچک میں بالفعل سلطنت
ترکیہ عثمانیہ کا ایک حاکم نشین مقام ہے تائیس میل جنوب کی طرف ہے اور ہمارے
زمانہ میں اسکا نام ایازلوک مشہور ہے۔

ایکے مہمن اور انجینیا

قدیم زمانہ میں بحیرہ شام کے کنارے ایشیائے کوچک میں ٹرائے ایک نہایت
عظیم الشان شہر تھا جس کے گرد نہایت مضبوط چکاس ہاتھ اونچی دیوار جس کا محیط چار میل تھا بنی ہوئی
تھی۔ بوڈا کیئر ملقب بہ پرائم جب بیان کارا جہ ہوا تو اس نے اپنے دشمن یونانیوں کے
پاس اپنے بیٹے پیرس نامی کو صلح کا پیام دیکر بھیجا۔ پیرس نے یہ نالائق حرکت کی کہ سپارٹا
کے راجا منی لاس کی رانی ہیلن کو بھیجا لایا۔ اسپرٹونان کے تمام راجاؤں کو نہایت
غصہ ہوا اور اس امر کا بلالینے کو ان کی متفقہ فیج جو ایک لاکھ آدمی کے قریب تھی ایک
ایک سو چھیاسی ہزاروں پر بندرگاہ اس سے جو یونان کے صوبہ یوبیا

(۱) گاتھ Coth (۲) انہی (۳) آئی اٹل ڈک (۴) ٹرائے Troy (۵) پڈ ڈاکس

(۶) پرائم Priam (۷) پیرس Paris (۸) سپارٹا Sparta

(۹) منی لاس Menelaus (۱۰) وٹنن Helen (۱۱) آلش Aulis (۱۲) پڈ ڈاکس

ادھر اودھر چیلوں اور کوڑوں کی ٹکڑیاں کی ٹکڑیاں منڈالتی ہتی ہیں۔ اور یہ پرندے اور دریا کی چھلیاں اور مگر چھہ اُس سے اپنا پیٹ بھرتی ہیں۔

قریب لمرگ بیمار کو بتدیج دریا میں
دوبو دینے کی رسم کا بیاں۔
بعض ایسا بھی کرتے ہیں کہ قریب لمرگ بیمار کو
دریا کے کنارے لے آتے ہیں اور اُسکے

پانوں پانی میں رکھ کر بتدیج اُسکو گردن تک ڈبو دیتے ہیں۔ اور جب
سمجھ لیتے ہیں کہ اب مرنے ہی کو ہے تو سارا بدن ڈبو دیتے ہیں۔ اور
اُسکو وہیں چھوڑ کر اور روپیٹ کر چلے آتے ہیں۔ اس رسم کا جب کو مینے اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے یہ مدعا ہے کہ اس طرح تمام گناہ جن سے مردہ کی روح اپنی جہانی
تعلق سکے وقت ناپاک ہو رہی تھی دھوئے جاتے ہیں۔ یہ بے معنی خیال
عام لوگوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ سینے بڑے بڑے مشہور پڑھے لکھے شخصوں کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷۔ میں ہے سوار ہوئے اور تسی لاس کا بانی ایک کمین بلن کا سپہ سالار
بنا اتفاق سے ایک بارہ سنگا جوڑا سنا کا خاص جانور سمجھا جاتا تھا۔ ایکے منن کے ہاتھ سے شکار
میں مارا گیا۔ اور اسکے بعد مرنے پر ہوا بند ہو گئی اور جو لوگ جہازوں میں ایک قسم کی دبا سے مرنے
لگے جبکہ اپنی جہالت سے انہوں نے ڈانسا کی فحش سے منسوب کیا اور ایکے منن نے بارہ سنگا
مارنے کی ہتیا کا یہ پر اس چپ (یعنی کفارہ) تجویز کیا کہ اپنی بیٹی افیمینیا کو ڈانسا پر قربانی
چڑھانا چاہا۔ جس وقت قریب تھا کہ وہ قربانی ہو جائے تو ڈانسانے خوش ہو کر افیمینیا
کو معاف کر دیا۔ اور اُسکے عوض کوئی اور بے نصیب عورت قربانی کی گئی! اور یونانی
اپنے جہاز پر اسے کی طرف بڑھا لیکن اور دس برس کے محاصرہ کے بعد ایک قریب سے
شہرین داخل ہو کر باشندوں کو قتل کر ڈالا۔ شہر کو جلا کر رکھ دیا۔ کادھیر بنا دیا! خیال کیا جاتا ہے
کہ یہ واقعہ سن گیارہ سو چارسی قبل از سن عیسوی وقوع میں آیا تھا۔ انتہی س م ح

بڑے زور شور سے اسکی تائید کرتے سنا ہے۔



ہندو فقیروں کا حال

گرو یا منست کا ہونا ضروری ہے ہندوستان کے فقیروں اور درویشوں میں جو میٹھا اور طرح طرح کے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی فرقوں میں بہت سے دیرے اور اکھاڑے ہوتے ہیں جن میں ایک ایک گرو یا منست ہوتا ہے جسکے سامنے اسکے چلیوں سے یہ عہد و پیمان لئے جاتے ہیں کہ پارسائی اور ترک دنیا اور عاجزی سے گرو کی اطاعت میں رہ کر زندگی بسر کریں۔

ہندو فقیر خصوصاً جوگی خوفناک اور غیر طبعی طور سے زندگی بسر کرتے ہیں یہ لوگ ایسے عجیب طور پر بے سر کرتے ہیں کہ اگر میں اسکو بیاں کروں مجھے شک ہے کہ آیا اسپر کوئی اعتبار ہی کرلیگا۔ خصوصاً میرا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو جوگی کہلاتے ہیں! اور جسکے معنی ہیں خدا سے ملا ہوا! بہت سے جوگی بالکل تنگ رات دن اکثر تالابوں کے پاس بڑے بڑے درختوں کے نیچے یا مندروں کے ارد گرد کے مکانات میں راکھ کا بستر کئے بیٹھے یا پڑے رہتے ہیں! بعض کی جٹین پٹیلیوں تک لٹکتی ہیں۔ اور الجھکر ان میں اس طرح اگر ہیں بڑجاتی ہیں جس طرح پر کہ ہمارے ملک کے پشمی کتوں کے بالوں میں خصوصاً جن کو وہ آزاد ہو جس کو پولش ڈسیز کہتے ہیں اپڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہت سے

جوگی ایک یا دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے رکھتے ہیں۔ ناخنوں کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ ہر حکم طر جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کے ناخن میری چھنگلیا کے نصف سے جس سے سینے ان کو ناپا تھا زیادہ تھے ان کے بازو ایسے سخت اور غیر طبعی ریاضت کی حالت میں کافی غذا نہ پہنچنے کے سبب ان لوگوں کی طرح جو مزمن بیماریوں میں مبتلا رہ کر مر جاتے ہیں سو کہ نہایت دُبلے پتلے ہو جاتے ہیں۔ اور رگوں اور بٹھوں کے خشک اور سخت ہو جانے کے باعث اس قابل نہیں رہتے کہ جھکا کر ان کچھ مہنہ میں ڈال سکیں! ان فقیروں کے پاس ان کے چیلے حاضر رہتے ہیں جو ان کو نہایت ہی ہمتا تما سمجھ کر ان کا بڑا ادب کرتے ہیں جو گیون کا منگا اور کا لاجسم بے بے بال دُبلے اور تیلی تیلی یائیں اور بل کھائے ہوئے ناخن اور وہ ڈراونی وضع جو سینے بیان کی بہت اس عالم سفلی میں اس سے زیادہ مقہور کل خیال میں نہیں آسکتی۔

ناگے فقیروں اور ان کی نسبت
لوگوں کی خوش اعتقادی کا ذکر
میں نے عموماً بعض بعض راجاؤں کے راج میں ان
ناگے فقیروں کی اکثر ٹولیاں کی ٹولیاں دیکھی
ہیں۔ جنکے دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ بعض کے تو ہاتھ (جیسے کہ اوپر بیان
ہو چکا ہے) اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض کے دہشتناک
بال یا تو کھلے لٹکتے ہیں یا سر کے گرد بندھے ہوئے اور بل دیئے ہوئے
ہوتے ہیں۔ بعض کے پاس ایک بڑا بھاری سونٹا ہوتا ہے۔ اور بعض
کے کا ندھے پر شیر کی خشک اور نالامک کھال ڈالی ہوئی ہوتی ہے۔

اور اس دھج سے میں نے اُن کو سخت بیچیا کی حالت میں بالکل ننگے
بڑے بڑے شہروں میں پھرتے دیکھا ہے۔

اور جیسے کہ ہمارے فرانس کے گلی کوچوں میں کسی راہب
کو پھرتے دیکھ کر کوئی خیال بھی نہیں کرتا ویسے ہی یہاں مرد عورتیں اور
لڑکیاں اُن کو کچھ تعجب کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔ بلکہ عورتیں
بڑے اعتقاد سے اُن کو خیرات لا کر دیتی ہیں۔ اور اُن کو یہ یقین ہے
کہ یہ لوگ بڑے ہی مقدس اور سب سے زیادہ پارسا اور نفس کو قابو
میں رکھنے والے ہیں۔

مشہور و معروف سرمد کا ذکر میں دیر تک سُمرندھن نام ایک مشہور فقیر سے جو
دہلی کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگا مادرزاد بچہ کرتا تھا نفرت
اکرتا رہا۔ اُس نے نہ تو اورنگ زیب کی دھمکیوں ہی کو مانا اور نہ اُس کے
وعدوں ہی کو! اور آخر اسی وجہ سے کہ اُس نے کپڑے پہننے سے
بڑی ضد کے ساتھ بالکل انکار ہی رکھا اُس کا سیر اتارا گیا۔

۱۵ سُمرندھن کا شان کار ہننے والا اور قوم کا یہودی تھا مگر مسلمان ہو گیا تھا اور صاحب علم اور
تجارت پیشہ تھا لکھنا ہے کہ جب یہ بقریب تجارت اپنے وطن ایران سے شہر ٹھیکہ
واقع ملک سندھ میں آیا تو ایک مہاجرین کے لڑکے پر جب کا نام آجے چند تھا عاشق ہو گیا
اور تمام مال و دولت کہو بیٹھا اور دلو انکی کی سی حالت ہو گئی رفتہ رفتہ وہ لڑکا بھی مال و دولت
سے ہاتھ اٹھا اُسی کے رنگ میں مل گیا۔ اور شاہ جہان کے عہد میں دلو بلا اتفاقی دہلی
میں آئے اُس وقت کے اکثر لوگ اُس کو بڑا خداز سیدہ اور عارف موحدا اور صاحب کشف
سمجھتے تھے۔ چونکہ دارا شکوہ بھی جو فقیر دوست تھا اکثر سُمرندھن کے پاس آتا جاتا۔ اور پاؤں
سے اُس کے کشف و کرامات کے تذکرے کرتا رہتا تھا اسلئے شاہ جہان نے عنایت غلام

ہندو فقیروں کی عبادت اور ریاضت کے بہت فقیر لمبی لمبی تیرتھ جاتا کرتے ہیں بعض سخت اور غیر طبعی طریقوں کا ذکر اور سنگی نسبت مصنف کے ابتدائی خیالات ہوتے بلکہ بڑی بڑی لوہے کی

زنجیروں سے جیسی کہ ہاتھیوں کے بانوؤں میں پڑی ہوئی ہوتی ہیں لہے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سے فقیروں کو دیکھا ہے کہ جو کسی خاص پیشیا کی خاطر سات آٹھ روز تک بغیر اسکے کہ کبھی بیٹھ جائیں یا پڑ جائیں سید ہے کھڑے رہتے ہیں۔ اور بچہ اسکے کہ رات کے وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱۔ نامی ایک امیر کو اسکے شخص حال کیو سطر مامور کیا اور اسے سرمد کو دیکھ کر بطور عوض حال اگر یہ شہر چھوڑے سرمد پر ہندو کرامات تہمت است کہ کشف کذا ہرست از کشف عورت است جب تہا جہاں کو اور نگاہ زیب نے قید کر لیا۔ اور داراشکوہ گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو ملا شیخ عبدالقوی کو جو بڑا عالم تھا اور اعتماد خاں کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب رکھتا تھا حکم ہوا کہ سرمد کو کچھ پینے کا حکم دیوے۔ پس سرمد طلب ہوا۔ اور ملا نے اس سے چھپا کہ دعوایاں چرا بیاباشی، سرمد نے اس کا یہ طریقہ جواب دیا کہ دو شیطان قوی ست، میں ملانے اور علمائے اتفاق راے سے اسکے قتل کا فتویٰ لکھا۔ اور بادشاہ زاد کو منظور کیا۔ لکھا ہے کہ جب جلاوطنوں کے سامنے آیا تو سرمد نے کہا دو سرمد کا راز تم شوخیکہ بابا یار بود کہ قصہ کو تکرار نہ در سر بسیار بود، اور عاقل خاں رازی نے اپنی مختصر تاریخ عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ جب جلاوطن کر کے لگا تو سرمد نے نہایت بے تکلفی اور سہیلی کی حالت میں آخر وقت یہ شعر پڑھا دوعیا فی تن بود غبار و رہ دوست کہ آن نیز بہ تیغ از سر ما و اگر زند، سرمد کو شعر گوئی میں بھی اچھا دخل تھا۔ چنانچہ اس کا دیوان رباعیات جو چھوٹا سا ہے۔ انہیں دونوں یعنی سن اٹھارہ سو چوراسی میں جبکہ یہ کتاب تیار کی جا رہی ہے۔ شہر دہلی میں چھپ بھی گیا ہے۔ سرمد کی قبر مسجد جامع دہلی کے قریب ہی ہے اور لوگ اس پر اکثر اچھول جڑا تے اور دشمنی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور سرمد کے قتل کی نسبت اب تک عام گمان یہ ہے کہ محض داراشکوہ کی دوستی اس بچارہ کو قتل کا باعث ہوئی تھی فقط اس طرح

چند گھنٹے ایک طناب کے سہارے آگے کو جھک جائیں اور کوئی سہارا نہیں لیتے اور اس عرصہ میں انکی پنڈلیاں سوچکر انوں کے برابر پہنچاتی ہیں۔ بعض کو مینے دیکھا ہے کہ گھنٹوں ہاتھوں کے بل سر نیچے اور پانوں اوپر پڑے استقلال سے کھڑے رہتے ہیں!

میں ایسی ہی اور بہت سی حالتوں کے نام لے سکتا ہوں جن میں کہ یہ بے نصیب لوگ اپنے جسم کو بیفائدہ دکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی صورتیں تو ایسی سخت اور مشکل ہیں کہ ہمارے ملک کے نٹ بھی ان کی تقلید نہیں کر سکتے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تمام باتیں تقویٰ اور دینداری کے ایک مفروضہ خیال سے کیجاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی تقویٰ اور دینداری نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا!

جب میں پہلے پہل ہندوستان میں آیا تو ان لوگوں کے یہ سید توہمات دیکھ کر حیراں رہ گیا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کی نسبت کیا رائے قائم کروں بعض اوقات تو میں اس خیال کی طرف مائل ہوتا تھا کہ یہ فقیر اگر حکمائے قدیم یونان کے اُس پرانے اور بدنام فرقہ کے جن کا نام دو لکھسے نکس (یعنی کلیسین) تھا بانی نہیں ہیں تو ان کا بقیہ تو ضرور ہیں۔ بشرطیکہ ان میں

۱۵ زبان یونانی میں لفظ سے نک کے معنی کٹ کھنے کتے کے ہیں۔ اور حرف (س) علت جمع کی ہے۔ چونکہ اس قدیم فرقے کے حکما کو اپنے اس طرز زندگی پر بڑا گھمنٹ تھا کہ ہم مال و دولت اور علوم فنون اور حرفت و صنعت اور کمو و لعب سے نفرت کرتے ہیں اسلئے بلحاظ ان کی ترش روی اور بد مزاجی کے ان کا یہ لقب پڑ گیا تھا۔ س م ح۔

سے نکس (س) ن ک س Cynics (کلیسین) (کل بی وی ن)

حیوانیت اور جہالت کے سوا اور کوئی بات دیکھ پاتا۔ یا اگر مجھے ان میں آدمی کی ظاہری شکل صورت کے سوا کوئی بات انسانیت کی بھی دیکھائی دیتی کہی مجھے یہ خیال گزرتا تھا کہ اگرچہ مجھ کو گمراہ ہیں مگر میں سچے فقیر۔ لیکن آخر کار معلوم ہو گیا کہ حقیقت میں یہ لوگ تقویٰ اور تقدس سے جہاں تک خیال کیا جائے بالکل مُعرا ہیں مینے پھر یہ خیال کیا کہ آوارہ گردی اور سستی اور مطلق العنانی کی زندگی ان پر قوی اثر رکھتی ہے۔ اور ان کو بھی معلوم ہوتی ہے۔ یا سمجھ کہ خود پسندی جو انسان کے ہر کام میں ملی ہوئی ہے۔ اور جو دیوچانس کی چھٹی

۵ دیوچانس جو حکمرانوں میں مشہور حکیم گزرا ہے مذکورہ بالا سے ننگ درقین سے تھا اور اسی وجہ سے اہل عرب اس کو دیوچانس کہتی ہیں۔ یہ شہر کارنٹھہ کا رہنے والا تھا اور چار سو بیس برس قبل از سن عیسوی پیدا ہوا تھا اور چھپیا نوے برس کا ہو کر سن تین سو چوبیس قبل از سن عیسوی میں فوت ہوا۔ یہ تارک الدنیا تھا اور موٹے چھوٹے کپڑے پہنے اور ایک لکڑی کا پیاسر پہنچا تھا۔ ننگے پاؤں پڑا پھرا کرتا تھا اور جو کچھ مل جاتا تھا لیتا اور جہاں جانتا سوتا اور کبھی اس لکڑی کے پیپہ میں بیٹھ کر آرام لے لیتا تھا! لکھا ہے کہ جب سکندر اعظم نے شہر کارنٹھہ کو فتح کیا اور اس کی ملاقات کو گیا تو اس وقت یہ سورج تھا سکندر نے ٹھوکر مار کر کہا کہ تو بڑا سوتا ہے اور تیرا شہر مینے فتح کر لیا۔ اس نے جواب دیا کہ شہروں کا فتح کرنا یا دشمنوں کا کام ہے۔ لیکن لات مارنا کہ صوفی کی خدمت ہے۔ سکندر نے خفا ہو کر کہا کہ شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ تجھ کو کبھی مجھ سے غرض نہ پڑیگی اور یہ ممکن نہیں ہے اپنے لگاؤ کو اپنے غلام کے غلام سے کبھی غرض نہ پڑیگی۔ سکندر نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہنا تو! کیونکہ حرص و شہوت کو مینے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور تو ان کا غلام ہے! ایک روز سکندر نے اس سے پوچھا کہ نیکی کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے؟ جواب دیا نیکی کام کرنے سے! اور تو تو ایک دن میں وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے جو وہ لوگ برسوں میں نہیں کر سکتے! لکھا ہے کہ ایک روز سکندر جو اس کی ملاقات کو گیا تو یہ اپنے اُس لکڑی کے پیپہ پر بیٹھا ہوا دھوپ کھا رہا تھا سکندر نے کہا کہ کوئی خدمت فرمائیے۔ جواب دیا کہ بس یہی خدمت ہے کہ آپ پر سے ہٹ جائیں اور میری دھوپ نہ روکیں فقط ماخوذ از تاریخ التواریخ و جام جم۔ س م ح۔

پُرانی گدڑی میں ایسی ہی صاف معلوم ہوتی تھی جیسے کہ افلاطون کے خوشنما لباس میں۔ ان تمام عجوبہ کاریوں کی پوشیدہ باعث ہوگی۔

۱۰ افلاطون چار سو برس قبل مسیحوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور اکیاسی برس کا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ سقراط کا شاگرد اور اسطو کا استاد تھا! پس اسی سے سمجھ لیتا چاہیے کہ یہ کیسا شخص تھا۔ ابتدا عمر میں اسکو کشتی اور شعر گوئی کا شوق تھا۔ اور بہت ہی خوب شعر کہتا تھا۔ مگر سقراط کی نصیحت سے شعر کہنا چھوڑ دیا اور تحصیل فلسفہ کی طرف متوجہ ہوا اور اول سقراط سے اور اسکی وفات کے بعد مقوقیہ میں تحصیل علوم کرتا رہا یہ بہت خوبصورت خوش وضع اور خوش اخلاق آدمی تھا اور اپنے اور بیگانہ سے برابر احسان اور نیکوئی سے بڑا تھا۔ تنہا نے مختلف علوم میں چھوٹی بڑی اکٹھے کتابیں اپنی تصنیفات سے دنیا میں چھوڑیں۔ مرنے کے بعد یہ اُس بلغم میں دفن کیا گیا جو اسکی ملکیت سے تھا۔ اور اسکی متروکات پانی پینے کا ایک پیالہ اور ایک ٹوٹا اور سونے کا ایک کان کا بیٹھا تھا جسکو بچپن میں پہنا کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے جو ہمیشہ سے بغیر کسی سہارے کے موجود ہے۔ اور اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ اور ازل میں اسکے وجود کے ساتھ کوئی عقلی وجود نہ تھا لہذا مثالیں جن سے اسکی ہر اچھ مہر وادریسہ چیزیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں اور تمام محسوس اور مادی صورتیں انہیں اکلیات بیلہ کی خبریات میں اور اس جہاں میں جو کچھ موجود ہے وہ اس جہاں یعنی عالم مثال کا نمونہ ہے اور یہ کہ ہر افر کے لئے ایسے موٹر کا ہونا ضروری ہے جو کسی نہ کسی طور پر اس اثر سے مشابہت رکھتا ہو۔ مطلب یہ کہ عالم مثال یا عالم مجرات عالم کلی ہے اور عالم مادی یا عالم مرکبات عالم جزئی ہے۔ اور جو کچھ اس عالم جزئی میں ہے وہ اس عالم کلی کا نمونہ ہے۔

(ماخوذ از نسخ التواریخ) س م ح۔

ہندو فقیروں کا نہایت سخت ریاضتیں منے سنا ہے کہ یہ فقیر بڑی بڑی سخت کرنا اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ دوسرے تپشیا اس امید کرتے ہیں کہ ہم اگلے جنم میں اس کا نہایت عمدہ ثمر ملے گا۔ جنم میں راجہ ہو جائینگے۔ اور اگر راجہ نہ بھی

ہو سکے تو ہماری حالت زندگی ایسی تو ضرور ہوگی کہ ہم کو ان سے بھی زیادہ آرام و عیش حاصل ہوں۔ لیکن جیسے کہ اکثر ان سے میرا قول تھا یہ کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ اگلی زندگی کی خاطر اس زندگی کو مصیبت سے کاٹا جائے۔ حالانکہ وہ زندگی بھی بالضرور ایسی ہی مختصر اور بے تحقیق ہوگی جیسی کہ یہ زندگی ہے۔ اور حسین زیادہ آرام اور خوشی ملنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔ خواہ کوئی شخص اودے پور کے رانا ہی کے رتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے اور خواہ اسکی حالت ہندوستان کے دو طاقتور راجاؤں جیسے سنگھ اور جسونت سنگھ ہی کے مشابہ کیوں نہ ہو جائے! منے ان سے کہہ دیا کہ میں تو ایسی جلدی تمہارے قریب میں آتا نہیں۔ کیونکہ یہ تو تم سخت احمق ہو یا تم کو خراب ارادوں کی تحریک ہے جبکہ تم ہوشیاری کے ساتھ دنیا سے چھپاتے ہو۔

بعض خدا رسیدہ اور کامل جوگیوں کے طرز بعض فقیروں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بڑے پودو باش اور مراقبہ اور حالت محویت کا روشن ضمیر سنت اور کامل جوگی اور حقیقت میں سیاں اور اسکی نسبت معصفا کی رائے

تارک الدنیا ہونے کا گمان ہے۔ یہ فقیر ہمارے راہیوں کی طرح آبادی سے دور کسی بلغم میں تنہا زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور شہر میں کبھی نہیں آتے۔ کوئی ان کو بھوجنہ لا کر دیدے تو لے لیتے ہیں۔ اور اگر نہ لائے تو لوگوں

کو یہ خیال ہے کہ بغیر بھوجن کے بھی یہ مہاتما سادہ روزندہ رہ سکتے ہیں اور اپنی پہلی فاقہ کشیوں اور نفس کشیوں کی بدولت یہ خدا کو بھروسہ پر جیتے ہیں یہ مقدس جوگی اکثر مراقبہ میں محو رہتے ہیں۔ ان کا یہ ادعا ہے اور ایک فقیر نے جسے لوگ بہت ہی مانتے تھے خود مجھ سے کہا کہ ہماری روحیں گھنٹوں بے خودی اور استغراق کی حالت میں رہتی ہیں۔ ہمارے حواس ظاہری معطل ہو جاتے ہیں۔ اور جو گیوں کو خدا کا دیدار حاصل ہوتا ہے جو ایک ناقابل بیان سفید اور چمکدار نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور ہر کو دنیا کے الجھتیوں سے ایسی نفرت ہو جاتی ہے۔ اور سرور خالص کی حالت میں ہم ایسے محو ہو جاتے ہیں جو قابل بیان نہیں۔ اور میرے ان مقدس سنت صاحب نے جو مجھے یہ کیفیت بتا رہے تھے کہا کہ میں جب چاہتا ہوں گھنٹوں ایسی محویت کی حالت میں ہو جاتا ہوں۔

جو لوگ جو گیوں کے پاس آتے جاتے ہیں ان میں سے کسی کو ان لاف و گرائف کے استغرافات کے سچ ہونے میں شک نہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ امر ممکن ہے کہ انسان کا دل ہمیشہ کی تنہائی اور فاقہ کشیوں کی وجہ سے کمزور ہو کر اس قسم کے تخیلات میں پڑ جاتا ہوگا۔ یا ان فقیروں کے یہ استغرافات ان ضعیف بے خودیوں کے مشابہ ہوں گے جنکی نسبت گارڈن کا قول ہے کہ وہ جب چاہتا تھا اس حالت میں ہو جاتا تھا۔

† جے روم کاؤنٹننگ ایملی کارپنٹر مالاس پنڈہ سو ایک عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور اپنے

الحاج سے روم تک آؤٹا Jerome Cardan، اٹلی، Italy

جو گیوں کے تصور اور دھیان یہ خیال باس وجہ سے بالتخصیص قریب القیاس
جمانے کے طریقہ کا بیان ہے کہ یہ لوگ اپنے ان اشغال میں کسی نہ کسی

کرتب کو دخل دیتے ہیں۔ چنانچہ جو اس کو بتدریج روکنے کی غرض سے
وہ اپنے لئے خاص خاص قاعدے مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا بیان ہے
کہ بہت سے دونوں تک کھانا پینا ترک کر نیکی بعد کسی تخلیقی جگہ میں تنہا
بیٹھنا اور بڑے استقلال سے نظر کو آسمان کی طرف جمانا چاہیئے۔ اور جب
کچھ عرصہ تک اس کے عامل ہو جائیں تو پھر دونوں آنکھوں کو بند پیچ نیچے
کو کریں۔ اور اس طرح پر دھیان جائیں کہ ایک ہی وقت میں ناک کی پھینک
اور ناک کے دونوں اطراف برابر دکھلائی دینے لگیں۔ اور یہ تصور کا
طریق علی الاتصال اُس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک کہ نور عرفان
صاف جلوہ گر ہو جائے! یہ تصور اور مراقبہ اور اسکے حاصل کرنے کا طریقہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰۔ زمانہ کا ایک مشہور طبیب اور ریاضی داں اور فلسفی تھا۔ اس عجیب
شخص کے سونے عمر ہی عجیب ہی ہیں۔ اس کا باپ شہر میلان میں ایک اچھا ذی مقدور شخص تھا
مگر بچے روز بروز سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں روز ولادت سے عجیب توں اور افلاس میں رہا ہوں۔
مورخین لکھتے ہیں کہ یہ اپنے باپ کا شرعی میٹانہ تھا اور جب وہ حمل میں تھا تو اسکی ماں نے
ہر چند اسقاط کے لئے کئی دفعہ کوششیں کیں مگر یہ سخت جان بچہ گر نہ نکلا اور آخر کار
جب نکلا تو اس طرح کہ اسکی ماں کا پہلو چیر کر نکلا گیا۔ روز پیدائش سے یہ بچہ بڑا ضعیف نکلا
تھا اور اس کے علاوہ اس کے باپ کے گھر میں اسکے ساتھ کبھی مسیح کی بدسلوکیاں
بھی ہوتی رہتی تھیں۔ مگر تحصیل ریاضیات میں اسنے پھر بھی بہت بڑی ترقی کی۔ اور
اگرچہ ابتدا میں فرانسس کن گروہ کے تارک الہ نیادور ویشوں میں شامل ہو گیا تھا

ہندو جو گیوں اور مسلمان صوفیوں میں ایک بڑی بھاری راز کی بات ہے اور میں اس کو راز اس لئے کہتا ہوں کہ وہ اُن باتوں کو آپس ہی میں پوشیدہ رکھتے ہیں! اور ایک ہندو پنڈت کی مدد کے بغیر جس کو دانشمند خان نے نوکر رکھ لیا تھا اور جو اپنے آقا سے کوئی بات چھپانہ سکتا تھا مجھ کو یہ معلومات ہرگز حاصل نہ ہوتیں اور ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میرا آقا صوفیوں کے مسائل سے پہلے ہی سے واقف تھا۔

جو گیوں کے درویش صورت اُن فقیروں کی صورتیں جو بظاہر درویشانہ نظر دیکھائی دینے کی وجہ سے - آتی ہیں - اس کا بڑا سبب میرے گمان میں یہ ہے - کہ ریاضات شاقہ اور مدتوں کے بڑت اور فاقہ کشیان اور سخت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸۔ مگر تھوڑے دنوں بعد اس نے اُس گوشہ نشینی کے طریق کو ترک کر کے بہت شوق سے علم طب اور علم فلسفہ کو حاصل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ اُلمی کے ایک مشہور و معروف مدرسہ طبی سے ایم۔ ڈی۔ کی ڈگری یعنی خطاب ڈاکٹری حاصل کیا۔ اس مدرسہ میں یہ ایسا مستعد طالب علم تھا کہ اپنے مدرس کی غیر موجودگی میں اقلیدس اور متناقی کی جماعتوں کو جنو و تعلیم دیا کرتا تھا اور آخر اس کے علم و فضل و طبابت کی شہرت اس قدر ہوئی کہ اُس وقت کے بڑے اُمرا اور بادشاہوں سے بھی اس کی ملاقاتیں ہوئیں اور کئی جگہ اُمرا نے اپنے طبی مدارس میں اس کو مدرس و خیر بھی مقرر کیا۔ مگر اس کا قیدی رفیق افلاس اس کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار سن چندرہ سوستر عیسوی میں زیر باری قرض کے باعث کچھ عرصہ تک قید بھی رہا۔ اور جب وہاں سے رہائی پائی تو بوب گریویر سیزم کے پاس چلا گیا۔ جس نے ازراہ قدر دانی اس کو اپنے مدرسۃ الاطباء کا ایک ممبر مقرر کر کے گزراوقات کے لئے کچھ پیش بھی کر دی۔ اور اس نے بقیہ عمر گوشہ روم ہی میں بسر کر کے بعد اختتام اپنی کتاب سوانح عمری کے

حالت افلاس ان کو دیکھنے میں ایسا بنا دیتی ہیں۔

ہندو قیروں اور ایشیا کے بعض عیسائی فرقوں اور یورپ کے راہبوں کے طریق ریاضت کا مقابلہ

مذہبی فرقوں سے وہ کبھی فوقیت لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر طریق عبادت دریاضت اور روزہ داری وغیرہ میں ارمنی قبطنی یونانی نسطوری جیسے کو بٹ یعنی یعقوبی اور نئے رومنٹ عیسائیوں کو نظر مقابلہ دیکھا جائے تو ہمارے یورپین زاد بالکل مبتدی معلوم ہوں گے مگر ہاں اس تجربہ کی رو سے جو مجھے ہندوستان میں ہوا ہے یہ بات ضرور قابل تسلیم ہے کہ جس قدر تکلیف فاقہ اور روزہ رکھنے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰۔ سن بندہ سوچتے ہیں عیسوی میں قصاک۔! یہ شخص احکام نجوم کا اس قدر معتقد تھا کہ ایک بار اس نے ملک سکالینڈ کے ایک مشہور و معروف باوری کو جو سخت مریض تھا۔ اور جس کو جسمانی کے بڑے بڑے نامی ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اپنے معالج سے تندرست کیا۔ مگر اپنی اس کامیابی کی نسبت اس کو بھی خیال تھا کہ چونکہ میں نے اسکی جنم پیری کے حساب کو خوب ملح سمجھ کر علاج کیا تھا محض اس وجہ سے یہ فائدہ ہوا ہے! اس کے شدت اعتقاد نجوم کی نسبت اس کے زمانہ کے دو مشہور عالموں نے ایک یہ روایت بھی کی ہے کہ اس نے اپنی جنم پیری کی رو سے اپنی عمر کی ایک حد قرار دے رکھی تھی۔ پس جب وہ وقت قریب آیا چونکہ یہ بھلا چنگا تھا اور کوئی بیماری وغیرہ نہ تھی جس سے مرگ کا گمان ہو سکتا اس وجہ سے آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مبادا میری جنم پیری کا حساب غلط ہو جائے! اس لئے اس قدر بھوکا مرنے شروع کیا کہ آخر جنم پیری کی بدولت گئی! اسکی تصانیف کے رسالے اور کتابیں بیعت۔ ریاضیات۔ علم حکمت۔ فن احکام نجوم۔ فصاحت و بلاغت۔ تاریخ اخلاقیات

فرنگستان کے سرد ملکوں میں ہوتی ہے۔ ہندوستان وغیرہ میں اتنی نہیں معلوم ہوتی۔

منوس اور شعبہ باز اور منیر اب میں ایسے فقیروں کا ذکر کرتا ہوں جو ان فقیروں بتلانے والے ترو جو گیز کا ذکر سے جنکا بیان اوپر ہو چکا ہے بالکل مختلف ہیں!

مگر میں یہ بھی عجیب لوگ! یہ ہمیشہ تمام ملک میں برابر پھرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کو فضول بتلاتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا انکی زندگی کیسی بیفکر بسر ہوتی ہے۔ اور بڑے راز داں ہونے کا ادعا کرتے ہیں۔ عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ مقبول شخص سونا بنانا جانتے ہیں۔ اور بارہ کو ایسے عمدہ طور سے تیار کر سکتے ہیں کہ ہر صبح کو ایک دو چاول کی برابر کھانے سے بیمار آدمی تندرست اور توانا ہو جاتا ہے۔ اور عمدہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ شوق سے جتنا چاہے کھائے اور آسانی سے ہضم ہو جائے۔ اور صبر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰۔ نطق۔ نیچرل ہسٹری یعنی علم ماہیت و حقائق طبیعیات۔ موسیقی علم الادب فن تشریح وغیرہ میں بہت قدر لو ایک سو بائیس ہیں۔ اور ان میں طرح طرح کے بیان ہیں۔ مگر اس شخص نے مسائل علمیہ کے ساتھ اپنے مبالغہ آمیز تخیلات اور یہودہ تصورات کو ان سب میں شامل کر دیا ہے۔ اور بسبب اسکے کہ وہ سن طفولیت سے آخر عمر تک بدسلوکیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا اسکے مزاج میں تلخی و تندی اور انتقام پسندی کی علامت تھی اور اسکی خصلت اور مزاج اس درجہ زالا اور انوکھا تھا کہ لوگ اسکو عموماً پاگل اور جھٹلی کہتے تھے اور وہ اپنے آپ کو نوع انسان سے بالکل علیحدہ سمجھتا تھا اور اس عجیب بات کا اسکو پکا یقین تھا کہ میرے سامنے ہمیشہ ایک ایسی روح جسکیں بخوبی پہچانتا ہوں حاضر رہتی ہے اور اسکے باعث سے میں جب چاہتا ہوں عالم ارواح سے بات چیت کر لیتا ہوں (ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) س م ج۔

یہی نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کے دو جوگی جب کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور ان میں تقابل کا جوش پیدا ہوتا ہے تو اپنے فن کی ایسی عجیب عجیب طاقتیں ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آیا ”سیمن میگس“ بھی باوجود اپنی تمام شعبہ بازیوں کے ایسے عجیب کام کر سکتا تھا یا نہیں۔ وہ کسی شخص کے دل کا جھید بتلا دینے اور گھنٹہ بھر میں درخت کی ایک شاخ کو زمین میں گاڑ کر اس میں پتے اور پھول پھل لگا دیتے ہیں۔ اور پاؤ گھنٹہ سے کم عرصہ میں انڈے کو بغل میں لیکر جو جانور کوئی چاہے وہی پیدا کر دیتے ہیں جو کمرے میں ادھر ادھر اڑنے لگتا ہے اور بہت سے اور ایسے ہی تماشے کرتے ہیں جنکے بیان کی ضرورت نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جو کچھ ان شعبہ بازوں کی نسبت بیان کرتے ہیں میں اُسکے سچ ہونے کے باب میں اپنی شہادت نہیں دے سکتا۔ میرے آقا نے ان میں سے ایک کو بلایا اور وعدہ کیا کہ اگر تو کل کو میرے دل کی بات بتلا دے گیگا تو میں تین سو روپیے تجھے دوں گا۔ اور اس خیال سے کہ میری طرف سے بے ایمانی کا گمان نہ ہو میں اس بات کو ابھی تیرے روبرو کاغذ پر لکھ دوں گا اسی وقت میں نے یہ کہا کہ اگر تو میرے دل کی بات بتلا دے گیگا تو میں تیرے پاس ہی نذر کر دوں گا۔ مگر وہ غیب گو پھر ہمارے مکان کے پاس ہی نہ پھٹکا۔ !!! ایک مرتبہ پھر میں نے ایک شعبہ باز کو کسی بات پر پینل روپیے دینے کا وعدہ کیا مگر میں پھر بھی محروم و مایوس ہی رہا! اگرچہ

Simon Magus اس شخص کا حال باوصف تلاش کے کہیں نہیں ملا۔ م۔ م۔

میں انکی ہر بات کی کُنہ کو پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ میری بد قسمتی تھی کہ میں نے کبھی کوئی ایسا عجیب تماشا نہ دیکھا جو سمجھ میں نہ آ سکے۔ اور جب میں کسی ایسے تماشے کے ہوتے جا نکلتا تھا جبکہ دیکھ کر لوگ متحیر تھے تو یہ عموماً میری بد قسمتی تھی کہ میں اُن سے بہت سے سوال کیا کرتا اور اُن کا اُتھاں لے کے جاتا تا وقتیکہ مجھے یقین نہ ہو جاتا کہ اُس میں کیا فریب ہے یا کیا ہتھ پیری ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کا فریب پکڑ لیا تھا! جس نے دعویٰ کیا تھا کہ کٹورا ڈرانے سے میں اُس شخص کو بتلا دوں گا جسے میرے آقا کا روپیہ چورایا تھا۔

جین کے سادھوؤں اور انکی ناپا سائی لیکن بھر حال ایسے فقیر ہی ہیں جو ان فقیروں اور اس غلط فہمی کا ذکر اپنے فرقہ کے سے جو کا ہم ذکر کرتے آئے ہیں بہت لئے ہم بھی بیزلہ پا دیوں کے ہیں چپ چاپ اور شایستہ صورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور انکی زندگی کا طرز اور طریق عبادت ہی اتنا فضول نہیں ہے! یہ ایک دھوتی باندھے ہوئے جو انکے گھٹنوں تک ہوا کرتی ہے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے جو دائیں بغل کے نیچے سے ہو کر بائیں کاندھے پر جا گرتی ہے سر دبا ہینہ گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے ہیں۔ اور اسکے سوا اور کوئی کپڑا انکے بدن پر نہیں ہوتا مگر ان کے جسم ہمیشہ چمکے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ بھر صورت صاف معلوم ہوتے ہیں۔ عموماً وہ بڑے اعتدال کے طریق کے ساتھ دو دو ہو کر بھرتے ہیں اور ہاتھ میں ایک ۱۵ یہ لوگ نہاتے تو نہیں البتہ کپڑا کر کے بدن کو اس سے ہمیشہ صاف کر لیتے ہیں۔ س م ج

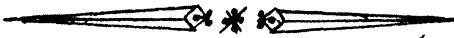
چھوٹا سا خوبصورت مٹی کا پیالہ ہوتا ہے۔ جسکے تین پائے اور دو دستے ہوتے ہیں۔ بچہ اور فقیروں کی طرح دکان دکان مانگتے نہیں پھرتے بلکہ بے تکلف ہندوؤں کے گھروں میں چلے جاتے ہیں جہاں انکی بڑی آدابجگت ہوتی ہے۔ اور ان کا آنا گھر والوں کے واسطے موجب برکت گنا جاتا ہے۔

ان پاک فقیروں اور گھر کی عورتوں میں جو کچھ حال گزرتا ہے اگرچہ اُسکو سب لوگ جانتے ہیں مگر جو کوئی ایسا الزام اُن کو لگا دے تو اُسکا خدا ہی حافظ ہے مگر اس بات کو اس ملک کی رسم خیال کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اُن کے تقدس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ گھروں کی عورتوں کے ساتھ ان فقیروں کے جو جو معاملات گزرتے ہیں اُن کے بیان پر میں چند ان زور دینا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں صرف شہنشاہ مغلیہ ہی کی سلطنت میں نہیں ہوتیں! لیکن بڑی ہنسی کی بات حقیقت میں یہ ہے کہ یہ بے ادب ہمارے پادریوں مقیم ہندوستان کے ساتھ اپنا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات میں ان کی خود پسندی اور ضعیف العقلی سے خوب اپنا جی بہلا سب کرتا تھا اور ان سے بڑے خلع اور ملازمت سے بولتا۔ اور بظاہر بڑا ادب کرتا تھا۔ چنانچہ فوراً آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر کے وہ یوں

ایک دوسرے کا ٹھکانہ بن جاتے تھے کہ ہوتا ہے جیکے اکثر نہایت چھوٹے

چھوٹے تین پائے ہی ہوتے تھے اُنکی اصطلاح میں پاترا اور پاتری کہتے ہیں۔ س م ح

کہنے لگتے تھے ”یہ فرنگی جانتا ہے کہ ہم کون ہیں یہ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم ہندوؤں کے پادری ہیں“



ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور علوم و فنون وغیرہ

ہندوؤں کے قوانین مذہبی اور
 میں ان فقہروں کا بہت کچھ ذکر کر چکا اور اب
 مجھے ان کے دھرم شاستر اور اور علوم کی
 علوم و فنون وغیرہ کا ذکر

پوٹھیوں کا ذکر کرنا چاہیے۔ اگرچہ میں زبان سنسکرت سے جو اب ہندوستان کے خاص پنڈتوں اور غالباً قدیم زمانہ کے کل برہمنوں کی عام زبان تھی نا آشنا ہوں اور باوجود اس کے سنسکرت کی پوٹھیوں کا ذکر کرتا ہوں تو کچھ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ میرے آقا دانشمند خان نے کچھ تو میری درخواست سے اور کچھ اپنے شوق کی خاطر ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت کو نوکر کر لیا تھا جو پہلے شاہجہان کے بڑے بیٹے داراشکوہ کی سرکار سے متعلق تھا۔ اور تین سال کے عرصہ میں صرف یہی شخص میرا ہمیشہ کا ہم صحبت نہ تھا بلکہ اُس نے اور کئی بڑے بڑیا دان پنڈتوں سے میری ملاقات کرادی تھی جنکو وہ اپنے ساتھ لے آیا کرتا تھا۔ اجب میں اپنے آقا کو پینکٹ اور ہارڈے کے علم تشریح کی معلومات جدیدہ کا حال سنا تے

۱۵ ڈاکٹر پیکٹ Peguet ایک فرانسیسی طبیب تعلیم یافتہ مدرسہ مونٹ پیلیر

montpettier واقع فرانس کا تھا اس نامور محقق نے سن ہولہ سونیتالیس عیسوی میں

۱۶ ڈاکٹر ولیم ہارڈے Harrey قوم انگریز سے تھا۔ یکم اپریل سن پندرہ سو اسی

سناتے تھک جاتا اور گینٹ ٹری اور ڈسکارٹس کے فلسفہ پر جب کامینے

بقیہ حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۰۵۔ میں برخلاف عقیدہ جمہور اطباء و متقدیس کے یہی بات نکالی کہ حکیم کو خون بنانے سے کچھ تعلق نہیں بلکہ عروق اسارقیا سے صفوت کیلوس اول شکل ایک سفید رطوبت کے ایک بڑی رگ میں سے ہو کر قلب کے دائیں خانہ میں جا کر تبدیل بخون ہو جاتی ہے۔ !!!

بقیہ حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۰۵۔ شہر فوکسٹون واقع صوبہ کینیٹا میں پیدا ہوا۔ انیس برس کی عمر میں کیمبرج کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کر کے شہر پاڈوا واقع ملک اطلی کے مدرسہ طبی میں جو اس زمانہ میں بہت مشہور مدرسہ اس فن کا تھا داخل ہوا۔ اور بڑے بڑے نامی استادوں سے تعلیم پا کر جو بیس برس کی عمر میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہاں سے اپنے وطن انگلینڈ میں واپس آکر لندن میں سکونت اختیار کی۔ سن سولہ سو پندرہ عیسوی میں یہ شخص انگلستان کے ایک طبی مدرسہ میں فن تشریح اور جراحی کا لیکچرر مقرر ہوا۔ اور یہاں اسنے اپنی تحقیقات کے جدید مسئلہ دوران خون کو ظاہر کیا۔ اور کئی برس تک اپنے اور یورپ کے اڈر ملکوں کے ڈاکٹروں کے ساتھ بحث مباحثے کر کے اس مسئلہ کو ثابت کر دکھایا۔ ڈاکٹر ہاروے اپنی لیاقتوں کے باعث انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کا طبیب مقرر ہوا اور اس کے بعد بادشاہ چارلس اول کا بھی بہت ذی اعتماد رہا۔ اور جبکہ اسکی شہرت و ناموری تمام فرنگستان میں پھیل چکی تھی تیسری جوں سن سولہ سو شان عیسوی کو انہی برس کی عمر میں مرض فالج سے قصدا کی حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں محققوں کے ان نئے مسائل خصوص ہاروے کے مسئلہ دوران خون نے فن طب میں ایسے عجیب انقلاب پیدا کئے ہیں کہ گویا طبابت قدیم کے اصول ہی کو بدل ڈالا ہے۔ (۱) ماخوذ از ان سائیکلو پیڈیا ریٹینیکا۔ سن م ح۔

۴۰۵ ڈس کارٹس جیکوڈی کارٹس بولتے ہیں مشاہیر حکماء فرانس سے ہے جوں پندرہ سو چھیا نوے عیسوی میں پیدا ہوا تھا اور سن سولہ سو پچاس عیدہ بی میں مرا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے علم مناظرہ مرا کے مسائل کو دلائل ہندی سے ثابت کیا۔ اور خاص مقناطیس کے باب میں تجربات کثیر حاصل کئے اور بسبب اپنی خاص راپون کے محمد و علم

(۱) ن ڈک سٹ: Folkstone (۲) کے نے ج Kent

Charles (۴) James (۵) Padma (۶) Cambridge (۷)

اپنے آقا کو فارسی میں ترجمہ کر دیا تھا اور پانچ چھ سال تک بالخصوص میرا یہی شغل تھا، گفتگو کرتے کرتے تنگ ہو جاتا تھا تو اس وقت ہم اپنے اپنڈت کی طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ہاں پنڈت جی۔ اَب آپ کی باری ہے۔ اپنے طور پر بحث کیجئے اور اپنے افسانے سنائیے! چنانچہ وہ نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ۔ بیان تک کہ اثنائے گفتگو میں کبھی تبسم تک نہ کرتا تھا اپنی باتیں سناتا تھا۔ لیکن آخر کار ہم اُس کی کسانوں اور لڑکوں کی سی دلیلوں سے ناخوش ہو گئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶۔ فلسفہ مشہور ہے۔ اثبات نفس مطلق کی بحث میں اس نے یہ لکھا ہے کہ ہم پر شے کے وجود کی نسبت شک کر سکتے ہیں لیکن اپنے شک کے وجود کی نسبت شک نہیں کر سکتے اور شک کرنا خود بمنزلہ مدرک ہونے کے ہے اور مدرک ہونا صاحب ادراک کے وجود کی دلیل ہے پس ہمارا یہ کہنا کہ ہم نہیں۔ یا ہم ذی وجود ہیں ایک ایسا جملہ ہے کہ جب ہم ان کو زبان پر لائیں یا اسکے تصور کو دل میں جگہ دیں ہر حال میں اسکی صحت پر کچھ اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس کہنے سے ہم کو نہ صرف اپنے وجودی کا علم ہوتا ہے بلکہ اپنے ذی ادراک ہونیکا بھی علم ہوتا ہے اور اسکے بعد کہتا ہے کہ چونکہ ہم اپنے میں ایک ایسی غیر مادی شے پاتے ہیں جو ہر ایک نقصان سے مستز ہے تو ضرور ہے کہ اسکی لئے کوئی علت ہو کیونکہ علت کے بغیر معلول کا وجود ناممکن ہو۔ اور چونکہ ناقص کامل کی علت نہیں ہو سکتی اسلئے ہم جو ایک مادی اور ناقص وجود ہیں اسکی علت نہیں ہو سکتے اور اسلئے ضرور ہے کہ ہمارے سوا اسکی علت کوئی اور ایسا ذی وجود ہو جسکی عظمت اور کمال اور قدرت سے یہ معلول ہمیں خبر دیتا ہے اور جس وجود (مذہب) اپنے اس معلول کے ہمارے نفس پر اپنا ایک نشان نقش کر دیا ہے۔ مگر اس نشان سے خود اس علت کا وجود مراد نہیں ہے پس ہمارا ہونا ہم کو خدا کے ہونے کی بھی خبر دیتا ہے۔ سہ مہ

ہندوؤں کے چار بیداروں کے نام ہندوؤں کا یہ ادعا ہے کہ خدا نے جسکو وہ اچر (یعنی غیر متحرک) کہتے ہیں۔ ہمارے واسطے چار بیدار ہیں۔ سب علوم ہیں اول بید کا نام اٹھوڑن بید ہے دوسرے کا بید بید تیسرے کا رگ بید چوتھے کا سام بید۔

۱۵ مترجم انگریزی نے اپنی زبان کے لہجہ کے موافق غائباً غلطی سے لفظ ایشور کو جسکے معنی خدا کے ہیں اچر سمجھا ہے۔ اور اسی بنیاد پر اہل کتاب میں توہین کے اندھاں کے معنی غیر متحرک کے لکھے ہیں۔ کیونکہ مصنف کی تحریر میں جو حرف تسی ایچ حرف تینوں توشٹ کے لفظ کے لئے مستعمل ہوئے ہیں انکا اکثر یہ تلفظ زبان انگریزی میں حرف پتے یعنی جیم فارسی کا ہے س م ح۔

۱۶ جیلر برہما کی عمر کا شمار بے اعتباریوں سے کرتے ہیں اسی طرح بیدوں کی نسبت اہل ہند بکایہ ادعا جو کہ لاکھوں برس سے ہیں۔ مگر روپ کے محققوں نے بڑی جہان بین کے بعد انکی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سن عیسوی قرار دیا ہے اور ان کی اس رائے کا صحیح ہونا بہت بختگی کے ساتھ ایک مقام جسکو سرائیہ ورڈ کا لبروک صاحب نے بیدوں ہی میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے چنانچہ تشریح اسکی وہ یوں لکھتے ہیں کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ ہرے کی ترتیب معلوم ہوئے اور اس سے فرائض منصبی کے اوقات دریافت ہو جائیا کریں۔ پس وہ صحیح اور قطعی دلیل جیسے انہوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قائم کی ہے یہ ہے کہ جو مقام اس سرطان اور اس جدی کا اس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سن عیسوی بین الن دونوں رسالوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں ہے کہ بیدوں کی تالیف اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن صاحب) س م ح۔

ہندوؤں کے چار برہمن اور اس کے
 باہم شادی کے منع ہونیکا ذکر
 سید کا قول ہے کہ تمام لوگ جیسے کہ وہ حال
 میں ہیں چار قوموں پر تقسیم ہوں گے۔

اول برہمن یعنی حاملان شریعت دوسرے چھتری یعنی جنگجو
 تیسرے بیش یعنی سوداگر اور دوکاندار جنگجو عرف عام میں بنیا بولتے
 ہیں چوتھے شود یعنی دستکار اور مزدور۔ اور ان مختلف قوموں
 کو آپس میں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی برہمن کی چھتری
 اس شادی نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا اور قوموں کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

تاسخ اہل اوجو تنائینی قتل حیوانات
 کی ممانعت اور گائے بیل کے اوب کا
 بیان۔ اور اسکی نسبت مصنف کی رائے

چھتری اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بشرطیکہ وہ گائے اور مور کا گوشت کھائیں
 کیونکہ ہندوؤں دو جانوروں کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ خصوصاً گائے کا
 اس خیال سے کہ اسکی دم پکڑ کر اُس دریا (یعنی بے تر تری) سے پار ہونا ہے
 جو دنیا اور آخرت کے مابین حائل ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے پرانے
 وقتوں میں ایسے قانون بنائے تھے انہوں نے منہر کے چرواہوں کو بھی
 طرح بایں ہاتھ سے بھینس یا گائے کی دم پکڑے ہوئے اور ان کے
 ہانکنے کے لئے دائیں ہاتھ میں لٹھیاں لیے ہوئے دریا سے نیل سے
 پار ہوتے دیکھا ہوگا یا گائے کا ایسا بڑا لٹا غالباً اس وجہ سے ہوگا کہ وہ
 ایک نہایت ہی فائدہ بخش جانور ہے۔ اور دودھ اور گھی جو ان کی بڑی غذا

ہے اس سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ پیل زراعت کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اور اس وجہ سے گویا کہ گائے پیل انگلی زندگی کے محافظ ہیں یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ چراگا ہوں کی قلت کی وجہ سے ہندوستان میں بہت سے مویشی کا پالنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ سال میں آٹھ مہینے گرمی ایسی سخت پڑتی ہے اور زمین ایسی خشک رہتی ہے کہ مویشی بھوک کے مارے سوزوں کی طرح تمام قسم کے خس و خاشاک اور بنجاستین چراتے ہیں۔ پس اگر ہندوستان میں فرانس اور انگلستان کی طرح گوشت کھایا جائے تو تمام جانور فوراً نابود ہو جائیں اور ملک بالکل بے زراعت رہ جائے گا وکشی کی ممانعت کے باب میں چنانچہ قلت مویشی ہی کی وجہ سے جہانگیر نے جہانگیر کے ایک حکم کا ذکر۔ برہمنوں کی درخواست پر چند سال کے لئے گاؤکشی کی ممانعت کر دی تھی۔ اور تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ انہوں نے ایک ایسی ہی عرضی اور رنگ زیب کو بھی دی تھی اور اسکی منظوری کی خاطر بہت ساندرا نہ دینا چاہتے تھے۔ اور ظاہر کیا تھا کہ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں جو ملک کے بہت سے حصے ویران اور بے تر و در ہے اسکی وجہ یہی تھی کہ پیل کم اور گران قیمت تھے۔ شاید ہندوستان کے قدیم اجارہوں کو جنہوں نے ایسے قوانین بنائے تھے یہ اُمید ہوگی کہ گوشت کھاتے کی ممانعت کر دینے سے لوگوں کی عادات میں ایک مفید اثر پیدا ہوگا اور جب انکو قطعاً یہ حکم دیا جائیگا کہ وہ جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں تو وہ آپس میں کبھی بیرحمی کے مرتکب نہ ہوں گے تناسخ

کا مسئلہ ہی جانوروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا باعث ہوا کیونکہ انکو یہ یقین ہے کہ کسی جانور کو مار ڈالنا یا کھا لینا بغیر کسی اپنے باپ دادا کے مار ڈالنے کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے بڑھکر آؤ کوئی گناہ کیا ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ برہمنوں کو یہ خیال بھی ہوا ہو کہ ہمارے ملک میں بجز تھوڑی مدت جاڑے کے موسم کے گائے بیل کا گوشت لذیذ اور صحت بخش ہی نہیں ہوتا۔

ترکال سے دھیا اور دزمرہ کے آستان کے
فرض ہونے کا ذکر اور مصنف کے خیال
کے موافق آستان کے فرض ہونے کی جہ
بید کی بہوجب ہر ہندو کو فرض ہے کہ رات
دن میں تین مرتبہ صبح دوپہر اور شام کو
مشرق کی طرف مہنہ کر کے پوجا اور تین
ہی مرتبہ آستان کرے اور کم سے کم کھانے سے پہلے تو ضرور ہی نہانا چاہیے
اور ٹھیرے ہوئے پانی کی نسبت بہتے پانی میں نہانا اور پوجا کرنا زیادہ ثواب
کی بات ہے!! یہاں غالباً پھر اسی بات کا لحاظ کیا گیا ہو گا جبکہ ہندوستان
جیسی گرم ولایت میں کیا جانا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ از بس فائدہ مند اور
ضروری تھا مگر جو لوگ سرد ولایت میں رہتے ہیں یہ قانون انکے مناسب
حال نہیں ہے۔ اور میں نے اپنے سفر کی حالت میں اکثر لوگوں کو اس قانون
کی پابندی کے باعث دریاؤں اور تالابوں میں کودتے اور غوطے لگاتے
اور اگر کچھ میسر نہوں تو سر پر پانی کے بڑے بڑے ڈول ڈالتے اور اس وجہ
جان کے اندیشہ میں پڑتے دیکھا ہے بعض اوقات میں نے ان کے مذہب
پر یہ اعتراض کیا کہ آئین یہ ایک ایسا قانون ہے جسکا سروری کے موسم میں

سرود لایتوں میں عمل میں لانا ناممکن ہے۔ بلکہ اسی سبب سے میرے جی میں صاف یہ بات آئی ہوئی تھی کہ یہ کچھ خدا کا حکم نہیں ہے اور صرف ایک انسانی ایجاد ہے انہوں نے یہ مہنسی کا جواب دیا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا قانون ہر جگہ برتا جا سکتا ہے بلکہ خدا نے یہ محض ہمارے ہی واسطے بنایا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ ہم غیر شخص کو اپنے مذہب میں نہیں ملا سکتے۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ یہ تمہاری حالتوں اور حاجتوں کے مناسب ہو گا۔ کیونکہ خدا نے جنت میں جانے کے مختلف طریقے مقرر کر دیئے ہیں۔ میں انکو اس بات کا یقین دلانا ناممکن سمجھا کہ تمام روئے زمین کے واسطے عیسائی مذہب ہی بنائے۔ اور تمہارا مذہب محض ایک قصہ اور یہودہ بناوٹ ہے۔

برجائش ہمیش کی پیدائش [مید کا قول ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ دنیا کو پیدا اور صفات کا بیان۔] کرے تو اپنے اس ارادہ کے پورے کرنے سے پہلے اُس نے یہ تین دیوتا پیدا کئے برہما۔ بشن۔ مادیا۔ برہما کے معنی تمام موجودات میں رہے ہوئے کے ہیں۔ بشن کے معنی تمام چیزوں میں موجود رہنے والے کے ہیں۔ مادیا کے معنی بڑا دیوتا !!! برہما کے ذریعے سے اُس نے دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کے وسیلے سے وہ اسکا قائم رکھتا ہے۔ اور مادیا کے ہاتھوں وہ اسکو نیست و نابود کرے گا۔ اور خدا کے حکم سے برہما نے چار میدوں کو رچا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض مندروں میں برہما کی صورت چوکئی ہوتی ہے۔

یہ میں تخلیق کرانہ کے منہج ہونیکا گمان [یورپین پادریوں سے میری گفتگو آئی ہے]

جنگو گمان تھا کہ ہندو بھی اُس اسرار کا جو تثلیث کے مسئلہ میں ہے کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ تین وجود اگرچہ بظاہر تین ہیں مگر وہ دراصل ایک ہی خدا ہے۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جسکی نسبت سینے پندتوں کو برہما بشن ہمیش کی حقیقت پندتوں نے بیان کی اُس کے فہم سے صنف کرنا ضرر ہے کا ذکر

طور پر میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی۔ بعض اُن میں سے یہ کہتے ہیں کہ تین وجود جنگو ذکر ہے حقیقت میں تین مستقل وجود ہیں۔ جنگو وہ دیوتا کہتے ہیں مگر وہ یہ صاف صاف نہیں بیان کر سکتے کہ لفظ دیوتا سے اُن کی اس جگہ کیا مراد ہے اور جیسے کہ ہمارے قدیم بڑے پرست جینائی اور نیو مینٹ (۲) دو نام لیا کرتے تھے اور میری رائے میں واضح طور پر وہ کبھی نہیں بیان کر سکتے تھے کہ اُنکی مراد ان الفاظ سے کیا ہے۔ ایسے ہی ہندوستانیوں کے یہ دیوتا بمنزلہ اُسی جینائی اور نیو مینٹ کے ہونگے۔ بعض نہایت ذی علم پندتوں نے گفتگو کرنے پر یہ بیان کیا کہ خدا ایک ہی ہے اور یہ تین وجود ایک ہی خدا سے مراد ہے جو تین مختلف صفتوں سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا۔ پالنے والا۔ اور نابود کرنے والا۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں کھا کہ خدا بلحاظ ان تین علیحدہ علیحدہ صفتوں کے کسی قسم کے جدا جدا وجودوں کا اپنے وجود واحد میں جامع ہے۔

(۱) فادر روآ نے جو اگر وہیں ایک جرمن حبیبوٹ مشنری کے
 اتار دین کی بابت فادر روآ نام تھے اور سنکرت خوب جانتے تھے مجھ سے
 ایک مشنری مقیم اگر وہاں لکھا کہ تین دیوتا مگر ایک خدا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ دوسرے دیوتا یعنی
 بشن نے نومرتبہ اتار لیا ہے۔ یعنی مجسم ہو کر دنیا میں ظہور کیا ہے
 انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب میں شہر روم کو واپس جاتا ہوں شیراز
 میں ٹھہراؤں گا میلٹ فرقة کے ایک پادری نے عمدہ طور سے
 اس بابت کو تحقیق کر دیا کہ ہندوؤں کے مندرجہ ذیل مسائل ہیں! ہندو
 کہتے ہیں کہ انکی تخلیق کے دوسرے دیوتا یعنی بشن نے نومرتبہ
 دنیا میں اسوجہ سے اتار لیا ہے کہ جو جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے
 ان سے لوگوں کو چھوڑا یا۔ جس میں سے آٹھویں دفعہ کا اتار لینا بہت مشہور
 ہے۔ کیونکہ ہندو کہتے ہیں کہ جب دنیاویکیتوں کی طاقت سے مغلوب
 ہو گئی تو بشن نے اُدھی رات کیوقت کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہو کر
 اتار لیا اور دنیا کو نجات دی۔ اور اس تمام رات کو آسمان سے پھولوں کی
 بارش ہوتی رہی اور فرشتے گاتے رہے۔ یہ بات کسیدر عیسائی
 مذاق کے موافق ہے مگر آگے بڑھ کر یہ کھانی کچھ آؤڑ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ
 ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس اتار نے ایک ویکیت کو مارنا
 شروع کیا جو آسمان کی طرف اڑ گیا اور وہ ایسا قوی ہو گیا تھا کہ اُس نے آفتاب

کو ڈھانک لیا۔ اور جب نیچے گرا تو تمام زمین کا پنہ لگی اور وہ اپنے ہی
 بوجھ سے اس قدر زمین میں دھس گیا کہ فوراً جہنم میں جا گرا۔ اس قوی الجبہ
 دیت کے ساتھ لڑتے لڑتے بشن جی خود بھی پہلو میں زخم کھا کر گر گئے
 لیکن ان کے گرنے سے تمام دشمن بھاگ گئے اور وہ پھراٹھے اور
 دنیا کو اس بلا سے چھوڑ کر آسمان پر چلے گئے۔ اور چونکہ ان کے پہلو میں
 زخم آگیا تھا اس لئے وہ عموماً زخمی پہلو والے کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو
 یہ بھی کہتے ہیں مگر بید سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی کہ لوگوں کو مسلمانوں
 کے ظلم سے بچانے کے واسطے دسوان اوتار اُتر ہوگا۔ اور ہم عیسائی
 لوگوں کے اندازہ کے بموجب یہ اسوقت ہوگا جبکہ دجال ظہور کرے گا۔ ہندو کہتے
 ہیں کہ ہمارا دیو بھی دنیا میں آئے ہیں۔ اور انکی نسبت یہ روایت ہے کہ کسی راجہ
 کی لڑکی جب سن بلوغ کو پہنچی تو اس کے باپ نے پوچھا کہ تو کس سے شادی
 کرنا چاہتی ہے۔ اور جب اُس نے یہ جواب دیا کہ میں بجز کسی دیوتا کے اور سے
 شادی کرنا نہیں چاہتی۔ تو ہمارا دیو آگ کا روپ دھار کر راجہ کے

۱۵ اگرچہ ہم نے اپنے بعض دوست پندتوں کی معرفت بہت سی کوشش کی کہ بشن
 پر ان کی جس کتھا سے ڈاکٹر برنی اُن نے یہ مضمون لیا ہے اُس سے صحت اور شرح
 ایسی کیجیے خصوصاً بشن سمندر نام میں سے بشن کا وہ لقب صحیح کر کے لکھا جائے
 جس کے معنی بلحاظ اُس کتھا کے زخمی پہلو والے کے ہوں۔ مگر اطمینان کے لائق
 کوئی بات حاصل نہ ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح غیر ملک کے لوگ بعض اوقات
 غلطیان کیا کرتے ہیں اسی طرح بیان بھی کچھ غلط سمجھ ہو گیا ہے اور سری کرشن جی جو بشن کے
 اوتار تھے کچھ تو انکی ولادت وغیرہ کی کتھا اور کچھ بشن کی کتھا کو باہم ایسے طور پر ملا دیا گیا ہے
 کہ جس سے کسی اصل کتھا کے ساتھ یہ بیان مطابقت نہیں ہوتا۔ (دس م ح)

سنا منائے اور راجہ نے بیٹی کو اس پُرسرت واقعہ کا حال کہلا بھیجا اور وہ بلا تامل شادی کرنے پر راضی ہو گئی۔ اور مہادیو اس لگ ہی کی شکل میں راجہ کے دربار میں بلاؤ لگے اور جب انہوں نے دیکھا کہ راجہ کے دُزیروں کی رائے شادی کی نسبت نہیں چڑھائی ہے تو انہوں نے اول انگلی ڈاڑھیاں جلا ڈالیں اور پھر ان سب کو مع راجہ کے خاندان کے کے جلا کر بھسّم کر دیا اور اسکے بعد راج کنیاں سے شادی کر لی! بشن جی کی نسبت ہندوؤں کا یہ بیان ہے کہ اُن کا پہلا اوتار شیر کا دوسرا سور کا تیسرا کچھوے کا چوتھا سانپ کا۔ پانچواں صرف ایک ہاتھ بھر کی بوتلی برہمنی کا چھٹا شیر کی شکل کے آدمی کا۔ ساتواں مجھ کا۔ آٹھواں جو اہر بیان ہو چکا ہے نواں بغیر دم کے بندر کا اور دسواں اوتار ایک بڑے بہادر کا ہو گا! مجھ اس میں کچھ شک نہیں کہ فادر ردا کو ہندوؤں کے مسائل کی واقفیت بیدوں سے حاصل ہوئی تھی اور انہوں نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا۔ بیشک ہندوؤں کے مذہب کی یہی بنیاد ہے

۱۔ مصنف نے باہری روئے کے قول کے موافق اوتاروں کی بابت جو یہ مضمون لکھا ہے اس میں کسی غلطی نہیں جسکو ہم پنڈتوں سے بڑی تحقیق کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ شیر کا اوتار کوئی نہیں ہوا۔ دویم یہ کہ بونے برہمن کا اوتار ہوا ہے بونی برہمنی کا نہیں ہوا جیسا کہ باوری روئے نے بیان کیا ہے۔ سویم یہ کہ بغیر دم کے بندر کا کوئی اوتار نہیں ہوا اور جیسا کہ آئین اکبری میں بہت سی شرح و بسط کے ساتھ درج ہے! ہندو شاستروں کے موافق اوتار دو قسم کے ہیں۔ اول پورن اوتار دویم آتش اوتار۔ پورن اوتار وہ ہیں جو علی حسب الکمال ذات الہی کے منظر ہوئے ہیں۔ اور آتش اوتار وہ ہیں کہ جن میں ذات باری نے من و وجہ ظہور کیا ہے۔ اگرچہ شمار اوتاروں کا جو میں تک ہی مانتے ہیں مگر مختل ان کے دس اوتار مفصلہ ذیل بالاتفاق مانے جاتے ہیں اول چھ دویم کوٹا یا کچھ سویم آدھ جہام زرننگہ پنچم ہارن مہیوت باون ششم برہمن رام ساتواں رام یعنی راجہ جی ہمارے آٹھویں تھی کرشن ہمارے نهم بودھ دسواں کالکی جبکہ اب تک ظہور نہیں ہوا۔ س مہ

مختلف کے ایک رسالے اور کچھ حصہ ہوا کہ میں نے مذہب ہنود کی نسبت ایک فادر کرڈ کی ایک کتاب کا ذکر۔ رسالہ لکھا تھا اور ہندوؤں کے مندروں کے بتوں کی بہت سی صورتوں کی تصویریں مع سنسکرت کے حرفوں کے اپنی اس کتاب میں لگائی تھیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری کتاب کا جو لب لباب تھا وہ فادر کرڈ کی کتاب مسمیٰ بہ چائنا ایلسٹریا میں موجود ہے۔ اور فادر کرڈ کو فادر رڈ سے جب وہ روم میں تھے معلومات کا ایک معتد بہ حصہ حاصل ہوا تھا۔ اسلئے میں آپ کو فادر موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی صلاح دیتا ہوں مگر ہاں اس جگہ مجھے یہ ضرور کہنا چاہیے کہ لفظ انکارنیشن (یعنی ظہور بانی بحیثیت اوتار) جس کو اس محترم فادر نے استعمال کیا ہے مجھ کو نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ پہلے میں نے اس لفظ کو ٹھیک ان معنوں میں بولے جاتے کبھی نہیں سنا تھا۔

لفظ اوتار اور دیتا سے بعض پنڈتوں نے مجھ سے اپنا مسئلہ اس طرح بیان ہندوؤں کی کیا راہ ہے۔ کیا کہ جن مختلف صورتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے زمانہ میں ان میں چند اظہور فرما رہا ہے۔ اور مندرجہ بالا عجائبات اس انہیں صورتوں میں پورے کئے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک بعض بہادر بعض پنڈتوں کا یہ قول تھا کہ بڑے بڑے نامور سوامی اور بابر بادشاہوں کی روحیں جن کو ہم فرنگستان والے ہیرو کہتے ہیں ان مختلف جسموں میں جن کا اوپر

China Illustrata

Incarnation

ذکر ہوا ہے آتی ہی ہیں اور وہ ہی دیوتا ہو گئے ہیں۔ یا اگر قدیم
بت پرستوں کی ان اصطلاحوں میں جن سے ہم واقف ہیں کہا جائے
تو وہ طاقتور دیوتا نیومینیا۔ جینائی ویمین خواہ یہ کہو کہ سٹ اور قری
بنگئے۔ کیونکہ ہندوستانی لفظ دیوتا کے معنی بجز الفاظ مذکورہ بالا میں
بیان نہیں کر سکتا۔

ہندوؤں کے نزدیک آتما یعنی
روح انسانی پریم آتما یعنی ذات الہی
کا ایک جز ہے۔
لیکن جب یہ خیال کیا جائے کہ ہندوؤں
کا یہ اعتقاد ہے کہ ہماری روحیں ذات الہی
کی جزو ہیں تو یہ دو کے معنی بھی قریباً پہلے

ہی معنی بن جاتے ہیں۔

بعض ہندوؤں کے نزدیک اوتار
اور اچھس کے لفظ سے خدا
کی مختلف صفتیں مراد ہیں۔
بعض ہندوتوں نے یہ عمدہ تشریح کی کہ جن
اوتاروں یا اچھسوں کا ہماری پوجتھیوں میں
ذکر ہے ان کے معنی پوشیدہ ہیں اور ان سے

یہ غرض ہے کہ خدا کی مختلف صفات ظاہر ہوں۔ نہ بیکہ ان کے
لفظی معنی لئے جاویں۔

بعض ہندوتوں کے نزدیک
اوتاروں کے قصے محض
منہبی انسانے ہیں۔
بعض نہایت فاضل ہندوتوں نے آزادانہ
صاف طور پر یہ کہا کہ ان اوتاروں کے قصہ
سے زیادہ لغو اور کوئی قصہ نہیں ہے

اور ان اچار جو نے جنہوں نے قوانین مذہبی کی کتابیں بنائی تھیں
ان کو صرف اس غرض سے ایجاد کر لیا تھا کہ لوگ کسی نہ کسی قسم کے

مذہب کے پابند رہیں۔

آتما اور پرم آتما کے ایک ہونے
پر مصنف کا اعتراض -

ہندوؤں کا عموماً یہ عقیدہ ہے کہ ہماری روہیں
ذات باری کے جزو ہیں اور باوجود اسکے اس
منطقی برہان کو نہیں سمجھتے ہیں کہ درحالیکہ وہ خود خدا ہیں پھر اپنے اوپر
کس لئے کسی پوجا پاٹ اور مذہبی پرستش کو قائم کرتے اور انگشت اور
نرک اور مرگ کو مانتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے قومی اعتراض
کے بھی پندت لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اس سے اوتاروں کے وجود اور
اصلیت میں ہرگز کسی طرح کی قباحت لازم نہیں آتی۔ بلکہ انکی حقیقت کو
بطور ایک مذہبی اسرار کے ماننا ضروریات سے ہے۔

ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر
صاحب کی عمدہ کتابوں کا ذکر جو ہندو
کے علوم و فنون کے باب میں ہیں

ہنری لار صاحب اور ابراہام راجر صاحب کا
استناہی ممنون ہوں جتنا کہ فادر کرڈ کرڈ اور
فادر روآ کا کیونکہ اگرچہ میں نے ہندوؤں
کی نسبت بہت سے حقائق جمع کئے تھے مگر بعد ازاں ان صاحبوں
کی لکھی ہوئی کتابوں میں دیکھا کہ انہوں نے حقائق و حالات مذکورہ کو ایک
سہایت نظم و ترتیب سے لکھا ہے۔ جن کو بغیر بڑی مشقت اور جان لگا ہی
کے میں اس خوبی سے نہیں لکھ سکتا۔ اس لئے میں ہندوؤں کے
علوم و فنون کی نسبت بلا لحاظ نظم و ترتیب ایک سید ہے اور
اور عام طور پر مختصر لکھتا ہوں۔

شہر بنارس ہندوؤں کا دارالعلم ہے شہر بنارس جو دریائے گنگا کے کنارے ایک خوبصورت موقع پر اور ایک بڑے خوشنما اور نہایت زرخیز ملک میں واقع ہے۔ ہندوؤں کا دارالعلم خیال کرنا چاہیے۔ اور یہ ہندوستان میں اُسی مرتبہ کی جگہ ہے جیسا کہ یونانیوں کے لئے شہر ^(۱) ایتھنز تھا۔

۱۵ مترجم انگریزی نے کرنل جارج فاسٹر صاحب نامی ایک انگریز سیاح کی تحریروں سے شہر بنارس کی نسبت ایک حاشیہ لکھا ہے جسکو پچسپ بھکرہ ہی اپنے اس ترجمہ میں بطور خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ قولہ۔ شہر بنارس اپنی دولت مندی اور عالیشان عمارتوں اور کثرت آبادی کی وجہ سے اُن شہروں میں جو بالفعل ہندوؤں کے قبضہ میں باقی ہیں اول درجہ کا شہر گنا جاتا ہے۔ اس شہر میں ہندوؤں کے بیشمار دیوتاؤں کے بیشمار مندروں اور یہ شہر ہندوؤں کے باقی ماندہ علوم و فنون کا گویا مخزن ہے۔ جب کوئی شخص گنگا کے راستے سے اس شہر کو آتا ہے تو اسکو اٹھ میل کے فاصلہ سے ایک مسجد کے دو بلند مینار نظر پڑتے ہیں جسکو اورنگ زیب نے مہادیو کے ایک قدیمی مندر کی بنیادوں پر تعمیر کرایا تھا! ہندوؤں کی ایسی متبرک جگہ پر ایسی باشان و شوکت اسلامی عمارت کے بنانے سے جو اپنی بلندی کی وجہ سے بزبان حال اپنے غلبہ اور فخر مندی کو بتاتا ہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے دل میں یہ بیہودہ خواہش پیدا ہوئی ہوگی کہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیر کروں۔ اگر فی الواقع اسکی بھی خواہش تھی تو وہ حقیقت میں کامل طور پر کامیاب ہوا!!! ان میناروں پر سے تمام شہر بخوبی نظر آتا ہے جو گنگا کے مشرقی کنارے پر طولاً ڈھائی میل اور عموداً ایک میل تک عرض میں آباد ہے اکثر مکانات اس شہر میں تہر کے سوت اوپچے اوپچے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً کوئی چھ منزلہ اور کوئی سات منزل کا ہے۔ یہ تہر جو اس نواح میں بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ اس قسم کا ہے جو فرنگستان میں بورب لیشٹکی کان سے نکلتا ہے۔ لیکن شہر کے کلی کوپے جہیں یہ اونچی اور محکم عمارتیں بنی ہوئی ہیں ایسے تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں بھی برابر نہیں چل سکتیں۔ علاوہ اُس شہر جہیں اگے جو ان مکانات کے بے ڈھکے پن سے ہوا میں پیدا ہوتا ہے گرمی کے موسم

(1) Athens (2) Georgefaster (3) Partland.

بنارس میں پنڈتوں کے طرز یہاں برہمن اور پنڈت ہر ملک سے آتے رہتے
بودا باش اور تعلیم و تعلیم کابیان ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو اپنی اوقات
تحصیل علوم اور مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ اس شہر میں
ہماری یونیورسٹیوں کی طرح کوئی کالج یا باقاعدہ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ
قدیم زمانہ کے مکتبوں کی ہی حالت ہے۔ اُستاد یعنی پنڈت شہر کے
مختلف حصوں میں اپنے اپنے گھروں اور خصوصاً شہر کے باہر باغوں
میں جہاں رہنے کی بڑے بڑے سا ہوکاروں نے ان کو اجازت
دے رکھی ہے رہتے ہیں۔ بعض کے پاس چار شاگرد ہوتے ہیں بعض
کے پاس چھ یا سات۔ اور جو بڑا ہی فاضل پنڈت ہو اُس کے پاس بارہ یا
پندرہ مگر اس سے بڑھ کر تعداد نہیں ہوتی۔ یہ ایک معمولی بات ہے
کہ یہ شاگردوں کو بارہ سال تک اپنے اپنے اُستادوں کے زیر تعلیم
رہتے ہیں مگر اس عرصہ میں ان کی تعلیم بہت آہستہ آہستہ ہوتی ہے کیونکہ عموماً

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰۔ میں اس بانی سے جو شہر میں بہت سی جگہ برہمن ہوتے ہیں ناقابل برداشت ہوتی ہیں
اور یہی بانی مع اپنے کندروں کی زمین کے اہل شہر کی حویج ضروریہ کے لئے مختص ہے۔ اسکے علاوہ دین
پکھیل جو شہر کے گھروں سے نکال کر لگی کوچوں اور راستوں پر ڈال دیتے ہیں اُسی جگہ بڑی ہوتی ہے کیونکہ ہندو
میں سترابن بہت ہی کم ہے۔ اور یہ ایک اور ذریعہ ہے جو اور بدلوں میں شامل ہو کر باعث کثرت
عفوت ہو جاتا ہے۔ یہ شہر اپنی عمدہ عمدہ عمارت کے سبب سے ان تمام بڑے بڑے شہروں
فوق رکھتا ہے۔ جبکہ دیکھنے کا مجھے ہندوستان میں اتفاق ہوا ہے بشرطیکہ اُسکی گلیاں ایسی بیاہ
اور رنگ اور طرز تعمیر ایسا گنجان نہ ہوا جسے عمارات شہر کی زیبائیت کے لطف کو کو دیا ہے۔ س م س

ہندوستانوں کی طبیعت زیادہ تر انکی غذا اور ملک کی گرمی کی وجہ سے کاہل ہوتی ہے اور چونکہ ان میں نہ تو مسابقت کا جوش و خیرہ ہی ہوتا ہے اور نہ پیرامید ہوتی ہے کہ اگر معمولی اندازہ سے کچھ زیادہ کمال حاصل کرینگے تو کوئی بار آور پیشہ اور اعزاز یعنی خطاب فضیلت حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے یہ لوگ معمولی اور سست طور پر اپنی تحصیل کو جاری رکھتے ہیں اور ایام طالب علمی میں انھیں کمانے کو صرف کچھ مای لگتی ہے۔ جو بعض دولت مند سا ہو کاروں کی طرف سے ان کے لئے تیار ہوا کرتی ہے۔

زبان سنسکرت اور انکی قدامت کا بیان

سب سے اول سنسکرت سکھائی جاتی ہے جو ایک ایسی زبان ہے جسکو صرف بھٹت ہی جانتے ہیں۔ اور اس بولی سے جو آج کل ہندوستان میں بولی جاتی ہے بالکل مختلف ہے۔ فادر کرڈ کرتے جو ایک آف تے تے چھپوا کر شتر کی ہے وہ سنسکرت ہی کے حروف ہیں اور ان کو یہ حروف فادر رو آ سے حاصل ہوئے تھے۔ لفظ سنسکرت کے معنی خالص یا منجمعی ہوئی زبان کے ہیں۔ اور چونکہ ہندوؤں کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے چار بیہر بہما کے ذریعہ سے سنسکرت ہی میں بھیجے تھے اسلئے وہ اسکو دیو بھاشا یعنی زبان مقدس و زبان الہی کہتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کس دلیل سے ہے کہ یہ زبان ایسی ہی قدیم ہے جیسے کہ خود برہما اور برہما کی عمر کا شمار لاکھوں برس سے کرتے ہیں۔

لیکن چونکہ انکی مذہبی کتابیں جو حقیقت میں نہایت پرانی ہیں۔ اسی زبان میں ہیں اسلئے اسکے غایت درجہ قدیم ہونے کو نہ ماننا ناممکن ہے۔ سنسکرت

میں فلسفہ اور طب کی کتابیں نظم میں ہیں اور ان کے سوا بہت سی اور طرح طرح کی کتابیں بھی ہیں کہ جن سے بنارس میں ایک بہت بڑا کمرہ بالکل بھرا ہوا ہے۔

پورا نون کی تعلیم اور بیدوں کی ضخامت اور کیا بی وغیرہ کا ذکر۔ جب طالب علم اس قدیم اور مشکل زبان کی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور میں اسے مشکل اس وجہ سے کہتا ہوں کہ اسکی صرف و نحو اچھی نہیں ہے۔ تو عموماً پڑاؤ نکلو پڑھتے ہیں۔ جو بیدوں کی تشبیح یا اختصار ہوتا ہے۔ یہ کتابیں جو مجھے بنارس میں دکھلائی گئی تھیں اگر وہ بید ہی تھے تو بڑی ضخامت کی ہوتی ہیں اور یہ ایسی نایاب ہیں کہ میرے آقا کو باوجود بڑی تلاش اور شوق خریداری کے ایک کتاب بھی نہیں ملی۔ ہندو انکو بڑی ہوشیاری سے چھپائی رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ اور جیسا کہ اکثر ہوا ہے جلادی جائیں۔

۱۵ ”اکثر ہوا ہے“ کہنا صحیح نہیں ہے۔ مولف کتاب آئینہ تاریخ ناجوازہ حال کے قابل لوگوں میں سے جین مت کا ایک بہت باخبر ہندو مصنف ہے اور جبکا طرہ تخریر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی نسبت نہایت متعصبانہ ہے۔ اور جس نے ان کے عیب چن چن کر اپنی کتاب میں جوچ کئے ہیں باوجود بڑی تلاش اور جستجو کے اسکو بھی اس قسم کی صرف ایک ہی بات ملی ہے چنانچہ کتاب فتوحات فیروز شاہی کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ ”کچھ ہندوؤں نے ملکر موضع کوہانہ میں بت خانہ بنایا تھا۔ پس میں نے (یعنی فیروز شاہ تغلق نے) حکم دیا کہ انکی پوتھیاں اور تمام بت اور پوجا کے چرن سب اُسی جگہ چوٹک دئے جائیں“ اگر ہندوؤں پر کیا سحر ہے فیروز شاہ نے تو شیعوں کے مسلمانوں کی کتابیں بھی جلوا دیں تھیں

فلسفہ کی تعلیم کا ذکر پر انہوں کے بعد بعض طالب علم تحصیل علم فلسفہ پر اپنا جی لگاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس میں ترقی بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کی طبیعت میں سست اور کاہل ہوا کرتی ہیں۔ اور جیسا کہ یورپ کی یونیورسٹیوں میں کسی معزز پٹیشہ میں ترقی کرنے کی خاطر لوگوں کو شوق ہوا کرتا ہے وہ ان کو مطلقاً نہیں ہوتا۔

گٹ شاستر اور ان کے ہندوستان میں جو بڑے بڑے اچارج دھیکیم ہوئے ہیں ان میں چھ شخص بہت نامور ہیں جو ہندوؤں کے علیہ ز علیہ چھ فرقوں کے بانی ہیں۔ اور اس اختلاف عقائد کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲۔ لکھتا ہے کہ ”فرقہ شنید کے بعض لوگوں نے اپنی سنت کو اپنے مذہب میں لانا چاہا تھا اور کتابیں اور رسالے بھی اس باب میں لکھے تھے۔ تب میں نے (یعنی فیروز شاہ نے) ان سب مافضیوں کو گرفتار کیا اور جو جان کے مروارہ تھے ان کو سیاست میں ڈالا۔ اور ان کی تمام کتابوں کو آگ سے جلوا دیا۔ اور مسیونر الیگز مولف اس سے چند صفحے سے طبقات ناصری کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ دو قطب الدین ایبک کے زمانہ میں بختیار خلجی نے فخر مبارک جب فتح کیا تو ہندوؤں کا وہاں ایک کتب خانہ نہایت عظیم الشان دستیاب ہوا۔ لیکن قتل عام ہو جانے کے باعث سے کوئی آدمی ان پوئقیوں کا مضمون بتانے والا نہ مل سکا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بختیار نے ان پوئقیوں کو جلوا یا نہیں بلکہ برعکس اس کے وہ ان کے مضمون سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ س م ح۔

مصنف نے جن چھ فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ اول میمانسک یعنی میمانسا۔ شاستر کے پر وجہی بنیاد جیمینی رشی سے ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں ایک قدیم جو جیمینی کے اصول کی پر وس ہے۔ دوسری جدید جس کا بانی بیاس جی کو بتاتے ہیں اور پندتھی کہلاتے ہیں۔ تیسرا نیانگ یعنی منطقی فرقہ جس کا بانی گوتم ہوا۔ اس فرقہ کے بعض مکملے

باعث اُن کے پیروؤں کے باہم ازبس رشک اور بحث مباحثے رہا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرقہ کے پنڈت یہی ادعا کرتے ہیں کہ ہمارے ہی مسائل سب سے زیادہ صحیح اور بید کے موافق ہیں۔

بودھ مت اور اسکے پیروؤں کا ذکر اور ساتواں فرقہ بودھ کے پیروؤں کا ایک اُوڑ جو گیا ہے۔ جسکی بارہ شاخیں ہیں۔ لیکن اس فرقہ کے لوگ شمال میں اُس قدر کثرت سے نہیں ہیں جیسے اُوڑ فرقوں کے ہیں۔ اور ان کو حقارتاً لاندھب اور دہرہ رکھا جاتا ہے۔ اور قابل نفرت اور حقیر شمار کئے جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ ایک ایسے طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں ہر مخصوص ہر ہندوؤں کی تمام پوتھیوں میں فرسٹ پرنسپلز یعنی اصول و میاوی اشیاء کا ذکر ہے لیکن طرز بیان میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

بعض اجزاء لاتیجری کو چنانچہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے کائنات کی اصل بنتی ہیں ناقابل تقسیم اجسام سے مرکب ہے۔ اور یہ ناقابلیت انقسام اسوجہ سے نہیں ہے کہ وہ سخت یا خمیر تختلخل اور ٹھوس وغیرہ ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بدرجہ غایت چھوٹے ہیں۔ اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴ فرقہ کے بعض مسئلے اسطو کے مسائل منطق سے ملتے جلتے ہیں جوتہا بنے تھے فیک جکائی گنادی مٹی ہے پانچواں سالک جکائی بانی کپل مٹی ہوا۔ چھٹا۔ جوگی یعنی پاتل شاستر کا پیر جسکو پاتل شئی نے قائم کیا۔ یہ دونوں فرقے موخر الذکر بہت سی رایوں میں متفق ہیں۔ ان سب فرقوں کے مسائل کی تفصیل لکریکیو وکیپی ہو تو افسسٹن صاحب کی تاریخ ہندوستان کے پہلے حصہ میں اور اس سے بھی زیادہ شیخ ابوالفضل کی آئین لکری میں دیکھ لے۔

اس خیال سے پردہ اپنے اور بہت سے نقورات کی بنیاد قائم کرتے ہیں
جو کسی قدر ڈی باک ری ٹس (دیمی ٹریٹس) اور اپنی کیورس کے خیالات
Epicurees Democritus سے مشابہ ہیں۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو ایسے غیر منضبط اور
ناستحقیق طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا مطلب سمجھنا مشکل ہے۔ اور خود
کیسے ہی بڑے فاضل مشہور ہیں۔ لیکن اگر ان کی سیدنا نہی بر غور کیا جائے
تو اس میں محل شبہ ہے کہ آیا یہ بیہودگی ان کتابوں کے اصل مصنفوں سے
منسوب ہونی چاہیے یا کہ ان کے ان مترجموں اور شارحوں سے زیادہ تر
منسوب ہو سکتی ہے۔

۱۵ یہ مشہور یونانی حکیم جن عیسوی سے چار سو اکتھربس سے پہلے پیدا ہوا تھا بہت سے لوگوں
نے اس کی تقلید کی ہے اور علوم حکمیاس سے یکے ہیں۔ چنانچہ اپنی کیورس بھی جکا ذکر متن میں ہے
اسی کا شکر دیتا۔ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام اجسام کی بنیاد ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا ہیں جو باعتبار
اپنی طبیعتوں کے ہم شکل اور باعتبار صورتوں کے مختلف اور ایسے سخت ہیں کہ ان کی تقسیم
صرف دہم ہی سے ممکن ہے۔ اور یہ کہ یہ اجزا باعتبار شمار کے غیر متناہی اور ایسی خلا کے اندر حبکی
کوئی حد نہیں پہلے ہوئے اور دائم حرکت ہیں۔ پس کہی ایسا ہوتا ہے کہ یلجز واپس میں ٹکراتے
اور کہی خاص صورت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ان کے اس اتفاق اور اجتماع ہی سے جہان
کا وجود ہے! اور یہ کہ ہمارے اس جہان کی مانند بے شمار جہان ہیں جو ایسی ہی نظم و ترتیب کے
ساتھ خلا وغیر متناہی کے اندر موجود ہیں۔ لیکن اس کی راے میں امورات جزوی یعنی حیوانات
اور نباتات کے وجود کا سبب اجزا و مذکور کا اتفاقاً باہم ٹکرانا اور مجتمع ہو جانا نہیں ہے۔ ایک
شاگرد اپنی کیورس کی بھی ہی راے ہے اور اس کا قول ہے کہ ترکیب کی حالت میں یہ اجزا
حقیقتاً آپس میں مل نہیں جاتے بلکہ صرف باہم چمٹ جاتے ہیں اور اجسام محسوسہ کے اندر بالفعل
موجود اور ایک دوسرے سے تمیز رہتے ہیں۔ پس اجسام محسوسہ کا اتصال حقیقی اتصال نہیں ہے بلکہ صرف ان
اجزاء کے باہم چمٹے رہنے کا نام ہے۔ ماخوذ از نسخ التواریخ۔ س م ج۔

<p>(1) بعض کا قول ہے کہ ہر چیز مے ٹر اور ف ارم یعنی مادہ اور صورت سے مرکب ہے۔ لیکن کوئی پڈت مادہ اور صورت کو صاف صاف بیان نہیں کر سکتا۔ اور مادہ کی بابت تو کچھ بیان بھی کرتے ہیں مگر صورت کی نسبت بہت ہی کم تشریح کر سکتے ہیں۔ بہر حال اُن کا بیان صرف اس قدر قابل فہم ہے کہ اس سے مجھے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اتنا ہی نہیں سمجھتے جتنا کہ یہی لفظ ہمارے مدارس میں جبکہ قوت مادہ میں سے صورت نوعیہ کو ظہور کا مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ طالب علم کو تو ایک معمولی طور پر سجا دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مصنوعی چیزوں کی مثالیں دیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ ملائم ٹی بطور مادہ کے ہے اور کھارا اسکو پچھرا پچھرا کر جو طرح طرح کی شکلیں بنا لیتا ہے یہ صورت ہے۔</p>	<p>بعض مادہ اور صورت کو اصل قرار دیتے ہیں</p>
<p>بعض کی یہ رائے ہے کہ ہر چیز عناصر رابعہ اور موجودات کی اصل جانتے ہیں</p>	<p>بعض عناصر رابعہ اور اکاش کو</p>
<p>اور نتھنگ (3) یعنی اکاش سے مرکب ہے لیکن وہ عناصر کے استحالیہ یا آپسمین مل جانے کی نسبت کچھ نہیں کہتے۔</p>	<p>لفظ اکاش کا لفظ باری ویشن کے قریب المعنی ہونا۔</p>

(1) Matter (2) Form (3) Nothing

(4) Privation

بعض کے نزدیک نورِ ظلمت اور اصل اول مانتے ہیں اور اس واسطے کہ تاہم میں وہ ایسے ہی معنی دلائل اصل اول ہے۔

پیش کرتے ہیں جو صحیح فلسفہ کے خلاف محض ہیں اور ایسی ایسی طویل قلیل و قال کرتے ہیں کہ جسکو صرف عامی اور ناخواندہ لوگوں ہی کے کان سن سکتے ہیں۔

بعض کے نزدیک ایک یا چند برائی دیشمنوں ہی کو اصل اصول تسلیم برائی دیشمن ہی اصل اصول ہیں کرتے ہیں۔ جنکو وہ تھنگ سے جدا سمجھتے ہیں اور

جنکی تعداد کی نسبت ایک ایسا غیر حکیمانہ طویل اندازہ کرتے ہیں کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسی جزوی باتوں کی خاطر ان کے مصنفوں نے قلم اٹھا کر کچھ لکھا ہو۔ اور اسلئے نہیں لکھا جاسکتا۔ کہ انکی کتابوں میں یہ بیہودہ باتیں موجود ہوں۔

بعض قائل ہیں کہ ہر چیز اتفاق کا نتیجہ ہے یعنی جسکو بعض نہ بندھ ہی کو اصل سمجھتے ہیں پنڈت لوگ سمجھ نہ کہتے ہیں۔ اور اسکی نسبت بھی وہ ایسی لمبی چوڑی عجیب تقریریں کرتے ہیں جو جاہل لوگوں ہی کے لایق ہوتی ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک اصول و سادہ ان تمام اصول کی نسبت پنڈتوں کا اتفاق ہے اشیا ازلی وابدی ہیں۔ کہ یہ ازلی وابدی ہیں۔ اکاش سے کائنات

کے پیدا ہونے کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اتنا ہی سمجھے ہوئے ہیں جتنا کہ بہت سے قدیم حکما کے دلوں میں خیال تھا۔ مگر بہتہ وہ ہیں کہ ایک اجابج نے اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھا ہے (یعنی اس بحث کو کسی قدر شرح اور بسط سے تحریر کیا ہے۔)

ہندوؤں کی طب کی علم طب میں ہندوؤں کے پاس بہت سی چھوٹی کتابیں کا ذکر۔ چھوٹی کتابیں ہیں۔ لیکن بجائے اسکے کہ کوئی با ترتیب کتاب ہو ان کو صرف نسخوں کے مجموعے کہنا چاہیئے۔ اور ان میں سب سے بڑی اور بڑھکی کتابیں نظم میں لکھی ہوئی ہیں۔

ہندوؤں کے طریق معالج کے اہل یورپ سے مختلف ہونیکا ذکر اور اسکی مثالیں اور اسکی نسبت مصنف کی رائے ہے۔ اور وہ اختلاف مندرجہ ذیل مسلمہ اصول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تپ کے بیمار کو غذا کی کچھ بڑی ضرورت نہیں۔ اور فاقہ سب سے بڑا علاج ہے۔ اور اس مرض میں شوربے یا یخنی سے زیادہ مضر اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ دو چیزیں تپ والے شخص کے معدہ میں فوراً خراب ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک بحر خاص خاص اور نہایت ضروری موقعوں کے مثلاً یا تو جب سرسام کا اندیشہ ہو یا جب کبھی گردہ یا جگر یا سینہ میں دھرم پیدا ہو جاوے

فصد نہ لینی چاہیئے۔ اس بات کا فیصلہ میں اپنے فاضل طبیعوں پر چھوڑتا ہوں کہ آیا یہ معالجہ کے طریقے درست ہیں یا نہیں مگر ہاں صرف اتنا میں ہی کہتا ہوں کہ ہندوستان میں یہ طریقے کار گر ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان طبیب بھی بعض اور مغل اور آؤر مسلمان طبیب جو ابو علی سینا اور ایوروس (یعنی ابن رشد) کے پیرو ہیں

ابن رشد کا نام محمد تھا اور اپنے اجداد میں سے رشد نامی ایک شخص کی نسبت محمد بن رشد

وہ بھی ہندوؤں کی طرح ان طریقوں - خصوصاً بخنی یا شوربے سے پرہیز کرانے کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔

مسلمان طبیب فصد زیادہ لیتے ہیں مگر ہندوؤں کی نسبت مغلوں میں فصد لینے کا عمل زیادہ ہے۔ کیونکہ جہاں انکو مندرجہ بالا اور ام کا اندیشہ ہوتا ہے عموماً ایک دو مرتبہ خون نکلو اڈاتے ہیں اور یہ عمل وہ گوا اور پیرس کے زمانہ حال کے اطباء کی طرح جزدی طور پر نہیں کرتے بلکہ قدمائے اطباء کی طرح اٹھارہ یا بیس اونس یعنی دس گیارہ چھٹا تک تک خون نکلو اڈاتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات غش کی نوبت ہو جاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹ - کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کی نسل میں سے تھا جنہوں نے سن ترانویں ہجری مطابق سات ہجیرہ سن عیسوی میں ملک اسپین کو فتح کر کے مالک اسلامیہ میں شامل کیا تھا۔ یہ ملک اسپین کے مشہور شہر کاروآڈرطبہ میں جہاں اسکے باپ واداقاضی ہے تھے سن بالنومیس ہجری مطابق گیارہ سو بیس عیسوی میں پیدا ہوا تھا یہ نہایت مشہور حکماء عرب میں سے تھا۔ اور طب اور فلسفہ اور فقہ اور ہندسہ میں کمال کا درجہ رکھتا تھا۔ اسکے زمانہ میں عالم فلسفہ اہل عرب میں کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اور اسکے بعد قوم عرب کی تاریخ میں کوئی بڑا فلسفی نہیں پایا جاتا اسکی اکثر تصنیفیں زبان عربی اور عبری میں ہیں چونکہ اسکے کتب اسطوکی شرحیں لکھی تھیں اسکے شرح حکمت اسطو کے معزز لقب سے جبکا وہ حقیقتاً مستحق تھا مشہور اتفاق تھا۔ بعض آزادانہ رایوں کے ظاہر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے اسکو کجاو سے منسوب کر کے اسکو اسکے مولد کاروآڈ سے جلا وطن کرادیا تھا۔ مگر اسکے کمال نے سلاطین وقت کی مہربانی کو بھرا بنی طرف کیج لیا۔ اور دوبارہ راکش درآو میں پھر آ حاضر ہوا۔ جہاں کہ وہ سن گیارہ سو پانچ سو یا ننانویں عیسوی مر گیا۔

ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا و تاریخ مختصر ناصر علی علیہ رحمۃ اللہ

سمح

پس وہ گیلیئوس (جالینوس) کی ہدایت کے موافق اور جیسے کہ میں نے اکثر دیکھا ہے بیماری کو ابتدا ہی میں مغلوب کر لیتے ہیں۔

فن تشریح سے ہندوؤں کی ناواقفیت یہ بات کچھ قابل تعجب نہیں کہ ہندو علم تشریح کو بالکل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ کبھی کسی انسان یا حیوان کے جسم کو نہیں چیرتے اور جب کبھی میں کسی زندہ بھٹیڑ یا بکری کو اس غرض سے چیرتا تھا کہ اپنے آقا کو دوران خون کا طرز اور وہ رگین دکھلاؤں جنکو پینکٹ نے دریافت کیا تھا اور جنہیں ہوکریکلس کا خلاصہ قلب کے دائیں خانہ میں پہنچتا ہے تو ہندو ہمارے گھر سے حیران اور خوف زدہ ہو کر ہباگ جاتے تھے۔ مگر باوجود اسکے کہ ہندو اس فن سے محض نا آشنا ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کے

۱۔ کلادی اس گائی نس جبکہ انگریزوں نے گیلین اور جوتوں نے جالینوس بنایا ہے۔ ملک اٹلی کے شہر رگلس کارہنے والا تھا۔ یہ نامور شخص بن ایکسواکتیس عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ اور نوے برس کا ہو کر مرا۔ جالینوس اپنے باپ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ ریاضیات اور فن تعمیر اور علم ہیئت میں بہت سرآوردہ اور دقیق فلسفہ ارسطاطالیس سے بخوبی ماہر تھا۔ جالینوس نے اکثر نوے برس کی عمر سے پہلے حکما کے چند مختلف طبقات کے مسائل فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور وہ لکھتا ہے کہ جب میں اس عمر کو پہنچا تو میرے باپ نے خواب دیکھا تھا کہ اس ربا کے کو علم طب کی تعلیم ہونی چاہیے۔ مگر اس نے صرف انیس برس کی عمر میں اول ایک استاد سے جبکہ نام وہ بتانا نہیں چاہتا فن طب کی تحصیل شروع کی اور پھر اس زمانہ کی بعض اور مشہور و معروف حکما سے جو فن تشریح اور علم الادویہ میں نامور تھے ان فنون کی تعلیم پائی ابھی میں برس کی عمر بھی نہ ہوئی تھی کہ اسکا وہ پہلا رہنما اور شفیع استاد مر گیا۔ بعد ازیں اس نے بہت سے شہروں میں کہ جہاں جہاں علماے فہم و طب مشہور تھے سفر کئے اور آخر کار شہر

۱۔ کلادی اس گائی نس ۲۔ گے رنجی ۳۔ پامگ نام س
(3) Pergarmus (2) Galen Galenus Claudius

جسم میں پانچ ہزار لیس ہیں اور اس سے کم ہیں نہ زیادہ گویا کہ بڑی صحت اور غور سے انہوں نے ان کا شمار کیا ہوا ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت کا ذکر [علم ہیئت کا یہ حال ہے کہ ہندو اپنے پتروں کی رو سے خسوف اور کسوف کا حال پہلے ہی بتا دیتے ہیں۔ اگر چہ ان کے بیان میں فرنگستانی اہل ہیئت کی سی باریکی کے ساتھ صحت نہیں ہوتی۔ مگر پھر بھی وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔]

چاند گن کے سبب کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ [لیکن خسوف کی نسبت بھی انکا وہی معنی اعتقاد ہے جو کسوف کی نسبت ہوں یعنی یہ کہ ایک کالا اور ناپاک اور شرور راجھس جس کا نام راہو ہے چاند کو پکڑ لیتا اور اسکو اپنے اثر سے تاریک کر دیتا ہے۔] ہندو چاند کو بالذات نورانی جانتے ہیں اور زیادہ تر اسی دلیل سے ہندو یہ بھی کہتے

ہیں کہ چاند چار لاکھ کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی سورج سے دیرھ لاکھ میل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱ - اسکندریہ میں جا کر بعض استادوں سے فن تشریح کی تکمیل کی اور اٹھائیس برس کی عمر تک وہاں رہ کر ایسا ہو گیا کہ جو علم اُس زمانہ میں استادوں سے حاصل ہو سکتے تھے۔ وہ سب سیکھ لئے اور اپنے شہر برگس میں واپس آکر اٹیس برس کی عمر میں بڑی شہرت پائی۔ کیونکہ یہاں اسنے ایسے ایسے فرغیوں کو اچھا کیا جنکے زخم ہلک سمجھے جاتے تھے اور چونکہ بقیس برس کی عمر میں اسکے شہر میں کچھ بھاد تھی اسلئے وہ شہر دم کو چلا گیا اور ایک دفعہ شہر پر گیس میں پھر آکر آخر کار دم میں ہی جا بھیرا۔ کیونکہ وہاں کے کئی بادشاہوں کا طبیب خاص رہا تھا مگر وفات اسکی شہر برگس میں ہی ہوئی۔ فن تشریح کے مختلف شعبوں میں اس حکیم نے بہت سے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بہت سی ایسی اصطلاحیں قائم کر گیا ہے کہ اب تک بھی وہی جلی آتی ہیں۔ اور یہ بڑے شوق اور سرگرمی سے ہمیشہ مردہ اور زندہ حیوانوں کو چیر چیر کر دیکھتا رہتا تھا۔ اور اگرچہ زمانہ حال کا فن تشریح اسکی معلومات سے بہت بڑھا ہوا ہے

اوپنچا ہے۔ اور وہ ایک بالذات لوزرانی جسم ہے اور اس سے انسانوں کے دماغ میں اُمرت پہنچتا ہے جو دماغ سے اتر کر آگے اور اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ چنانچہ پھر تمام اعضا اپنے اپنے عمل میں مصروفیت کے لالین ہو جاتے ہیں۔

ہندوؤں کے نزدیک جانند اور سورج بھی دیوتا ہیں یہ سب دیوتا ہیں۔

خیالی پہاڑ سمیر کا ذکر اور جب سورج سمیر کے پیچھے چلا جاتا ہے اُسوقت رات ہو جاتی ہے۔ سمیر ایک خیالی پہاڑ ہے جسکو فرض کر لیا گیا ہے کہ وسط زمین میں مصری کے اُٹے کوڑے کی طرح واقع ہے۔ اور معلوم نہیں گئے ہزار کوس بلند ہے۔ پس جب تک کہ سورج اس پہاڑ کے پیچھے سے ہٹ کر نہیں آتا اُسوقت تک دن نہیں نکلتا۔

علم جغرافیہ سے ہندوؤں علم جغرافیہ سے بھی ہندو ایسے ہی ناداقف ہیں کی ناداقفی کا ذکر۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا چیلٹی اور مثلث شکل کی ہے

اور اسمیں سات ولایتیں ہیں جو باعتبار اپنے باشندوں اور اپنی خوبصورتی اور ہر ایک طرح کی تکمیل کے ایک دوسرے مختلف ہیں اور ہر ولایت اپنے خاص سمندر سے گہری ہوئی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سمندر دو دھ کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲ - لیکن وہ اپنے وقت میں یکتا سے روزگار اور اپنے تمام متقدمین سے اس میں ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اُس قدیم زمانہ میں اُسکی وفات کو فنِ تشریح کی وفات کہنا کچھ بیجا نہ تھا۔
(انسانیکلو پیڈیا برٹانیکا) س م ح۔

ہے دوسرا شہد کا تیسرا گھی کا جو تھا شراب کا اور آگے اسی طرح تری اور خشکی یکے بعد دیگرے چلی آتی ہے یہاں تک کہ ساتویں ولایت دامن کوہ سمیر میں ہے جو وسط میں واقع ہے۔ اول ولایت جو سمیر کے نہایت قریب ہے اول درجہ کے دیوتاؤں سے آباد ہے دوسری میں اُن سے کم درجہ کے دیوتا ہیں۔ اور اسی طرح باقی ولایتیں ہیں جنکے باشندے ہر ایک پہلی ولایت سے تہہ میں کم ہیں۔ اور سب سے آخر ساتویں ولایت ہے جس میں ہم انسان آباد ہیں جو ہر ولایت کے دیوتاؤں سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں۔ ہندویہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا بہت سے ہاتھیوں کے سروں پر اٹھا ہوئی ہے جنکی اتفاقیہ حرکت سے بھونچال آجاتا ہے۔

ہندوؤں کے علوم کی نسبت مصنف کی رائے اگر قدیم برہمنوں کے علوم میں جنکی اس قدر شہرت ہے یہی تمام بمعنی باتیں بھری ہوئی ہیں جنکو میں نے بالتفصیل لکھا ہے لولوگوں نے بڑا دھوکا کھایا کہ ان کے علم و عقل کی نسبت دیر سے ایک ایسی تعریف اور مدح سرائی کرتے چلے آئے ہیں۔ اور بالضرور مجھے اپنے تئیں اس امر پر

۵ ہاتھیوں کے سروں پر دنیا کے اٹھاے ہوئے ہونے کی روایت کبھی سننے میں نہیں آئی اور نہ تحقیق سے اسکی کچھ صحت معلوم ہوئی۔ البتہ سیس ناگ یعنی ہزار سرواں مقدس سانپ کے سر پر اس دنیا کا ٹھہرے ہوئے ہونا ضرور مانا جاتا ہے اور ایک عام روایت یہ بھی ضرور زبان زد ہے کہ ایک بتل کے سینگوں پر یہ پڑھتوی قائم ہے۔ اور جب وہ اس بوجھ کو ایک سنگ سے دوسرے سنگ پر بدلتا ہے تو بھونچال آجاتا ہے۔

ماں کر نے میں دقت پیش آئی کہ فی الواقع حقیقت حال ہی ہی بشرطیکہ
میں ان باتوں پر غور نہ کرتا کہ اول تو ہندوؤں کا مذہب ایک ایسے زمانہ سے
چلا آتا ہے جس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ اور پھر انکی مذہبی اور علمی کتابیں سب
سنسکرت زبان میں ہیں جو مدت ہائے دراز سے ایک ایسی زبان ہو گئی
ہے جسکو کوئی نہیں بولتا۔ اور اب صرف بڑے لکھے لوگ ہی اسکو سمجھتے
ہیں اور اسکی اصل نہ معلوم ہے۔ خرض کہ ان تمام باتوں سے بہت ہی
قدامت اور کمنگنی ثابت ہوتی ہے۔

مصنف کتابدارس کے ایک بڑے پنڈت جب میں دریاے گنگا سے نیچے کے
ملک کی طرف جاتا تھا تو میں بنارس میں
کے ساتھ چند اور پنڈتوں سے ملنا اور
بت پرستی کی نسبت ان کے جوابات

پنڈت سے جو اس مشہور دارالعلم میں رہتا ہے ملا وہ ایک فقیر ہے جو اپنے
علم و فضل کی وجہ سے ایسا مشہور ہے کہ شاہجہاں نے کچھ تو اسکی فضیلت کے
لحاظ سے اور کچھ راجاؤں کی خاطر سے اسکے واسطے دو ہزار روپیہ سال
کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ وہ ایک موٹا مازہ اور خوبصورت آدمی ہے اور اسکی
پوشاک یہ ہے کہ ایک سفید ریشمی ساڑھی باندھے رہتا ہے۔ جو
پنڈتوں تک لٹکتی رہتی ہے۔ اور ایک کسیدر بڑی سی سرخ ریشمی چادر
کا مذھونیز ڈالی ہوئی ہوتی ہے! میں نے دہلی میں اس شخص کو بادشاہ اور امرا

مصنف کے نزدیک یہ ایسے اسباب ہیں جن سے اہل حقانین پر ایک تاریکی کا پردہ چڑھتا
ہے اور اسکے باعث سے لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔

کے روبرو بھی اکثر یہی مختصر لباس پہنے دیکھا ہے۔ اور دہلی کے بازاروں میں وہ مجھے یا تو پیدل یا بالنگی میں سوار جاتا ملا ہے۔ ایک سال تک وہ ہمیشہ میرے آقا کے پاس اس امید پر آتا رہا کہ وہ اورنگ زیب سے سفارش کر کے اسکی نیشن بجال کر دوے جو اورنگ زیب نے جسکو اپنی وینداری دیکھانیکا بڑا شوق تھا تعصب مذہبی کی وجہ سے سخت پر بیٹھتے ہی بند کر دی تھی! مینے اس مشہور فقیر سے بڑی ملاقات پیدا کر لی تھی۔ اور میری اُس سے اکثر دیر تک باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور جب میں اُس سے بنا اُس میں ملا تو وہ نہایت خلوق اور مدارات سے پیش آیا اور مجھے وہاں کا کتب خانہ دکھانے لگیا جہاں اُس نے اور بھی بڑے بڑے چھ پڑتوں کو بلالیا تھا۔ جب مینے اپنے تئیں ایسی عمدہ صحبت میں پایا تو میرا ارادہ ہوا کہ اس بات کی تحقیق کروں کہ انکی رائے بہت پرستی کی نسبت کیا ہے۔ مینے اُن سے کہا کہ میں ہندوستان کو اب چھوڑنے والا ہوں جو ایک ایسی پرستش سے بدنام ہے جو معمولی سمجھ والے انسان کے نزدیک بھی خلاف عقل ہے اور آپ جیسے اجاروں کے شایاں نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے مندروں میں بیشک مختلف موتیں مثلاً برہما، مادیو، گیش۔ اور گورجی کی ہیں۔ جو ہمارے سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ اور ان کی صورتوں اور علاوہ ہریں اور بہت سے دیوتاؤں کی صورتوں کا جو ان سے درجہ میں کم ہیں ہم بڑا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے آگے ڈنڈوت کرتے ہیں اور بڑی عقیدت سے بھول چاول گسی زعفران خوشبوئیں اور ایسی ہی چیزیں انپر چڑھاتے ہیں مگر باوجود اس کے

ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یہ مورتیں خود برہما یا بشن ہیں۔ بلکہ یہ قریب قریب اُن کی اصلی مورتوں یا شبیہوں کے ہیں اور ہم ان کا ادب صرف اُس دیوتا کی وجہ سے کرتے ہیں جنکی یہ مورتیں ہیں۔ اور جو پوجا ہم کرتے ہیں وہ دیوتا کے واسطے ہے نہ کہ مورت کیلئے ہمارے مندروں میں مورتیں اسلئے رکھی جاتی ہیں کہ دل کو قائم رکھنے کیواسطے جب تک نظر کو کسی خاص چیز پر نہ جمایا جائے تب تک پوجا عمدہ طور سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن حقیقت میں اعتقاد ہمارا یہی ہے کہ خدا صرف وہی ایک ذات مطلق ہے۔ اور صرف وہی سب کا مالک اور سب سے بڑھکر ہے۔ ہندوؤں نے جو جواب مجھے دیا میں اسکو کم زیادہ کر کے نہیں لکھا۔ لیکن مجھے شک ہے کہ انہوں نے اس مدعا کو عمدہ ایسے قالب میں ڈھال کر بیان کیا تھا کہ جو رومن کیتھولک فرقہ والوں کے خیالات کے مشابہ ہو جائے۔ کیونکہ اور برہمنوں کے خیالات اس سے بالکل مختلف تھے اور دنیا کی نسبت ان ہندوؤں کا بیان پھر میں نے دنیا کی عمر کی نسبت گفتگو کی اور میرے ہم صحبت ہندوؤں نے ہمارے معتقدات سے بھی بڑھکر اسکی قدامت ظاہر کی۔ یہ تو

۱۵ تعجب ہے کہ مصنف نے ہندوؤں کی پرستش کے طریقہ کو تو آخر ارض کی نظر سے دیکھا لیکن اپنے ہندوؤں کی بیہوشی پر جو گر جائیں ہیں حضرت مسیح اور حضرت مریم کی شبیہیں اور پطرس حواری کے جوتے کی نقل رکھتے اور انکو مقدس جانکر انکی پرستش اور ہندوؤں کی طرح دھوپ کر کے اور گھٹنے سجاتے ہیں غور نہ کی اور بائبل مقدس کی اس آیت پر عمل نہ کیا جو لکھا ہے ”تو اگر انہو بہائی کی آنکھ سے ہٹا نکلتا جا ہے تو اول اپنی آنکھ کا شستہ نکال“ افسوس انسان خواہ کیسا ہی عقلمند اور ذی علم کیوں نہ ہو اسکو اپنے مذہب کے رسوم اور عقائد کی برائی کبھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اسکی طبیعت ہمیشہ غیروں ہی کی عیب جوئی پر مہم اور اہل ہستی ہے اور اُن کے ہندوؤں کو بیان ہی اسکو برائی اور عیب ہی معلوم ہوتی ہیں۔ س م ح۔

نہیں کہہ کہ دنیا کی کچھ ابتدا ہی نہیں۔ مگر جو عمر انہوں نے بتلائی۔ اُس سے
ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ اسکو قدیم سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ بیان تھا کہ دنیا کی
عمر چار جگہوں سے شمار کی جاتی ہے اور اُن کا جگہ ہمارے قرون کی طرح سو برس
کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جگہوں کا شمار کڑوڑ برس سے کرتے ہیں۔ جو جو عمر انہوں نے
ہر جگہ کی علیحدہ علیحدہ طور پر بتلائی وہ مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہی لیکن
ایسا یاد پڑتا ہے کہ پہلا جگہ یعنی ست جگہ پچیس لاکھ برس تک رہا۔
پھر بارہ لاکھ سے زیادہ سال تک ترتیا جگہ رہا۔ پھر اگر میری کچھ غلطی نہ تو ہو
اٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک دوا پر جگہ رہا۔ اور یہ میں بھول گیا کہ چوتھا
یعنی کل جگہ جو اب ہے کتنے لاکھ برس تک رہیگا۔ پنڈتوں نے کہا کہ پہلے
تین جگہ اور بہت سا حصہ جو تھے جگہ یعنی کل جگہ کا گزر چکا ہے۔ اور
جس طرح کہ ان جگہوں کے خاتمہ پر دنیا قائم رہتی رہی ہے۔ جو تھے جگہ کے ختم
ہونے پر ایسا نہ ہوگا بلکہ دنیا مٹا پر نے "ہو کر نابود ہو جائیگی۔ اور تمام چیزیں اپنی اپنے
مبدأ کی طرف عود کر جائیں گی۔ جب سینے پنڈتوں کو اس بات کے لئے مجبور کیا
کہ وہ دنیا کی عمر مجھے ٹھیک ٹھیک بتلائیں تو انہوں نے کئی مرتبہ حساب لگایا
مگر جب مینے دیکھا کہ وہ بیچارے اس میں بالکل اوجھے ہوئے ہیں اور صرف
لاکھوں کی تعداد کی نسبت اُنکا اختلاف ہے تو مینے اپنے تئیں اسی عام
واقفیت پر مطمئن کر لیا کہ یہ دنیا نہایت ہی قدیم اور اسکی عمر کا حساب بڑا ہی تعجب انگیز ہے
! جب کوئی شخص کسی پنڈت سے وہ وہ بات پوچھتا ہے جن سے کہ دنیا
کے سجد پڑانا ہونے پر وہ اپنا اعتقاد رکھتے ہیں۔ تو وہ ایک قسم کے بیفادہ

افسانے سنا ہے لگتا ہے۔ اور آخر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت
پھر میں اُن کے دیوتاؤں کی حقیقت کی نسبت
اُن سے دریافت کیا مگر اُن کا بیان نہایت منتشر

پایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دیوتا تین قسم کے ہیں۔ نیک۔ بد۔ اور نہ نیک
نہ بد۔ بعض کا اعتقاد ہے کہ دیوتا اگ سے بنے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں

کہ نور سے۔ اور بہتوں کی یہ رائے ہے کہ وہ بیاپک ہیں۔ اور لفظ بیاپک
کے معنی میں بجز اسکے کچھ نہیں سمجھا کہ خدا بیاپک ہے۔ ہماری روح بیاپک

ہے۔ اور جو چیز بیاپک ہے وہ لازوال ہے اور زمان و مکان سے
مبرا و منسوخ ہیں۔ اُس فاضل فقیر اور اُس کے ساتھی پنڈتوں نے کہا کہ بعض

پنڈت دیوتاؤں کو اجزاء ذات الہی کہتے ہیں اور بعض کی یہ رائے ہے
کہ دیوتاؤں کے مختلف اقسام ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

لنگ شرچہ کا مسئلہ چشتروں میں ہے
مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اُن سے لنگ شرچہ
اسکی نسبت اُن پنڈتوں کا بیان۔
کے مسئلہ کی نسبت بھی سوال کیا تھا جسکو

اُنکے بعض مصنف مانتے ہیں۔ مگر جو اُقتیت مجھے اپنے پنڈت سے حاصل
ہو چکی تھی اُس سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ یعنی یہ کہ چھوٹے چھوٹے نباتات

اور درختوں اور حیوانات کے بیج نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ تبدیل آفرینش
۵۱ مٹیائیوں بلکہ مسکالوں کے پاس بھی بجز اسکے کہ تو ریت مقدس کا حوالہ دیں دنیا کی

سم ح

عمر کے شمار کی نسبت کوئی دلیل نہیں ہے۔

۵۲ فارسی خواں ناظرین کو لفظ بیاپک ”باہمہ دے ہمہ“ کے مرادف المعنی سمجھنا چاہیے۔ سم ح

سے الگ وجود چلا آتا ہے۔ اور وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے اور دو مادوں میں ملے جلیجڑے رہتے ہیں اور نہ صرف احتمالاً بلکہ حقیقتاً وہ بیج بالکل ویسے ہی کامل ہیں جیسے کہ خود وہ نبات یا درخت یا حیوان جسکے بیج ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس حالت میں ایسے چھوٹے اور باریک ہیں کہ اُن کے جدا جدا اجزاء اسی وقت صاف طور پر نظر آسکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مناسب جگہ پر لانے جائیں اور وہاں پرورش کے مادہ کے پہنچنے سے بخوبی نمایاں ہوں اور ترقی پائیں۔ پس ہر ایک سیب یا ناشپاتی کے درخت کا بیج لنگ شر یعنی سیب یا ناشپاتی کا ایک چھوٹا درخت ہے جو اپنے تمام ضروری اجزاء میں کامل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک گھوڑے یا ہاتھی یا آدمی کا بیج لنگ شر یعنی ایک چھوٹا گھوڑا یا ہاتھی یا آدمی ہے جسکے واسطے صرف جان اور پرورش کے مادہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ صاف طور پر اپنی صورت مرئیہ عرفیہ کو حاصل کر سکے۔

وحدت وجود کے مسئلہ کی بحث کا ذکر۔ اب میں آپکو ایک اور مسئلہ کی نسبت ایک بحث کا حال سناتا ہوں۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اس مسئلہ کی بابت ہندوستان میں بڑا شور و غل تھا یہاں تک کہ بعض پنڈتوں نے اسکو شاہجہان کے بیٹوں دارا شکوہ اور سلطان شجاع کے بھی ذہن نشین کر دیا تھا۔ آپ اس بات کو یقیناً جانتے ہیں کہ اکثر قدم حکما لائف گوٹنگ پرنسپل یعنی وحدت وجود کے مشہور و معروف مسئلہ کے قائل ہیں اور اُن کا قول ہے کہ ہم تم جتنے جاندار مخلوقات ہیں سب ایک ہی وجود واحد کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ اگر ہم غور سے اسطوار افلاطون کی تصانیف کو دیکھیں تو غالباً ہم پر یہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ وہ بھی اسی رائے

کی طرف مائل تھے۔ اور یہی عقیدہ ہندوستان کے قریباً تمام ہندوتوں کا ہے اور یہ وہی مسئلہ ہے جسکی نسبت صوفیوں اور اکثر علماء ایران کے باہم لڑائی جھگڑے رہا کرتے ہیں۔ اور جسکو گلشن راز میں جو ایک فارسی نظم کی کتاب ہے بڑے زور شور سے بیان کیا گیا ہے! فائدہ کی بھی یہی رائے تھی جسکو ہمارے نامور گیتسینڈی نے نہایت قابلیت کے ساتھ رد کیا ہے۔ یہ

۱۵ اس کتاب کے مصنف شیخ نجم الدین محمود ہیں جو تبریز کے قریب چیتہ نام ایک گاؤں کے رہنے والے اور شاہیر مشائخ صوفیہ سے تھے۔ یہ کتاب انہوں نے سن سات سو ستترہ ہجری کے ماہ شوال میں بعض مشائخ خراسان کی فرمائش سے تصنیف کی تھی جیسا کہ خود انکے اس شعر سے جو سبب تالیف کتاب میں لکھا ہے ظاہر ہوتا ہے ”وگرشتہ ہفت دہ از ہفت حدیث از ہجرت ناگماں در ماہ شوال“ یہ کتاب بڑے زیب کی بھی جاتی ہے۔ اور اسلئے اکثر نثر گوں نے اسکی شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن شرح موم بھارتیچ الاعجاز جو سن آٹھ سو ستترہ ہجری کے خلافت میں لکھی گئی تھی اور جسکے مصنف شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ لاهیجانی ہیں۔ جو فقرائے سلسلہ نور بخشہ کے بانی سید محمود نور بخش کے اعظم خلفائے تھے۔ سبب عمدہ بھی لکھی ہے چنانچہ علامہ قاضی نور الدین شہرستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ جب مصنف نے اس شرح کو لکھ کر دیکھنے کے لئے ملا عبد الرحمن جامی کے پاس ہرات میں بھیجا تو انہوں نے اپنے جوابی خطا کے شروع میں اپنی یہ رباعی لکھ کر بھیجی ”رباعی“ ”اے فقر تو

نور بخش اربابہ نیاز بہ خرم ز بہار خاطر گلشن راز“ یک روہ نظرے برس تسلیم انداز
نفاہ کہ برم روہ بحقیقت ز حجاب“ Robert Fludd س م ر

۱۶ رابرٹ فلڈ قوم کا انگریز تھا اور سن بندہ سو چوہتر عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ یہ اپنے زمانہ میں ایک مشہور طبیب اور ایک ایسے فرقہ حکما کا پرورد تھا جو یہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری روہیں نیچا اس سبب و فیاض سے تعلق رکھتی ہیں اور وہاں سے گوناگوں استفادہ معلومات اور اسرار غیبی کا کرتی رہتی ہیں۔ اس شخص کے تخیلات کا بیان جبکہ وہ معتقد تھا مختصر طور پر کرنا بہت

ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مہوس لوگ اکثر اس کے سبب سے خراب و برباد ہوئے ہیں۔ ہندو پنڈت اس مسئلہ کو تمام حکما سے زیادہ طویل دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ خدا یا اس اعلیٰ وجود نے جب کو وہ اپنی زبان میں اکثر کہتے ہیں حشر یہی نہیں کہ اپنی ذات سے روح پیدا کی ہے بلکہ عموماً دنیا کی ہر ایک مادی اور جسمانی چیز کو بھی اس طرح اپنی ذات سے پیدا کیا ہے۔ اور اس مسئلہ خلق عالم کو وہ اس طرح پر خیال نہیں کرتے کہ علتِ تامہ کا وجود معاً مستلزم وجود معلولات کا ہوتا ہے۔ بلکہ اس طرح پر تصور کرتے ہیں جیسے مگر ٹی جیب چاہتی ہے اپنے ہی اندر سے جالاتن دیتی ہے اور جب چاہتی ہے اسکو سمیٹ لیتی ہے۔ پس ان خیال بنیاد فلسفیانہ یعنی پنڈتوں کا قول ہے کہ پیدائش صرف اسکا نام ہے کہ خدا نے اپنی ہی ذات کو پھیلادیا ہے۔ یا یہ کہ ایک مگر ٹی کا نام ہے جو اس نے اپنے اندر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱۔ مشکل ہے چنانچہ مجلہ ان کے اسکا ایک یہ عقیدہ تھا کہ وہ اس عالم میں دو طرح کی قوتوں کو مؤثر سمجھتا تھا۔ ایک قوت انقباضی۔ دوسری انبساطی اور ان پر کہتے ہی جنات کو موکل جانتا تھا۔ اور ان کے خاص طور کے اجتماعات کو باعث وجود امراض قرار دیتا تھا۔ اور اس بات کا معتقد تھا کہ مگر ٹی کو کمزور کر کے یا اسکا جسم بوجھ عالم صغیر یا انسان کیا جاسکتا ہے۔ مگر ٹی کو کمزور یعنی عالم کبیر یا بچہ سے ایک خاص مشابہت اور مناسبت ہے۔ اس کے مستقالات خواہ کیسے ہی فضول اور لاعینی تھے مگر چونکہ اس نے انکو بہت عمدگی سے معقولات کے پیرایہ میں بیاں کیا تھا اسلئے اس زمانہ کے حکما کو بالخصوص انکی نسبت متوجہ ہونا پڑا یہاں تک کہ اول کیپٹ (۱۳) نام ایک حکیم نے اور بعد ازاں گیسنڈی نے اسکو ترویج میں سن سولہ سو انتیس میں کتابیں لکھیں فقط (ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا)۔

سم ح۔

سے نکال دیا ہے۔ اور فنا یہ ہے کہ خدا پھر اپنی ذات یا اُس تار کو اپنے ہی
 میں کھینچ لے۔ چنانچہ قیامت کے دن جسکو وہ پر نے یا جھا پڑے کہتے
 ہیں۔ اور جسکی نسبت اُنکا یہ عقیدہ ہے کہ اُسوقت تمام چیزیں نابود ہو جائیں گی
 خدا اپنے تمام اُن تاروں کو جو اُس نے اپنے اندر سے نکال کر پھیلا دیئے تھے
 بالکل اپنے اندر کھینچ لیگا۔ اسلئے اُنکی راے ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے یا سنتے
 یا سوچتے یا چاہتے ہیں اُن میں کوئی چیز واقعی نہیں بلکہ تمام دنیا صرف
 ایک خواب و خیال ہے۔ پس جو طرح طرح کی چیزیں پذیرا ہے جو اس ظاہری محسوس
 ہوتی ہیں وہ سب کی سب ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہ سب حقیقتاً خدا ہیں
 جیسے کہ اکائی کے عدد کو بار بار دو ہر اُن سے دس بنیں۔ سوا اور ہزار کے
 اعداد بن جاتے ہیں اور دراصل وہ مالک ہی عدد ہے۔ لیکن اگر
 تم اُن سے اس بات کی کوئی دلیل پوچھو یا ذات اُنکی کے پھیل جانے اور
 پھر سمٹ جانے کی کچھ تشریح کراؤ اور طرح طرح کی صورتیں معلوم ہونے کی جب
 دریافت کرو۔ یا یہ پوچھو کہ خدا جو غیر جسمانی اور بقول تہلکہ بے بیابک اور
 غیر متغیر ہے تو پھر کس طرح اسقدر اجسام متعددہ اور ارواح مختلفہ میں تقسیم ہو گیا
 ہے تو وہ اسکی عجیب مثالیں بیان کریں گے۔ مثلاً یہ کہ خدا ہمنزلہ ایک بڑے سمندر
 کے ہے جس میں بہت سے جہاز تیرتے رہتے ہیں۔ خواہ یہ جہاز بیلے کہیں
 چلے جائیں مگر وہ ہمیشہ اُسی سمندر اور اُسی پانی میں رہتے ہیں اور اگر وہ مٹھ
 جائیں تو جس پانی سے وہ بنے تھے وہ اُسی سمندر میں مل جائیگا۔

۱۵۔ مترجم کہتا ہے کہ اس مضمون کو ایک شاعر نے اپنے اس شعر میں خوب ادا کیا ہے :-

یا وہ یوں کہیں گے کہ خدا ایک ایسی روشنی کی مانند ہے جو ہمارے پیشوں پر پڑ رہی ہے۔ پس اگرچہ ہر جگہ اُس ایک ہی روشنی کا جلوہ اور ظہور ہے مگر جن چیزوں پر وہ پڑتی ہے اُنکی مختلف رنگتیں اس وجہ سے ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں سے ہو کر اُن چیزوں پر پڑتی ہے غرض کہ وہ تمہیں ایسی ایسی ناقابلِ تشفی شبیہیں دیکر جنکو خدا سے کچھ بھی نسبت نہیں اور جو صرف جاہلوں کے ذلیفیت کر نیکے لالچ ہوتی ہیں۔ مثال دینگے۔ اور تمہارا جواب شافی کی اُمید کرنا بیفائدہ ہے۔ اگر کوئی اُنکو یہ جواب دے کہ مثلاً جو حجاب ایک بانی پر ہیں۔ اگرچہ ویسے ہی دوسرے پانی پر بھی ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت میں کئی بانی ایک نہیں ہیں۔ اور اسی طرح تمام دنیا پر آفتاب کی روشنی کو ایک سی ہے لیکن سب جگہ وہی نہیں ہے۔ اور اعلیٰ ہذا القیاس تمہارے ان تمام قصور پر اور وہی بڑے بڑے اعتراض ہو سکتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح شبیہوں اور اور استعاروں کو بے مبہمیں گے جیسے کہ صوفی اپنی کتاب گلشن راز کے عمدہ اشعار کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔

مصنف کے خط کا خاتمہ اب میں بلحاظ اُس تمام بیوقوفی اور اُس طفلانہ خوف و
ہر اس کے جبکائینے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور بلحاظ اُس متوجہانہ اتقا اور ہمدردی کے خیالات کے جو سورج کو اُس برطینت اور کالی بلبا سے نجات دلانے کی غرض سے سورج کی نسبت ظاہر کئے جلتے ہیں۔ اور بلحاظ اُس دکھاوے کی پانچھ پوجا اور آشنائیاں اور پند دان اور نیراتوں کے جو برہمنوں کو دیو جاتی یا دیو اؤں کے

دیر سے حباب کے ہے سدا تو اور نہیں مل اور نہیں پہمکو نہ بھلینو سے جدا تو اور نہیں میں اور نہیں

میں پھینکی جاتی ہیں۔ اور بلحاظ عورتوں کی اُس مجنونانہ جذبات و گلاپٹے ایسے خاوندوں کی لاشوں کے ساتھ ہی جل کر مر جاتی ہیں کہ جنسے انکی حیات میں وہ اکثر نفرت کرتی رہتی تھیں۔ اور بلحاظ فقیروں کے اُن طرح طرح کے مجنونانہ اعمال و اشتغال کے۔ اور سب سے اخیر میں بلحاظ بیدوں اور ہندوؤں کی پوتھیوں کی اُس تمام خرافات کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگرچہ زمانہ حال کے نکتہ چین اشخاص کے مصلحت اور تکالیف اٹھائے بغیر گھر بیٹھے ہی اپنی تحریروں کے ایسے ایسے سزائے وغیرہ گھڑانا اور بیان کرنا مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر میرا یہ خط جو میرے اُن دور دراز سفروں اور اس قدر تحقیقات اور فکر کا ایک بے سود مال ہے اگر مندرجہ ذیل الفاظ کو میں اس کا عنوان قرار دوں تو کیا میں ایسا کرنے کی نسبت کوئی وجہ نہیں رکھتا؟ اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ ”کیسے ہی فضول اور جمعی خیال کیوں نہ ہوں پھر بھی انسان کے دل میں جگہ باہی جاتے ہیں۔“

آپ کی بڑی عنایت ہوگی اگر آپ بچے پل صاحب کے نام کا ملفوفہ خط اُن کے حوالہ کر دینگے۔ یہ جیل صاحب ہی تھے جنہوں نے پہلے پہل آپ کے نامور اور دلی دوست گیسینڈی صاحب سے میری ملاقات کرائی تھی جو میرے حق میں بہت ہی مفید ہوئی ہے۔ انکی اس عنایت کا میں اتنا ممنون ہوں کہ جہاں میری تقدیر مجھ کو لیجا ئیگی مجھے محبت کے ساتھ وہ جگہ یاد رہے گی! میں آپ کا بھی بڑا ممنون ہوں۔ اور نہ صرف اس وجہ سے کہ آپ میرے حال پر نظر عنایت مبذول فرماتے رہے میں عمر بھر آپ کا ادب کرتا رہوں گا۔ بلکہ اس سبب

۱۵ اس سبب کہ اس خط میں ہندوستان کے متعلق کوئی امر درج نہ تھا اس کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ س م ج

سے بھی کہ آپ اپنے متواتر خطوط میں اکثر مجھے فائدہ مند صلاحیں دیتے رہی ہیں جسے میرے سفر میں مجھے بہت مدد ملی۔ اور میں اس باعث سے بھی آپ کا بڑا احسان مند ہوں کہ آپ نے بے غرضانہ اور محض اپنی عنایت سے دنیا کے اس بعید حصّہ میں جہاں میرا شوق مجھ کو لے آیا ہے میرے لئے عمدہ عمدہ کتابیں بھیج دی ہیں۔ حالانکہ جن لوگوں سے میں نے کتب مذکورہ کے لئے درخواست کی تھی۔ اور جنکو اُن کی قیمت کا روپیہ مقام مارسیس میں میرے زرا مانتی سے مل سکتا تھا۔ اور جن پر بلجاظ اہلیت اور انسانیت کے یہ بات فرض تھی کہ کتب مطلوبہ میرے پاس بھیج دیتے وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے اور میرے خطوط کو دیکھ کر ہنسا گئے گویا کہ انہوں نے مجھے ایسا کیا گزرا سمجھ لیا جسکا کچھ بھی موند ہی نہیں دیکھنا۔



A letter to Monsieur De La Mothe le Vayer

مُصَنَّف کا خط بنام مانشیور ڈی لاما تھی لی وے آر

جس میں شہر دہلی اور آگرہ اور شہنشاہ مغل کے دربار اور

ہندوستان لوگوں کے ذہن و ذکا اور رسم و رواج

کا بیان ہے مورخہ یکم جولائی ۱۶۶۲ء بمقام دہلی

صاحب من۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جو وقت میں فرانس کو واپس آؤں گا

تو سب سے پہلے آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ بمقابلہ پیرس اُس ملک کے

دار السلطنت شہروں آگرہ اور دہلی کی وسعت اور آبادی اور خوبصورتی کا کیا حال

ہے! پس آپ کے شوق کی وجہ سے میں اول انہیں امور کا بیان کرتا ہوں۔ اور ان کے ضمن میں بعض اور حالات بھی گزارش کرونگا۔ جن کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ آپ غالباً آنکھ بھی پھپھپ تصور کریں گے۔

یورپ اور ہندوستان کی عمارتوں

کے مختلف الوضع ہونے کا سبب

کہنے سے پہلے یہ بیان کرنا لازم ہے کہ اہل فرنگ مقیم ہند کو حقارت کے ساتھ یہ کہتے دیکھ کر کہ ان دونوں اور نیز ہندوستان کے اور شہروں کی عمارتیں فرنگستان کی خوشی وضع نہیں ہیں مجھے حیرت ہوئی۔ لیکن وہ اسپر غور نہیں کرتے کہ عمارات کی قطع اور وضع ہر ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ہوتی ہے! مثلاً جس وضع کی عمارت پیرس اور لندن یا امسٹرڈم میں فائدے اور آرام کے اعتبار سے وہاں کے لاپت ہے وہی اور اگر ہمیں بالکل ناکارآمد ہے! چنانچہ بغرض امکان اس امر کے کہ یہ شہر ہندوستان میں آجائیں اور یہاں کے شہر وہاں جابجا ہیں تو انکی عمارات کو توڑ پھوڑ کر بالکل ایک نئی قطع پر بنانا ضروری ہو گا بے شبہ فرنگستان کے شہر بہت خوبصورت اور اس ملک کی سرد آب و ہوا کے موافق ہیں۔ لیکن وہی بھی اپنی وضع پر اس گرم ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے خوش و خرم وضعی سے خالی نہیں ہندوستان کی گزری اس قدر شدید ہے کہ کوئی آؤر تو کیا خود بادشاہ بھی پانٹوٹن کی حفاظت کے لئے پاتا بے نہیں ہنتا۔ اور صرف ہلکے سلیسے کی طرح کی ایک چیز ہنتا ہے۔ جسے ”پاپوش“ کہتے ہیں۔ اور مری محافظت کے لئے نہایت نفیس اور نازک قسم کے کپڑے کی ایک چھوٹی سی بگڑی ہوتی ہے۔ اور اور لباس بھی ایسا ہی

ہلکا چھلکا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں مکان کی دیوار یا سرہانے کے تکیہ پر
مشکل سے ہاتھ یا سر رکھا جاتا ہے! اور چھ مہینے سے زیادہ ہر ایک متنفس
مکان کے باہر بغیر کسی قسم کے سایہ کے سوتا ہے! عوام کا یہ حال ہے
کہ گلیوں اور کوچوں ہی میں پڑ رہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے تاجراور اُسودہ
حال لوگ کبھی گھر کے صحن یا باغ میں اور کبھی مکان کے چبوترے پر جھکوبیلے
سے پانی چھڑاک کر ٹھنڈا کر رکھتے ہیں آرام کرتے ہیں۔ اب اس حالت میں
اگر بالفرض پیرس کے مشہور محلے سینٹ جیکس یا سینٹ ڈمینس مع اپنے
بند و وضع اور بدیشیا منزلوں کے مکانات کے دہلی میں آجائیں تو میں آپ سے
پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں یہاں کوئی رہ سکیگا۔ یا رات کو جبکہ ہوا کے جس سے
گرمی کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے کوئی سو سکیگا؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص
کھوٹے پر چڑھ کر گھر میں آیا ہے۔ اور گرمی اور گرد کے مارے ادھوا ہوا
ہے۔ اور جب معمول پینہ میں تر تر ہے تو کیا ہی لطف ہو اگر اسکو تنگ و تاریک
زیلہ سے چڑھ کر چھٹی یا پانچویں منزل پر جانا اور پھر وہاں ایسے کمرہ میں ٹہینا بڑے
کہ جہاں مارے گرمی کے دم گھٹ جائے! ہندوستان میں اس قسم کی تکلیف
کے ساماں نہیں ہیں۔ یہاں تو سواری سے اگر فوراً تھوڑا سا تازہ ٹھنڈا پانی یا
نیپو کا شربت پنی لینا اور کپڑے اتار کر اور مونہ ہاتھ دھو کر سایہ میں پلنگ پر
لیٹ جانا اور ایک دو خد متگاردوں کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پنکھے
لیکر جھلنا شروع کریں۔

شہ دہلی کا ذکر اب میں آپکو دہلی کی ٹھیک ٹھیک کیفیت سناتا ہوں۔ پھر آپ

خود غور کر سکیں گے کہ یہ شہر خوبصورت ہے یا نہیں! قریب چالیس برس کے گزرے کہ شہنشاہ حال کے والد شاہجہاں نے اپنی دایمی یادگار کے لئے پُرانی دلی کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور اُس کا نام اپنے نام شاہجہاں ^{۵۱} آباد یا اختصار کے لئے دوجہان آباد رکھا۔ اور اسکے دارالسلطنت بنانیکے لئے یہ وجہ ظاہر کی کہ گرمی کی شدت کے سبب اگر بادشاہ کے قیام کے لائق نہیں ہے لیکن اس سبب سے کہ اسکی تعمیر کے لئے اکثر مصالحہ پُرانی دلی کے آس پاس کے کھنڈروں سے بہم پہنچایا گیا تھا بریسی آدمی پُرانے اور نئے شہر میں تمیز نہیں کرتے اور دونوں کو دہلی ہی کہتے ہیں! لیکن ہندوستان میں اکثر یہ بنا شہر اپنے بانی ہی کے نام سے بولا جاتا ہے! بہر حال آسانی کے لئے میں نے بھی اہل یورپ ہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

شہر دہلی ایک ہموار زمین پر جتنا کے کنارے پر جو تو اکثر کے برابر ایک دریا ہے ہلالی صورت میں آباد ہے۔ اور اُس طرف کے سوا جہر دریا کے سبب سے (جسپر کشتیوں کا بل بندھا ہوا ہے) محفوظ ہے۔ حفاظت کے لئے سب طرف پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے! اور اگر اُن پر جوں سے جو سو سو قدم کے فاصلہ پر شہر پناہ کے کنارے بنے ہوئے ہیں اور اُس کچے پستے

۵۱ شاہجہاں نام میں لکھا ہے کہ اسکی آبادی شاہجہاں کے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۶۳۸ء اور ۱۶۳۹ء میں شروع ہوئی تھی اور خانی خاں نے اپنی کتاب منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ تاہینہیں سے جو شعر نے اسکی بابت کہی تھیں بادشاہ کو یہ ناودہ پیش آیا دشت شاہجہاں آباد از شاہجہاں آباد جبکو صاحب آثار الصلوٰۃ اپنی سند پر میری کاشی کا نکالا ہوا بتاتے ہیں۔ س م ح۔

سے جو قریب چار یا پانچ فرانسیسی فٹ کے اونچا ہے قطع نظر کیجائے
تو یہ بہت نامکمل ہے۔ کیونکہ نہ تو اسکے گرد خندق ہے اور نہ کوئی آؤر بچاؤ
کا سامان ہے

یہ حصہ اگرچہ شہر اور قلعہ دونوں پر محیط ہے لیکن اسکی وسعت اسقدر
نہیں کہ جتنی لوگ خیال کرتے ہیں! کیونکہ میں تین گھنٹہ کے عرصہ میں اسکے
گروا گرد پھر گیا ہوں۔ حالانکہ میں خیال کرتا ہوں کہ میرے گھوڑے کی چال فی
گھنٹہ ایک لیگ فرانسیسی یعنی تین میل سے زیادہ نہ تھی۔ میں اس مخمضہ میں
شہر کے گرد فوج کی آبادیوں کو جو بہت سی ہیں۔ اور بہت دور تک لاٹوری دروازہ
کی جانب بستی چلی گئی ہیں اس میں شامل نہیں کرتا۔ اور نہ برانی دلی کے اُس ہتھیار

۱۵ صاحب آثار العنادیہ نے کتاب مرآت آفتاب نامہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۳۷۰ چلوئی مطالب ۱۲۰۰
سوانق ۱۲۰۰ شاہجہاں کے حکم کے بموجب مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ
روپیہ خرچ ہو کر یہ تفصیل تیار ہوئی۔ مگر وہ سکر برس رسات میں اکثر جگہ سے گر پڑی اس واسطے
از سر نو چونہ اور پتھر سے بنے کا حکم ہوا۔ اور سات برس کے عرصہ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہو کر
تیار ہو گئی۔ طویل اسکا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا چھوڑا
اور اس میں ستائیس برج دتل دتل گز کے قطر سے ہیں ۱۲۰۰ عین جب سرکار عالیہ انگریزی
کا تسلط ہوا تو یہ اکثر جگہ سے ٹوٹ رہی تھی جسکو بہت خوبی سے درست کرایا گیا اور
اجمعیہ ری دروازہ کے باہر جو غازی الدین خاں فیروز جنگ پور نظام الملک آصف شاہ کا
مقبور تھا جو در سے کر کے مشہور ہے اسکو بھی اندر لے لیا گیا۔ اور قریب ۱۸۰۰ عیسوی کے
اسکے گرد بھی شہر بنا دیا گیا

سم ح

۱۶ صاحب آثار العنادیہ کی تحقیق کے رافق پہلے اس شہر کا نام اندر بہت تھا۔ وہ لکھتے ہیں
کہ اس باب میں بڑا اختلاف ہے کہ یہ نام بدل کر کب سے پہلی ہو گیا۔ مرآت آفتاب نامہ میں لکھا
ہے کہ وہ بات مشہور ہے کہ لاجو دیپ نے جو چند بیسیوں میں کا ایک راجہ ہے اپنے

بقیہ کو اور نہ اُن تین چار چھوٹی چھوٹی بستیوں کو جو شہر کے نواح میں ہیں۔

کیونکہ انکو شامل کر لینے سے شہر کی وسعت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ اگر

بیسویں ایک سیدھا خط کینچا جائے تو سڑ ہے چار میل سے زیادہ ہو اور

اگر چہ باغات وغیرہ کے بیچ میں آجانے کی وجہ سے میں ٹھیک نہیں کہتا

کہ شہر کا کل دور کس قدر ہے لیکن کچھ شک نہیں کہ بہت ہی زیادہ ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۰۔ نام بر دلی آباد کی، لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اس واسطے کہ ہندو

کی انکی پوچھیوں میں باوجودیکہ راجہ دیپ کا ذکر ہے۔ مگر کہیں دہلی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جہاں

لکھا ہے اندر پت ہی کے لکھا ہے۔ اور تیلخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ دوسرے ہجری مطابق ۹۱۹ء میں

تو نوروں کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندر پت کے برابر دہلی بسایا اور اسی مصنف نے

کتاب نزہۃ القلوب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چونکہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں دہلی نرم زمین

کو کہتے ہیں جہاں سب سے تم سکے اس سبب وہ بستی دہلی کر کے مشہور ہو گئی مگر اس سنہ میں نہ تو

تو نوروں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑ جانا قرین قیاس ہے۔

اس واسطے یہ بات بھی قابل اعتما نہیں۔ اور مشہور بات جو صحیح ہی معلوم ہوتی ہے یہ

ہے کہ بقول صاحب مرآت آفتاب نما راجہ دہلو قنوج کے راجہ نے اس سبب سے

کہ دلی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع رہے ہیں۔ اندر پت میں اپنے نام پر شہر بسایا

اور جب سے اس کا نام دہلی مشہور ہوا۔ بلکہ اصلی نام دہلی کا دہلو ہے۔ جدیداً کہ موافق

روایت صاحب جواہر الحرف امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کر کے

دہلو کا لفظ اپنے اس شعر میں باندھا ہے ۵ یا ایک اسپم بخش یا ز اخو بغیر بابا رگی

یا بغیر ہاں وہ کہ گردوں شیخ و دہلوروم + راجہ دہلو صاحب پورس یعنی راجہ فوردالی کیا یوں

کا محاصرہ تھا اور اسی کی لڑائی میں مارا گیا۔ اور قنوج تک راجہ فوردالی کا عمل ہو گیا۔ اور اسکے

بعد سکندر اعظم نے راجہ فوردالی کے کنارے فتح پائی۔ اور گنگا کے کنارے یعنی قنوج

تک عمل کر لیا۔ یہ واقعہ ۳۲۸ھ قبل دلاوت مسیح علیہ السلام میں ہوا کہ تخمینہ تا ہی زمانہ دہلی

قلعہ جس میں شاہی مجلس اور اور بادشاہی مکانات ہیں اور جنگاؤں کے آئینہ کروں گا قریباً نصف دائرہ کی شکل کا ہے۔ اور سامنے دریا ہے جتنا بہتا ہے۔ اور قلعہ کی دیوار اور پانی کے مابین ایک ریتلا وسیع میدان ہے جس میں ہتھیوں کی لڑائی دیکھائی جاتی ہے۔ اور امیروں اور سرداروں اور ہندو راجاؤں کی فوجیں بادشاہ کے ملاحظہ کے واسطے کھڑی کی جاتی ہیں جنکو بادشاہ محل کے چھروں میں سے دیکھا کرتا ہے۔

شاہ جہاں نے اپنے جلوس کے بارہویں سال مطابق ۱۰۳۸ ہجری ۱۶۲۸ء میں شاہ جہان کی آبادی کا حکم دیا۔ اور بارہویں ذی الحجہ کو قلعہ بننا شروع ہوا۔ استاد حامد اور احمد معمار جو اپنے فن میں اکیٹا تھے۔ اسکی تعمیر کے لئے مقرر ہوئے۔ پہلے عورت خان کو اس کا اہتمام ملا۔ اور پانچ مہینے دو دن میں قلعہ کی بنیادیں کہیں اور کچھ مصالحہ جمع ہوا۔ اور کہیں کہیں سے بنیاد اونچی بھی ہو آئی! پھر اور دی خاں کو یہ کام سپرد ہوا اور دوسرے ایک مہینے گیارہ دن میں قلعہ کے سب طرف کی دیوار بارہ بارہ گز اونچی ہو گئی! پھر مکرست خاں کا ذمہ ہوا۔ اور بیرون سال جلوس یعنی قریب نو برس کے عرصہ میں سب کام تیار ہو گیا اور چوبیسویں ربیع الاول ۱۰۳۸ ہجری مطابق ۱۶۲۸ء یعنی تخت نشینی کے اکیسویں سال میں بادشاہ نے اس میں پہلا جلوس کیا! یہ ہشت پہل بنا ہے۔ اور اس کا طول ایک ہزار گز اور عرض چھ سو گز کا ہے جبکی کل زمیں چھ لاکھ گز ہوئی۔ اور اس حساب سے یہ اکبر آباد کے قلعہ سے دو گنا ہے۔ اسکی فصیل پچیس گز اونچی ہے۔ اور گیارہ گز گہری بنیاد ہے۔ دیوار کا آثار بنیاد سے پندرہ گز اور اوپر سے دس گز کا ہے۔ اسکی خندق جو بیس گز چوڑی اور دس گز گہری بنی ہوئی ہے۔ جسکا محیط تین ہزار چھ سو گز کا ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اور کتاب مرآت آفتاب نامیں لکھا ہے کہ کروڑ روپیہ میں آیا تھا۔ یعنی پچاس لاکھ قلعہ کے بننے میں۔ اور پچاس لاکھ اس کے اندر کے مکانات کی تعمیر میں خرچ ہوا تھا

قلعہ کی دیوار اپنی پرانی وضع کے گول برجوں کے لحاظ سے شہر پناہ کے مشابہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ کچھ اینٹ اور کچھ لال پتھر کی بنی ہوئی ہے جو سنگ مرمر کے مشابہ ہے۔ اس سبب شہر پناہ کی نسبت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور شہر پناہ سے اونچان اور مضبوطی اور چکلان میں بھی زیادہ ہے اور شہر کے کنج چھوٹی چھوٹی توپیں جڑی ہوئی ہیں اور دریا کی جانب کے سوا قلعہ کے سب طرف پختہ اور عیسٰی خندق بنی ہوئی ہے۔ جبکہ روکار کے پتھر صاف اور گھڑے ہوئے ہیں۔ اور جو پانی سے بھری رہتی ہے جس میں کثرت سے مچھلیاں ہیں۔ ایہ عمارت اگرچہ بظاہر مضبوط نظر آتی ہے۔ لیکن اصل میں کچھ مستحکم نہیں ہے۔ اور میری دانست میں ایک متوسط طاقت کا تو چنانہ اسکو فوراً زمین کے برابر کر دیکتا ہے! اس خندق کے قریب ہی ایک بڑا باغ ہے جو پھولوں اور پودوں سے ہمیشہ ہر اجہار رہتا۔ اور قلعہ کی عظیم الشان اور سبز رنگ کی فصیل کے سامنے ہونے کی وجہ سے بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اور اس باغ کے متصل ایک بادشاہی چوک ہے جسکے ایک طرف تو قلعہ کا دروازہ ہے۔ اور دوسری جانب شہر کے دو بڑے بازار آنکر ختم ہوئے ہیں۔ اب جو ملازم راجہ حسب معمول ہفتہ وار چوکی دینے آتے ہیں ان کے خیمے اس چوک اور میدان میں لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جو ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں قلعہ میں رہنے سے سخت عذر کرتے ہیں اور اسلئے قلعہ کے اندر کا پردہ لٹرا اور منصب داروں کا ہوتا ہے اور اسی جگہ صبح کے وقت بادشاہی گھوڑے جو اس کے قریب ہی ایک بڑے صحن میں

میں رہتے ہیں پھر آئے جاتے ہیں! اور یہیں سواروں کی فوج کا میرنجشی نو ملازم
سواروں کے گھوڑوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور اگر وہ ترکی نسل کے اور
اچھے مضبوط اور پیمانہ کے پورے ہوں تو ان کی ران پر بادشاہی اور اس
امیر کا داغ دلوا دیتا ہے جسکی فوج میں وہ بھرتی ہوں۔ اور اس سے یہ فائدہ
ہے کہ انہیں گھوڑوں کو دوسرے نو ملازم سوار استعاریکر موجودات کے وقت
پیش نہیں کر سکتے۔ اسی جگہ انواع و اقسام کی بشمار چیزوں کی خرید و فروخت کے
لئے گزری لگتی ہے۔ جو پیرس کے پونٹنی آف کی طرح ہر قسم کے گھاٹوں اور
سبحان متیوں اور ہندو اور مسلمان بچو میوں اور رماؤں کا مرجع ہے اور یہ
فاضل نجومی و مصوب ہیں ایک میلہ سا قالین کا ٹکڑا بچھائے بیٹھ رہتے ہیں
جسکے پاس علمی ریاضی کے کچھ پرانے آلات ہوتے ہیں۔ اور سامنے ایک
بڑی سی کتاب کھلی رہتی ہے۔ جس میں بارہ جوں کی شکلیں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔
اور اس طور سے یہ راہ چلتے لوگوں کو بھٹلاتے اور فریب دیتے ہیں! اور
عوام الناس غیب داں سمجھ کر ان سے رجوع کرتے ہیں! اور یہ ایک پیسہ لیکر
بیچارے حقا کو بتاتے ہیں کہ انکی قسمت میں آئندہ کیا ہونا ہے۔ اور ان کے
ہاتھ اور چہرہ کو خوب دیکھ بھال کر اور کتاب کے ورق الٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں
کہ گویا واقعی کچھ حساب لگا رہے ہیں! اور یہ لوگ جس کام کی بابت ان سے
سوال کرتے ہیں اُسکے لئے وقت اور ساعت، یعنی مہورت بتاتے ہیں
اور نادان عورتیں سر سے پانوں تک ایک سفید چادر اوڑھ کر ان کے پاس جمع

۱۵ ایک بڑے پچل کا نام ہے جو شہر پیرس میں ہندی پر بنا ہوا ہے۔ س م ح

ہوتی ہیں اور اپنی تمام عمر کے امورات کی نسبت اُن سے بوجھ کچھ کرتی اور اپنے تمام دلی بھید اُن سے کہہ دیتی ہیں جس طرح فرانس میں ایک سو سو اس عورت اپنے باوری کے پاس جا کر توبہ کے قصد سے اپنے تمام گناہ ظاہر کر دیتی ہے۔ اور یہ یوقوف اور جاہل یقین رکھتے ہیں کہ ستاروں کی تاثیر کا بل دینا ان لوگوں کے اختیار میں ہے! ان نجومیوں میں سب سے زیادہ ہنسی کے لائق ایک دو غلط پر تکیہ تھا۔ جو گوا سے بھاگ آیا تھا! بھید مسخرہ بھی اپنا قائلین بچاے بڑی تمکنت سے بیٹھا رہتا تھا۔ اور اسکے پاس ہی بہت سے سائل آتے تھے۔ حالانکہ وہ کچھ لکھ پڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اور اسکے پاس آلات نجوم کی عوض صرف ایک پورا نا جہازی قطب نما تھا۔ اور کتابوں کی جگہ رومن کیتھولک فرقہ کی نمائندگی پر تکیہ زبان میں دو پُرانی باتصویر کتابیں تھیں جنکی تصویروں کو کتا تھا کہ فرنگستان میں برجوں کی صورتیں اسی طرح کی بناتے ہیں! ایک دن فرقہ جیسویٹ کے پیشوا فادر بوزی صاحب نے اسکو اس کام میں مشغول دیکھا کہ پوچھا کہ تو یہ کیا کرتا ہے تو اُس نے شرمندہ ہونیکے جگہ یہ جواب دیا کہ ”ایسے یوقوف کا نجومی ایسا ہی چاہیے“ یہ فکر میں اُن غریب نجومیوں کا کرتا ہوں جو بازاروں میں دیکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہ منجم جو امیروں کے پاس آتے جاتے ہیں وہ اُنکو بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور اس طرح پر یہ دولت مند ہو جاتے ہیں! تمام ایشیا میں یہ بے اصل وہم پھیلا ہوا ہے۔ اور خود بادشاہ اور بڑے بڑے امیران فریبی غیب گویوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور بغیر انکی اصلاح کے کوئی ادنیٰ کام بھی

شروع نہیں کرتے یہ نجومی گویا آسمان میں لکھی ہوئی باتیں جانتے اور ہر ایک کام کے کرنے کے لئے مبارک گھڑی تجویز کرنے اور ہر ایک شبہ کو قرآن سے قال نکال کر حل کرتے ہیں۔

وہ دو بڑے بازار جبکا بھی ذکر ہوا اور جو اس چوکور میدان میں اگر ملتے ہیں ان کا عرض قریب پچیس یا تیس قدم کے ہوگا۔ اور جہاں تک کہ نظر پہنچتی ہے وہ سیدھے چلے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو بازار لاٹھری دروازہ کو جاتا ہے وہ بہت لمبا ہے۔ بلحاظ وضع عمارت یہ دو لون بازار ایک ہی سے ہیں اور جیسا کہ پیرس کا بازار معروف پلیس رائل ہے اس طرح ان کے بھی دونوں جانب کی دوکانیں محراب دار ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ایک تو انکی عمارت خشتی ہے دوسرے بچھ کہ یہ ایک منزلی ہیں۔ اور انکی چھتیں بطور ایک سطح چوڑے کے کام دیتی ہیں۔ اور بچھ بھی تفادت ہے کہ پلیس رائل کی دوکانوں کے برائڈ سے اس قطع کے ہیں کہ ان میں داخل ہو کر انسان بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاسکتا ہے۔ اور انکی دوکانوں کے برائڈ علیحدہ علیحدہ ہیں جنکے بیچ میں دیواریں حائل ہیں جنہیں بیٹھکر دن کے وقت اہل حرفہ اور صراف اپنا اپنا کام کرتے اور بیوپاری اپنا مال خریدنے کو دیکھاتے ہیں! ان محرابی برائڈوں کے پیچھے اسباب رکھنے کے لئے کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں جنہیں رات کی وقت سب اسباب رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اوپر بیوپاریوں کے رہنے کے لئے بالا خانے بنے ہوئے ہیں جو بازار کی طرف سے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ اور ہوا دار اور آرام کے قابل اور گرد و خنبار سے محفوظ ہیں۔

اور ان کے آگے برائڈے کی چھت جو صحن کے طور پر ہے جو لوگ ان میں رہتے ہیں وہ رات کو اُس پر سوتے ہیں۔ مگر ایسے بالا خانے سب دوکانوں پر نہیں ہیں۔ اور اگرچہ شہر کی بعض بعض اطراف میں بھی اسی طرح کسی کسی دوکان پر اچھے بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔ مگر ان اطراف میں کوٹھڑیوں کے اوپر جو بالا خانے ہیں۔ اکثر ایسے پست بنے ہوئے ہیں کہ باناڑیں سے بخوبی دیکھائی نہیں دیتے۔ مگر متمول یو پارے دوکانوں پر نہیں سوتے۔ بلکہ کام کاج کے اپنے اپنے مکانوں کو جو شہر میں ہیں چلے جاتے ہیں۔ !

ان کے سوا پانچ بازار آؤ ہیں۔ اور اگرچہ انکی قطع اور وضع بھی انہیں کے قریب قریب ہے۔ لیکن ایسے لمبے اور سیدھے نہیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ گلیوں اور کوچوں میں جو ہمیشہ بازار ہیں۔ اور جو ایک دوسرے کو تقاطع کرتے ہیں ان میں سے اگرچہ اکثر کے سامنے کی عمارت محرابی طرح کی ہے مگر چونکہ وہ ایسے لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں جنکو عمارت کے متناسب کا کچھ خیال نہ تھا۔ اسلئے ان میں بہت کم ایسے خوش قطع اور سیدھے اور عرض ہیں جیسے کہ وہ باناڑ ہیں جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔

شہر کے گلی کوچوں میں جو منصب داروں اور حکام عدالت اور دولتمند تاجروں اور آؤ لوگوں کے مکانات ہیں۔ ان میں بھی بہت سے اچھے خاصے خوبصورت ہیں۔ مگر اینٹ یا پتھر کے بنے ہوئے مکان بہت تھوڑے اور پکے اور خشن پوش زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اسکے عموماً چولوار اور خوشنما ہیں۔ اور اکثروں میں چوک اور باغچے ہیں۔ اور بہت آرام کے اور

ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہیں اور جو مکان خس پوش ہیں وہ بھی اچھے
لبے اور مضبوط بانس کے چھپرے سے چھائے ہوئے اور کمگل اور
سفیدی کے ہوئے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ مرض پوش اور چھوٹے چھوٹے
مکانات جو بڑے بڑے مکانات کے ساتھ خلط ملط ہیں ان میں معمولی
فوجی سوار اور اُن گنت نفر خد متگراور ناں بانی وغیرہ جو بادشاہ اور لشکر کے
ساتھ جایا کرتے ہیں رہتے ہیں۔ اور ان کے سبب سے شہر میں اکثر آگ
لگ جاتی ہے چنانچہ پچھلے برس تین بار ایسی آگ لگی کہ تیز ہوا کے سبب سے
جو گرمی کے موسم میں چلا کرتی ہے۔ قریباً ساٹھ ہزار چھپرے پر بانی بھر گیا
اور چند اونٹ اور گھوڑے اور بہت سی پردہ دار عورتیں ہی جل بھن گئیں
کیونکہ یہ بیچاریاں ایسی شرماء اور پابج ہوتی ہیں۔ کہ نامحرم لوگوں سے مونہ
چھپانے کے سوا ان سے کچھ بن ہی نہیں آتا۔ چنانچہ جو عورتیں اس صدمہ سے
ہلاک ہوئیں وہ اتنی بہت نہ کہتی تھیں کہ بھاگ کر بچ جائیں! ان کے اور
خس پوش مکانوں کے باعث سے میں ہمیشہ یہ خیال کیا کرتا ہوں کہ
سوائے اتنے فرق۔ کہ آرام کے بعض سامان اس میں زیادہ ہیں۔ ذہلی گویا
چند دیہات کا مجموعہ یا فوج کی چھاؤنی ہے۔

اُمرا کے مکانات اگرچہ اکثر دریا کے کنارے اور شہر کے باہر ہیں۔
لیکن اور مقامات میں بھی ہیں اور اس گرم ملک میں اُسی مکان کو عمدہ سمجھتے
ہیں جس میں سب طرح کا آرام ہو اور سب طرف کی اور خاصہ شمال کے جانب کی
ہو آتی ہو۔ چنانچہ وہ مکانات عمدہ سمجھے جاتے ہیں جن میں ایک اچھا صحن اور باغچہ

اور درخت اور حوض اور دالان کے اندر یا دروازہ میں چھوٹے چھوٹے
 فوارے لگے ہوں۔ اور خوبصورت تہ خانے ہوں جنہیں بڑے بڑے
 پنکھے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنی خنکی کی وجہ سے گرمی کے دنوں
 میں دوپھر سے چار یا پانچ بجے تک جب کہ ہوا ایسی گرم ہوتی ہے کہ سانس
 نہیں کر لیا جاسکتا بہت آرام کی جگہ ہوتی ہیں۔ مگر تہ خانوں کی نسبت
 اکثر لوگ سخاؤ کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے پائینہ رکھتے ہوتے
 ہیں جو ایک قسم کی گھاس کی خوشبو دار جڑوں سے بنائے جاتے اور چمن کے
 اندر اس غرض سے حوض کے قریب رکھائے جاتے ہیں کہ خدمتگار لوگ
 چھڑکی ڈوپھیوں سے انکو باہر کی طرف سے آسانی کے ساتھ چھڑک سکیں
 اور اس قطع کا مکان سب سے عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ جسکے چاروں طرف
 قد آدم اونچے دالان ہوں جنہیں چاروں طرف کی ہوا آتی ہو۔ اور ایک بڑے
 چمن کے اندر بنا ہوا ہو۔ اور فی الواقع کوئی عمدہ مکان ایسا نہیں ہے جس میں
 گھروالوں کے سونے کیلئے صحن چبوترہ نہ ہو جہاں سے بارش یا آندھی
 کے وقت یا جب صبح کو سرد ہوا چلنے یا شبنم پڑنے لگتی ہے پلنگ کو سرکار
 اندر لیا جاتا ہے۔ یہ شبنم اگرچہ زیادہ نہیں ہوتی مگر بدن میں سرائت گر جاتی
 ہے۔ جس سے اکثر ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔

اچھے گھروں میں نشست کا یہ طریقہ ہے کہ فرش کے اوپر روئی کا
 ایک بھاری اور قریب چار انگل کے موٹا گدیلا بچھا رہتا ہے جس پر گرمی کے

دنوں میں عمدہ سفید کپڑا (چاندنی) اور جاڑوں میں ریشمین قالین بچھاتے ہیں۔ اور دالان کے صدر میں ایک یا دو گدیے بچھے رہتے ہیں۔ جن پر ریشم کے ٹکے کام کی سوزنی جیسے سنہری اور دھاری کی دھاریاں بنی ہوئی کھڑی ہیں پڑی رہتی ہے۔ اور صاحب خانہ اور معزز اور ممتاز لوگ جو ملاقات کو آتے ہیں اُس پر بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک گدیے پر کنجاب کا ایک گاؤں لکھی بھی لگا رہتا ہے اور اسکے علاوہ اہل مجلس کے آرام کے لئے دالان کے گرد اگر دکنجاب اور مخمل اور بھولدار ریشمین کپڑے کے غلافوں کے چند اور ٹکے بھی لگے رہتے ہیں۔ اور دالان کے چاروں طرف جو زمین سے قریب دو یا ڈیڑھ گز اونچے بہت معقول اور باقرینہ مختلف شکل کے طاق بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن میں عمدہ عمدہ چینی کے برتن اور گلدان رکھے جاتے ہیں۔ اور دالان کی چھت منقش اور ملمع کاری کی ہوتی ہے مگر انسان یا کسی اور جاندار شے کی تصویر اُس پر نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب اسلام میں ممنوع ہے۔

یہ ہندوستان کے ایک عمدہ مکان کا قریباً صحیح بیان ہے۔ اور دہلی میں ایسے مکانات بہت سے موجود ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ بغیر فرنگستان کے مکانوں کی ہجو کے بلاناہدیشہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دارالسلطنت کی عمارتیں اگرچہ فرنگستانی عمارتوں سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں رکھتیں۔ مگر تاہم خوبصورتی سے خالی نہیں۔ مگر جو چیز کہ فرنگستان کے شہروں کی زیر وزینت کا باعث ہے وہ خوشنما اور شاندار دکھائی نہیں دیتی ہیں

نہیں ہیں اور اگرچہ یہ شہر ایک عالی شان اور طاقتور بادشاہ کے دربار کا مقام ہے۔ جہاں لازمی طور پر ہر قسم کی بیش قیمت اشیاء کا جمع ہو جانا ایک ضروری امر ہے۔ تاہم کوئی ایسا بازار یہاں نہیں ہے جیسا ہمارا سنیٹ ڈینس ہے جس کا مقابل اور ہم سر غا لباً تمام ایشیا میں نہ ہوگا۔

یہاں بیش قیمت مال اکثر مال خانوں میں دھرا رہتا ہے۔ اور فرنگستان کی طرح دکانیں بھڑک دار اور بیش قیمت اسباب سے شاذ و نادر ہی آراستہ نظر آتی ہیں اور اگر ایک دکان میں پشمینہ کتاب اور زری کار سندیلیں اور ریشمین کپڑے وغیرہ ہیں تو پاس ہی کوئی پچیس دوکانوں میں گئی تیل دال چاول گیمبوں جو وغیرہ بیشمار قسم کے اناج جو نہ صرف ہندوؤں کی معمولی غذا ہے جو کبھی گوشت نہیں کھاتے بلکہ غریب مسلمان بہت سے سپاہی ہی یہی کھاتے ہیں تو گردوں میں بھرے ہوئے دھرے نظر آتے ہیں۔ البتہ ایک بازار ایسا ہے جس میں میوہ کھلاڑ کھار ہتا ہے۔ اور اُس میں بہت سی دکانیں ہیں جو گرمی کے موسم میں ایراں بلخ بخارا اور سمرقند کے خشک میوؤں باوام ہستہ خندق کشمش سیر اور زرد کو اور جاڑوں میں سیاہ اور سفید نہایت عمدہ تانے انگوڑوں سے چوروی کی تہ میں لگائے ہوئے ان ملکوں سے آتے ہیں اور ناشپاتی اور تین چار قسم کے سیب اور نہایت عمدہ سردب سے جو جاڑے بھر بکتے رہتے ہیں بھری رہتی ہیں گر پھلوں سے بہت منگے جکتے ہیں! چنانچہ ایک سردہ پونے چار روپیہ کو آتا ہے۔ لیکن بالائے نمہ اہل دہلی کو سب میووں سے زیادہ مرغوب اور پسند ہے۔ اُمر کے ہاں میوہ کثرت سے خریداجاتا ہے چنانچہ

مجھے یاد ہے کہ میرے ”آغا“ کے ہاں اکثر صبح کے کھانے کے موقع پر کوئی پچاس روپیہ کا میوہ صرف میں آتا تھا۔

گرمی کے موسم میں ویسی خر پوزہ بہت سستا ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ لذت نہیں ہوتا۔ اور بھرا اسکے کہ ایران سے بیج منگوا کر ایک اچھی اور کمائی ہوئی زمین میں بویا جائے جیسا کہ امرا اکثر کرتے ہیں عمدہ میسر نہیں آتا مگر اسپر بھی اچھا اور عمدہ خر پوزہ کیا ہے۔ کیونکہ یہاں کی زمین ہوا فتنہ نہیں ہے۔ اور ایک سال کے بعد یہ تخم ہی بگر جاتا ہے۔

گرمی کے موسم میں آم دو مہینے تک رہتے ہیں اور بہت کثرت سے اور سستے ملتے ہیں۔ لیکن دہلی میں جو آم پیدا ہوتا ہے وہ نہ تو کچھ اچھا ہی ہے اور نہ کچھ بُرا۔ اور سب سے عمدہ آم بنگالہ گول کنڈا اور گوآ سے آتا ہے۔ جو فی الواقع نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی مٹھائی اسکی شیرینی اور خوشبو کو نہیں پہنچتی۔ تیر پوز سال بھر ہوتا ہے۔ لیکن دہلی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ نرم اور بچھڑا ہے۔ اور رنگت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھی امرا کے ہاں اچھا کھانے میں آتا ہے۔ جو باہر سے بیج منگوا کر بڑی احتیاط اور سچ بوائے ہیں۔!

شہر میں جلوائیوں کی دکانیں کثرت سے ہیں۔ لیکن مٹھائی اچھی نہیں بنتی اور گرد اور کمیوں سے بھری رہتی ہے۔! نان بانی بھی بیشمار ہیں مگر ان کے تنور ہمارے ہاں کے تنوروں سے مختلف وضع کے ہیں اور بہت بُرے ہیں۔ اور اس سبب سے روٹی نہ تو عمدہ ہی ہوتی ہے اور نہ خوب پسکی

ہوئی البتہ جو روٹی قلعہ میں بکتی ہے وہ کس قدر اچھی ہوتی ہے اور اُمر تو اپنے گھر پر ہی تیار کرا لیتے ہیں۔ اور اسوجے نہایت عمدہ ہوتی ہے اور اس میں دودھ مکھن اور انڈا خوب ڈالا جاتا ہے۔ اور اگرچہ خوب پھول جاتی ہے۔ مگر مزاجی ہوئی کا سا ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر یک جسی ہوتی ہے اور پیرس کی ”گائس“ اور اُور وٹوں کو ہرگز نہیں پہنچتی۔ اگرچہ بازار میں کئی قسم کے کباب اور قلیہ وغیرہ بکتا ہے لیکن اسکا کچھ اعتبار نہیں کہ کس جانور کا گوشت ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی اونٹ یا گھوڑے یا قریب المرگ بیل کا گوشت بھی ہوتا ہے۔ غرض کوئی کھانا جو گھر میں تیار ہوا ہو معین صحت نہیں ہے۔ دہلی کے ہر گلی کو چے میں گوشت بکتا ہے۔ لیکن بکری کے گوشت کی جگہ دھوکے سے بھٹیڑ کا گوشت بھی دیدیتے ہیں۔ پس اس قریب سے بچنے کے لئے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ بیل کا گوشت اور خاصکر بھٹیڑ کا اگرچہ مزہ میں بُرا نہیں ہوتا۔ لیکن گرم ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ اور نفخ اور دیگر ہضم ہی ہے۔ اِحلوان کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ بازار میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ اسلئے زندہ جانور خریدنا پڑتا ہے۔ لیکن اس میں بڑی دقت ہے کہ اس ملک میں صبح کا گوشت شام تک نہیں ٹھیرتا۔ دوسرے یہ کہ جانور دبلے ملتے ہیں۔ اور اسوجے گوشت بیڑہ ہوتا ہے اور قصابیوں کی دکانوں میں دُبلے بکریوں کا گوشت ملتا ہے جو اکثر سخت ہوتا ہے۔ اگر خاص مجھ کو اس امر کی شکایت نازیبا ہے۔ کیونکہ جبے کہ میں ان لوگوں کے رویہ سے واقف ہو گیا ہوں ایسا کم اتفاق ہوا ہے کہ مجھ کو روٹی

یا گوشت اچھا نہ ملا ہو۔ چنانچہ میں خاص بادشاہی باد چرخانہ کے داروغہ کے پاس قلعہ میں اپنا نوکر بھیجتا ہوں اور وہ خوشی سے عمدہ کھانا دیدیتے ہیں جس پر انکی لاگت اگرچہ کم لگی ہوتی ہے۔ مگر میں برضا مندی ایک اچھی قیمت دیدیتا ہوں۔ چنانچہ میرا ”آفا“ مجھ سے یہ منکر بہت ہنساکہ میں برسوں سے چوری اور جالاکئی سے اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ ورنہ پونے چار سو روپیہ میں جو مجھے اپنی سرکار سے ملتے ہیں فاقوں کے مارے مر جاتا تھا لاکھ فرائس میں منہ نہ آتھہ آئے روز میں ایک پادشاہ کا سا کھانا کھا سکتا ہوں۔

خصی مرغ دہلی میں بالکل نہیں دیکھائی دیتا۔ کیونکہ اس ملک کے لوگ جانوروں پر عموماً رحم کرتے ہیں۔ اگرچہ انسانوں پر رحم نہیں کرتے۔ جنکو مجلسرا کے کام کے لئے خوب بناتے ہیں۔ لیکن پرند جانور کثرت سے بازار میں بکتے ہیں اور اچھے اور سستے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک چھوٹی قسم کی مرغی جسکا چمڑہ سیاہ ہوتا ہے۔ اور جسکا نام میں ”دجشی“ رکھا ہے وہ بھی بکتی ہے۔ کیونکہ تیرہی ملتے ہیں مگر بچے نہیں ملتے۔ کیونکہ ہندوستان کے لوگ بچوں کا مار ڈالنا بیرحمی کا کام سمجھتے ہیں! تیرہی بھی ملتے ہیں۔ مگر ہمارے ملک کے تیرہی سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ جال سے پکڑ کر دور سے زندہ لاتے ہیں ایسے اچھے نہیں ہوتے۔ جیسے کہ آذربائیجان ہوتے ہیں وہی کیفیت مرغابیوں اور خرگوشوں کی ہے جو زندہ پکڑے جا کر پنیر کے پنیر بھرے ہوئے شہر میں آتے ہیں! دہلی کی نواح کے ماہی گیر اپنے پیڑ میں ہوشیار نہیں ہیں۔ لیکن بعض وقتاً اچھی مچھلی بھی بکتی ہے۔ خصوصاً ”سکھاڑا“ اور ”روہ“ جو اپنے ہاں کی

پانگ اور کارپ کی شکل کی ہوتی ہیں مگر جاڑوں میں ماہی گیر مچھلی کم پکڑتے ہیں کیونکہ اس ملک کے لوگ سردی سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے ہیں جتنا کہ کہ اہل فرنگ گرمی سے خوف کرتے ہیں۔ اور اس موسم میں اگر اتفاق سے کوئی مچھلی آجاتی ہے تو خواجہ سرا اسکو فوراً خرید لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ بالخصوص اسکے شائق ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ مگر امر کوڑے کے زور سے جو ہمیشہ اُنکے دروازہ پر لٹکتا رہتا ہے انکو ہر ایک موسم میں مچھلی پکڑنے کو بھیجتے ہیں۔!

اب میرا یہ بیان سکر آپ غور فرما سکتے ہیں کہ کیا کوئی خوش خور شخص پیر کو چھوڑ کر دہلی کی سیر کو خوشی سے آئینگا؟ بیشک امیروں اور دولت مند لوگوں کو ہر ایک شے میسر ہے لیکن یہ صرف اُن کے ملازموں کی کثرت اور کوڑے اور دروپیہ کے باعث سے ہے! دہلی میں متوسط الحال شخص کوئی نہیں ہے اور یا تو بڑے بڑے عالی رتبہ لوگ ہیں یا ایسے ہیں جنکی زندگی مصیبت سے بسر ہوتی ہے۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ میری تنخواہ بھی معقول ہے۔ اور میں خرچ بھی کرتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حسبِ دلخواہ کھانا نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ بازار میں اچھی چیز نہیں ملتی۔ اور اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں۔ جنکو امرا نے ناپسند کر کے چھوڑ دیا ہو! شراب جو فرنگستان میں کھانیکا بڑا جزو سمجھی جاتی ہے۔ دہلی کی کسی دکان میں نہیں ملتی۔ اور اگرچہ دیسی انگور کی بن سکتی ہے لیکن شرع اسلام اور شاستر کی رو سے بڑا بر ممنوع ہے۔ چنانچہ احمد آباد اور گولکنڈہ میں بعض طرح اور انگریزوں کے گھروں میں مینے پی ہے جو بد مزہ نہ تھی اور

سلطنت مغالیہ میں اگر کبھی عمدہ شراب ملتی ہے تو وہ شیراز یا خمر کناری کی ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب شیرازی تو ایران سے خشکی کی راہ سے ہندوستان میں پہنچ کر بذریعہ جہاز سورت میں لاتی ہے۔ جہاں سے چمپائیں دن کے ۶ صدیوں پہلے پہنچ جاتی ہے۔ اور جزائر کناری سے چڑھ کر لوگ سورت میں لاتے ہیں لیکن یہ دونوں قسم کی شرابیں اس قدر گران قیمت ہیں کہ بقول اس ملک کے لوگوں ان کی قیمت ان کے خزانوں کے بے لطف کر دیتی ہے چنانچہ ایک بڑا شیشہ جو تین انگریزی بوتلوں کے برابر ہوتا ہے۔ پندرہ یا سولہ روپیہ کم کو ہرگز نہیں آتا۔ اور جو شراب خاص اس ملک میں بنتی ہے اور جس کو یہاں عرق کہتے ہیں ایک قسم کی تیز اور تند شراب ہے۔ جو گرم سے بچھکے میں کھینچ کر

۱۵ چھوٹے بڑے سات جزیرے ہیں جو شمالی حصہ بحر اٹلانٹک میں واقع ہیں۔ ان کا عرض شمالی ستائیس سے لیکر چالیس اور اتالیس سے لیکر تیس تک اور طول غربی نصف النہار لندن سے تیرہ سے تیس اور اٹھارہ سے لیکر تیس تک ہے۔ ان کا رقبہ بحساب انگریزی میل مربع اور آبادی

موافقی شمار ۱۸۲۵ء بحسب ذیل ہے۔	آبادی	رقبہ
(۱) جزیرہ ٹناریف <i>Teneriffe</i>	پچاس ہزار	۸۷۷۷
(۲) کناری <i>Gran Canaria</i>	آٹھ ہزار	۷۵۸۶۳
(۳) پالما <i>Palama</i>	تینتیس ہزار	۷۱۸۶۵
(۴) لانس <i>Lanzarote</i>	ستہ ہزار چار سو	۲۲۳۶۵
(۵) فورتونٹینا <i>Fuerte Ventura</i>	تیرہ ہزار آٹھ سو	۳۲۶۶۱
(۶) گوئرا <i>Gomera</i>	گیارہ ہزار سات سو	۱۶۹۶۷
(۷) ہائیرو <i>Hierro</i>	چار ہزار چار سو	۸۲۶۲

ان میں سے پانچواں جزیرہ ساحل افریقہ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور فاصلہ صرف پچاس اور ساٹھ میل کا ہے۔ ان کے سوا اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں جو اکثر غریب آباد ہیں۔

بناتے ہیں مگر اسکے بکنے کی بھی سخت ممانعت ہے اور سوائے عیسائی مذہب کے لوگوں کے علانیہ کوئی شخص نہیں پی سکتا۔ مگر یہ عرق ویسا ہی تند و تیز ہے جیسا کہ پولینڈ کے ملک میں اناج سے بناتے ہیں اور اگر اسکا تھوڑا سا بھی زیادہ استعمال کیا جائے تو علاج اعصابی امراض اُس سے پیدا ہوتے ہیں پس عقلمند آدمی یہاں یا تو صرف خالص پانی پینے کی عادت رکھے گا یا نہایت عمدہ نیبو کے شربت کی جو تھوڑی سی قیمت میں میسر آجاتا ہے۔ اور کچھ ضرر نہیں کرتا۔ اصل یہ ہے کہ اس گرم ملک میں بہت ہی کم لوگوں کو شراب کی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ اپنی شراب نہ پینے کی عادت اور پسینہ کے بکثرت آتے رہنے کی وجہ سے بہت سی بیماریوں مثلاً نقرس سنگ مثانہ اور امراض گردہ اور زکام نزلہ اور چھوٹے تپ کو جانتے بھی نہیں۔ اور جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷۔ رویوں کو پہلے بھل شہنشاہ گٹس کے زمانہ میں اُن کی خبر ہوئی۔ پٹوارک اور بلیوس نے بھی اپنے جہز افیوں میں چند سرسبز جزیروں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا نامکمل ہے کہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جزائر کسے دی اس کا ذکر ہے یا کناری کا یہ سبب بالفعل شاہ سپین کے قبضہ میں ہیں۔ اور لوگوں کی بلند قاستی کے لئے مشہور ہیں۔ آپا دہوا عموماً خوشگوار اور خشک اور صحت بخش ہے! اپریل سے اکتوبر تک شمالی یا شمالی مشرقی ہوا چلتی رہتی ہے اور مشرقی ہوا کے ساتھ کھربڑی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر جارتے کے موسم میں کبھی کبھی جنوبی مشرقی بھی ہوا چلتی ہے۔ جو براعظم افریقہ کی طرف سے آتی اور گرم ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے بہت خرابیاں پھیلتی ہیں۔ اور بعض اوقات اسکے ساتھ ٹڈی بھی آتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲ء میں اس قدر ٹڈی آئی تھی کہ زمین پر چار فٹ نیچرہ گئی تھی انگریزوں کی کثرت سے ہوتا ہے۔ اور سب سے بہتر شراب گوشت شمال مغرب کے ساحل پر بنائی جاتی ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) س۔ تہ۔

لوگ اِن امراض کے شاکِ یہاں آتے ہیں جیسا کہ خود میرِ احال تھا وہ بہت جلد بالکل اچھے ہو جاتے ہیں۔ اور اعضائے تناسل کی بیماریاں بھی جو اس ملک میں بکثرت ہیں اور ملکوں کی سی نہ تو سخت ہی ہوتی ہیں اور نہ ویسے بُرے نتیجے ہی پیدا کرتی ہیں۔ البتہ اس ملک کے لوگ اگرچہ اکثر تندرست رہتے ہیں لیکن تاہم ویسی بہت اور جراثیم نہیں رکھتے جیسے کہ ہمارے سرد ملک کے لوگوں میں ہے۔ اور جسم اور طبیعت کی کمزوری اور کاہلی جو ملک کی نہایت درجہ کی گرمی کا نتیجہ ہے ایک ایسی بیماری سمجھنی چاہیے جس میں ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ اور جو فزنگستان کے لوگوں پر جو گرمی کی برداشت کے عادی نہیں ہیں خصوصیت کے ساتھ اثر کرتی ہے۔

دہلی میں ہندو مندکار گیروں کے کارخانے بالکل نہیں ہیں مگر اس کا سبب یہ نہیں کہ ہندوستانی لوگ صناعتی اور کاریگری کی لیاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں بہتے ہوئے شیار اور ذہین لوگ پائے جاتے ہیں اور ہیشمار خوبصورت چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جنکو لوگ بغیر کلوں کے بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے شاید کسی استاد سے بھی تعلیم نہیں پائی ہوتی۔ اور بعض اوقات تو یہ لوگ یورپ کی چیزوں کی ایسے کامل طور سے تقلید کرتے ہیں کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ منجملہ اس قسم کی اور اشیاء کے نہایت عمدہ شکاری اور جنگی بندوقیں ہیں۔ اور سونے کے زیور تو ایسے عمدہ بناتے ہیں کہ کوئی یورپین سنار ان سے بڑھ کر شائد ہی بنا سکے۔

مصورِی اور نقاشی کا بھی ایسا نازک اور باریک کام تیار کرتے ہیں کہ جسے

دیکھ کر میں کثرت میں آ گیا ہوں۔ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی بڑی بڑی مہموں کی ایک بٹلیہ جو ایک مشہور اور نامی مصور نے ایک ڈھال پر سات برس کے عرصہ میں تیار کی تھی اُس نے تو بالخصوص مجھ کو حیران کر دیا اور میں اس کو ایک عجیب کام خیال کیا۔ مگر ہندوستانی مصور اکثر تصویر میں تناسب اعضا اور ان حالتوں کے ظاہر کرنے میں جو مختلف اوقات میں انسان کے چہرہ پر نمایاں ہوا کرتی ہیں کچے ہیں۔ لیکن اگر ان کو ایک اچھا استاد اس فن کے اصول کی تعلیم دے تو یہ عیوب جلد رفع ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے اس دار السلطنت شہر میں دستکاری اور ہنرمندی کے اعلیٰ قسم کے نمونوں کا پایا نہ جانا لوگوں کی کند ذہنی اور ناقابلیت کی وجہ سے نہیں ہے اور اگر کاریگروں اور کارخانداروں کو کچھ ہمت دلائی جائے تو بیشک مفید اور عمدہ صنعتوں اور حرفوں کو ترقی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان بیچاروں کو واجبی اجرت بھی نہیں ملتی بلکہ ان کے ساتھ سختی برتی جاتی ہے۔ اور وہ متمند لوگ ہر ایک چیز ارزان قیمت پر لینی چاہتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی امیر یا منصبدار کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی ہے تو بازار سے بلوا لیتا ہے۔ اور بشرط ضرورت بیچارے سے جبراً کام لیتا ہے۔ اور چیز کے تیار ہو جانے پر اُس کی خوبی کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف اپنی اٹکل سے جو قیمت چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور کاریگر کو بڑوں کی مار سے بچ جانے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے۔ پس اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ کاریگر اور کارخاندار لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہنر دکھانے میں سعی کریں۔ بلکہ ان کو تو شہرت اور ناموری پیدا کرنے کے لئے

کوشش کرنے کی جگہ صرف یہ فکر رہتا ہے کہ کہیں جلدی پیچھا چھوٹ جاے اور اس قدر ضروری ملجاے جس میں اوقات بسر ہو جاے۔ اس سبب سے صرف وہ ہی کاریگر اپنے فن میں کسی قدر کمال پیدا کرتے ہیں جو بادشاہ یا کسی صاحب اقتدار امیر کے نوکر ہیں۔ اور صرف اپنے آقا کے لئے کام تیار کرتے ہیں۔ قلعہ کے اندر کے مکانات کا ذکر [قلعہ میں محسّر اے شاہی اور آؤر محل ہیں۔ لیکن آپکو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ویسے ہی ہیں جیسے کہ لوگر یا اسکیتوریل ہیں۔ بلکہ ان کی کوئی چیز بھی فرنگستان کی عمارت کے مشابہ نہیں ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے مشابہ ہونا چاہیئے ہی نہیں۔ کیونکہ ان کے لئے اس ملک کی آب و ہوا کے موافق عمدہ اور شان دار ہونا ہی کافی ہے۔

اور دائرہ قلعہ صرف ہتیا پل کا ذکر [قلعہ کے دروازہ کی عمارت میں کوئی قابل الذکر چیز نہیں ہے بجز اس کے کہ پتھر کے دو بڑے ہاتھی بنا کر دونوں جانب کھڑے کئے ہوئے ہیں جنہیں سے ایک پر چیتور کے مشہور و معروف راجہ جیل کی پورت ہے۔ اور دوسرے پر اس کے بھائی فٹا کی جو دونوں بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے۔ اور جنکی ماں اُن سے بھی زیادہ دل چلی تھی۔ اور جو شہنشاہ اکبر سے ایسے لڑے تھے کہ اہل آباد تک ان کا نام رہیگا۔ اس عظیم الشان بادشاہ نے جب ان کے شہر کو انکر گھیر لیا تو یہ بڑے ہی استقلال کے ساتھ اُس سے مقابل ہوئے۔ اور بجائے اسکے کہ اپنے دشمن کی جیسکوا اپنے زور اور قوت پر بڑا گمنہ تھا اطاعت قبول کریر اپنی اور اپنی مان کی جان اپنے ملک پر

لے یہ بادشاہی محل ہیں جس میں سے پہلاؤ اٹس میں اور دوسرا پتین میں ہے۔ س م ح۔

قربان کر ڈالی۔ اور یہ انکی اس ہمیش جانہازی ہی کی وجہ سے تو ہے کہ ان دشمنوں نے بھی یادگار کے طور پر انکی مسورتوں کا قیام رکھنا مناسب خیال کیا یہ ہاتھی جنہر یہ دونوں بہادر سوار ہیں بڑے شان و شکوہ کے ہیں۔ اور انکو دیکھ کر عرب اور آدب کا ایک ایسا خیال مجھ چھوڑ گیا جسکو میں بیان نہیں کر سکتا اس دروازہ سے قلعہ میں داخل ہو کر ایک لمبا اور وسیع راستہ ملتا ہے جسکے پیچھے بانی کی ایک نہر جاری ہے اور دونوں جانب پانچ یا چھ فرامشی فٹ اونچا اور چار فٹ چوڑا اس طرح کا چبوترہ بنا ہوا ہے جیسا کہ پیرس کا پونٹ فی آف ہے جسکو چھوڑ کر دونوں طرف اخیر تک برابر برابر محراب دار والان بنتے چلے گئے ہیں۔ جنہیں مختلف کارخانوں کے داروغے اور آؤر کم درجے کے عہدہ دار بغیر اسکے کہ گھوڑے اور آدمی جو نیچے آتے جاتے ہیں ان سے انکو کچھ تکلیف پہنچے بیٹھے ہوئے اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ اور منصب دار جو رات کو چوکی دینے آتے ہیں وہ بھی اسی چبوترہ پر ٹہیرتے ہیں۔

۱۷ آثار عالمگیری میں لکھا ہے کہ درنگ زیب نے اپنے گیارہویں سال جلوس طابق سن الیکٹر اور اٹھتر ہجری میں تہر کے دوپور سے قند کے ہاتھی جو نہایت عمدہ صنعت سے بنے ہوئے تھے اور دروازہ قلعہ کے دونوں جانب نصب تھے اور اسی وجہ سے اس دروازہ کو تھیا پول کہتے تھے شروع کے لحاظ سے انھوں کو تین لغت خانی نے اپنی مشہور کتاب وقایع میں انی رائے نامی صیغہ حساب خواہ کے ایک عہدہ دار کی جو میں ہیتی کے طور پر جو یہ شعر لکھا ہے "آن صورت مہابت فیلاں تھیا پول" مارا فیل بند حساب و کتاب کو "اِس سے بھی ابن ہاتھیوں اور تھیا پول کا جو نہایت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ تھیا پول قلعہ شاہجہان پول کے کوس سے دروازہ کا نام تھا۔ صاحب آثار الصنادید نے ابن ہاتھیوں کو قلعہ خانہ کے دروازہ کے آگے بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس دروازہ کو اسی سبب تھیا پول کہتے تھے۔ پس صحیح بات ہی ہے جو آؤر کتبہ دربار صاحب آثار عالمگیری نے اپنی انگوٹھوں دیکھی ہوئی لکھی ہے۔ س م ح۔

اس نہر کا پانی اول مجلس میں جاتا ہے۔ اور پھر وہاں سے موقع بہ موقع سب مکانوں میں پہنچتا ہے۔ اور اسکے بعد قلعہ کی خندق میں جا کر گرتا ہے اور یہ دہلی سے پندرہ یا اٹھارہ میل کے فاصلہ پر جمنائیں سے کاٹی ٹب کر بڑی محنت سے میدان اور پہاڑی سخت زمین پر سے لائی گئی ہے۔

قلعہ کے دو سر دروازہ کا ذکر قلعہ کے دوسرے دروازہ کے بھی اندر کی

طرف ایک لمبی اور خاصی چوڑی سڑک ہے اور اسکے بھی دونوں جانب ویسے ہی چبوترے ہیں۔ لیکن محراب دار والائوں کے عوض دکانیں بنی ہوئی ہیں۔ اور بیچ پوچھنے تو یہ ایک بازار ہے جو لداؤ کی چھت کی وجہ سے جسمیں اوپر کی طرف روشنی اور ہوا کے لئے بڑے بڑے گول روشن دان بنے ہوئے ہیں۔ گرمی اور برسات میں بہت آرام کا ہے۔

۱۵ صاحب انکار الصنادید نے کتاب مراآت آفتاب نما کے حوالہ سے اس نہر کی بابت یہ لکھا ہے کہ اول اسکے سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ۶۹۱ھ ہجری مطابق ۱۲۹۱ء عیسوی میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر تیس کوس تک پرگنہ سفیدوں میں جہاں اسکی شکار گاہ تھی لاکر چھوڑ دیا تھا۔ پھر کسی بادشاہ کو اسکا خیال نہ رہا اور یہ بند ہو گئی ۶۹۹ھ ہجری مطابق ۱۳۰۸ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اسکو پھر صاف کر لیا اور اپنی جاگیر میں لایا۔ اور نہر شہاب اس کا نام رکھا۔ مگر ایک مدت بعد پھر بند ہو گئی اور ۷۲۳ھ ہجری مطابق ۱۳۳۸ء میں شاہجہاں کے حکم سے سفیدوں تک پھر صاف کی گئی اور وہاں سے آگے شاہجہان آباد تک نئی کھودی گئی۔ اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں جاری ہوئی۔ ایک عرصہ بعد اس کا پھر وہی حال ہو گیا تھا جو تھینا ۸۲۰ھ مطابق ۱۴۱۷ء ہجری میں سرکار عالیہ انگریزی نے اسکو پھر جاری کیا۔ اور آج تک یعنی جولائی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۵ھ ہجری نہایت خوبی اور صفائی سے جاری اور جمن شرقی کے نام سے معروف ہے۔ - س م ح

ان دونوں سڑکوں کے سوا دائیں بائیں اور بھی چھوٹی چھوٹی سڑکیں ہیں جو ان مکانات کی طرف جاتی ہیں جہاں معمول کے موافق آٹھ اباری باری ہفتہ میں ایک رات دن چوکی دیا کرتے ہیں۔ یہ مکانات جہاں آٹھ چوکی دیتے ہیں اچھے عمدہ ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان کو اپنے خرچ سے آراستہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سب بڑے بڑے دیوانخانے ہیں۔ اور ان کے سامنے باغیچے ہیں جنہیں چھوٹی چھوٹی نہریں اور حوض اور فوارے بنے ہوئے ہیں۔ جس امیر کی نوکری ہوتی ہے اُس کے لئے کھانا بادشاہی خاصے میں سے آتا ہے جسکے آنے کے وقت امیر کو ادائے شکر کے لئے بادشاہی محل کی طرف منج کر کے تین دفعہ تسلیات بجالانا یعنی زمین تک ہاتھ لیجا کر ماتھے تک لانا ہوتا ہے۔ ان کے سوا مختلف مقامات میں سرکاری دفاتروں کے لئے بہت سے دیوانخانے بنے ہوئے اور خیمے لگے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے جن بڑے دالانوں میں کاریگر بیٹھتے ہیں وہ مختلف کارخانوں کے نام سے موسوم ہیں۔ جن میں ایک استکار کے ماتحت کسی ہیں۔ کاچوب اور چکن دوز اور زر دوز وغیرہ کام کرتے ہیں۔ اور کسی میں سنار اور کسی میں مصوّر اور نقاش اور کسی میں روغن ساز اور کسی میں بڑھئی۔ اور سزا دی۔ اور کسی میں درزی اور موچی اور کسی میں دارای اور چوڑیا اور کتّاب اور باریک ململ بننے والے جو الاسے۔ جو کپڑیاں بناتے اور کمر باندھنے کے پھول دار زری کارپٹ کے اور زنانے ہاجاموں کے لئے ایسا تازک اور باریک کپڑا بناتے ہیں جو صرف ایک رات کے استعمال ہیں

بیکار ہو جاتا ہے۔ یہ کپڑا جو صرف چند گھنٹے کام دیتا ہے۔ پچیس یا تیس روپے کی قیمت کا اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا جبکہ اسپر سوئی سے نہایت خوبصورت زری کا کام کیا گیا ہو ہوتا ہے! یہ تمام کاریگر علی الصبح اپنے اپنے کارخانوں میں حاضر ہو کر دن بھر کام کرتے اور شام کو اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اور انھیں دھندوں میں انکی زندگی بسر ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور جس حالت میں کوئی پیدا ہوا ہے اُس سے ترقی کرنے کے لئے کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً کاچوب اور چکن دوز اور سوزن کار اپنے بیٹے کو اپنا ہی پیشہ سکھاتا ہے۔ اور سار کا بیٹا سار ہی ہوتا ہے۔ اور شہر کا طبیب اپنے فرزند کو علم طب ہی کی تعلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے پیشہ کے سوا دوسرے پیشہ والے کے ہاں شادی نہیں کرتا۔ اور اس رسم کی پابندی مسلمان بھی ایسی ہی سختی سے کرتے ہیں جیسے کہ ہندو جبکہ شاستری ہی حکم دیتا ہے۔ اور اسکے باعث سے بہت سی خوبصورت لڑکیاں کنواری بیٹھی رہتی ہیں۔ حالانکہ اگر ان کے والدین پیشہ اور ذات کا خیال چھوڑ دیں تو ان کی شادی اچھی جگہ ہو سکتی ہے۔

مکان عام و خاص اور نقار خانہ کا ذکر اب ضرور ہے کہ میں عام و خاص کا ذکر کروں جو ان مکانات میں سے گزرنے کے بعد ملتا ہے اور فی الواقع بہت عمدہ اور عالیشان عمارت ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع مربع مکان ہے جس کے چاروں طرف محرابیں ہیں اور پلیس ابل سے مشابہ ہے۔ اور صحنہ استقدرفرق ہے کہ اسکے اوپر کچھ عمارت نہیں ہے۔ اسکی محرابیں اس

طور پر بنی ہوئی ہیں کہ ایک محراب میں سے دوسری محراب میں جاسکتی ہیں اور ایک بڑا دروازہ جو اس کے سامنے ہے اس پر ایک بڑا بالاحنا بنا ہوا ہے جس کے دروازے اس کی طرف کو ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ ہمیں نفیریاں اور شہنائیں اور نقارے وغیرہ رکے رہتے ہیں اس کو نقارہ خانہ کہتے ہیں۔ جو دن کو اور رات کو اوقات معینہ پر کھڑے بجائے جاتے اور نوادراہل فرنگ کے کانوں کو نہایت ہی کر یہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دنل بارہ نفیریاں اور اس قدر نقارے ایک ہی دفعہ بجتے لگتے ہیں۔ ان میں سے بڑی نفیری جس کو ”قرنا“ کہتے ہیں ۹ فٹ لمبی ہے۔ جس کا نیچے کا مونہ ایک فرانسیسی فٹ سے کم نہیں ہے اور لوہے یا پتیل کا سب سے چھوٹا نقارہ کم سے کم چھ فٹ قطر کا ہے پس اسی سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نقارہ خانے سے کیسی قدر شور وغل پیدا ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جب میں اول ہی اول یہاں آیا تو شور کے مارے میرے کان بھرے ہو گئے۔ لیکن عادت ایسی زبردست چیسے کہ اب رغبت سے سنتا ہوں خصوصاً رات کی وقت مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے جب دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے تو نہایت بھلی اور میری معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان کے بجانے والے بچپن ہی سے موسیقی کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور ان باجوں کی آواز کے اونچا نیچا کرنے اور میری اور نے دار بنانے

۱۵ میرجن نے اپنی بے نظیر مثنوی معروف بدر میں کیا خوب کہا ہے ۵ سہانی وہ نوبت کی وہی صدا کہیں دور سے کان پڑتی تھی آ۔ س م ح۔

میں ایسے مشاق ہیں کہ فاصلہ سے سنی جا کے تو نہایت پیاری لگتی ہے
نقار خانہ ہمیشہ ایک اونچے موقع پر اور بادشاہی محل سے دور رکھا جاتا ہے
تاکہ بادشاہ کو اسکی آواز سے تکلیف نہ ہو! اس دروازہ کے مقابل جسپر
نقار خانہ ہے صحن سے گزر کر ایک بڑا دالان ہے جسکے ستون اوچھت
سنہری کام کے ہیں۔ اور بہت اونچی کرسی کا اور بہت ہوادار اور تین طرف
سے کھلا ہوا ہے۔ اور اس دیوار کے وسط میں جو محلکسر اسے اسکو جدا کرتی
ہے قد آدم سے کچھ اونچا ایک وسیع شہ نشین بنا ہوا ہے جسباں ہر روز
بادشاہ دوپہر کے قریب آنکر تخت پر بیٹھتا ہے اور دائیں بائیں شہزادے
کھڑے ہوتے اور خواجہ سرا مورچیل ہلاتے یا بڑے بڑے پنکے جھلتے
یا اداے خدمات کے لئے نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے

۱۱ آثار الصنادید میں اسکو شہین ظل اللہ یا تخت سنگین کر کے لکھا ہے۔ اور اسکی کیفیت یوں
بیان کی ہے کہ دیوان عام کے مکان کے پیچھے جو بیچ میں شرفی دیوار سے ملا ہوا سنگ مرمر کا چار گز
کا مربع تخت ہے جسپر چار ستون لگا کر نگلہ کے طور پر اسکی چھت بنائی ہے۔ اور قد آدم سے
زائد کرسی دی ہے۔ اور اسکے پیچھے جو سنگ مرمر کا سات گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا ایک
طاق ہے اسپر ہر قسم کے چہرہ پرند کی تصویریں عجیب عجیب رنگین پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔
اور ایک آدمی کی تصویر ہے جو دو تار ا بجا کر گار رہا ہے۔ یہ تصویر ملک اٹلی کے رہنے والے
آرفیوس نامے ایک کلاؤنٹ کی ہے۔ جسکی کمائی یوں مشہور ہے کہ وہ علم موسیقی میں اپنا
نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اور ایسا خوش آواز تھا کہ جب گانے بیٹھتا تو چہرہ پرند اسکی آواز سے مت ہوا کر
اسکے گروآن بیٹھتے تھے۔ اور اس کمائی کے موافق اسی ملک کے رہنے والے رسل نامی ایک
معتود نے جو اس فن میں پیش تھا اپنے خیال سے آرفیوس کے گانے کا ایک مرتع کھینچا تھا۔
یہ مصور ۱۵۲۷ء میں مراگرا اسکایہ موقع اٹلی اور فرنگت فی ملکوں میں بہت مروج اور نہایت
مشہور ہے اور اب تک اسکی نقلیں موجود ہیں۔ اور یہ وہی مرتع ہے جو پتھر کی پچی کاری میں

ہیں اور تخت کے نیچے کے مقام میں چاندی کا جنگلہ لگا ہوا ہے جس میں تمام امرا اور راجہ اور غیر ملکوں کے سفیر آنکھیں نہی کئے ہوئے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ اور تخت سے کسی قدر فاصلہ پر اسی طور سے منصب دار یعنی چھوٹے امرا کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان سے جو جگہ خالی رہتی ہے وہ اور بلکہ تمام صحن سب قسم کے لوگوں اعلیٰ اور ادنیٰ مفلس و غنی سے بھرا رہتا ہے۔ کیونکہ یہی مقام ہے جہاں رعایا کا ہر ایک متنفس اپنی عرض حال

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰۔ یہاں بنایا گیا ہے اور جو کہ اس موقع کا رنگستان کے سوا اور کہیں رواج نہیں تھا اس سے یقین پڑتا ہے کہ اس قلعہ کے بنانے میں کوئی نہ کوئی اٹلی کارہنے والا فرنگی شریک تھا اس طاق کی اخل میں ایک دروازہ ہے اور اندر سے ہی آنے کا راستہ ہے۔ بادشاہ اس تخت پر دربار عام کے دن اجلاس کرتے تھے۔ اس تخت کے آگے ایک تخت سنگ مرمر کا بچھا ہوا ہے امرا میں سے جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہوتا تھا اس پر چڑھ کر بادشاہ سے عرض کرتا تھا۔ مگر بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اس قدر اونچا ہے کہ اس تخت کے چڑھنے پر ہی آدمی کا صرف کلا تخت تک پہنچتا ہی اس تخت کے آگے کہنا دالان در دالان ہے جو سرٹھہ گولمبا اور چوبیس گز چوڑا ہے۔ اور ہر ایک دالان کے نو نور ہیں۔ اور ان سب کے ستوں سنگ مرمر کے ہیں۔ اور ان پر بہت خوبصورت محرابیں بنائی گئیں ہیں۔ اور سفیدی گھونٹ کر سنہری نقاشی کی ہے۔ باہر کے دالان میں بیچ کے درجہ چوڑا سنگ مرمر کا کھڑا لگا ہوا ہے۔ جس پر بہت خوش نما سنہری کلیاں تھیں۔ جو اب ایک ہی باقی نہیں۔ یہ دالان امرا اور وزرا اور وکلا کے حسب مرتبہ کھڑے رہنے کا تھا۔ یہ دربار کا دالان در حقیقت ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جبکا ایک سو چار گز کا طول اور ساٹھ گز کا عرض ہے۔ اسکے بیچ میں یہ دالان ہے۔ اور باقی تین طرف چبوترہ ہے جس کے گرد قد آدم سنگ مرمر کا کھڑا لگا ہوا ہے۔ جس پر سنہری کلیاں تھیں یہ جگہ چوہدری اور نقیب اور احدی وغیرہ لوگوں کے کھڑے رہنے کی تھی اور اسکو گلال باڑی کہتے تھے۔ اور اسکے آگے دو سو چار گز لمبا اور ایک فو ساٹھ گز چوڑا صحن ہے اور اس کے چاروں طرف قرینہ اور موقع سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور مال کی طرف دیوان خاص میں جانی کار دروازہ ہے۔ جس میں

کے لئے باریاب ہو سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُسکو علم و خاص^۵ کتے ہیں اور ڈیڑھ یا دو گنٹے تک لوگوں کا مجرا اور سلام ہوتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں کسی قدر خاصے گھوڑے سامنے کئے جلتے ہیں تاکہ بادشاہ خود ملاحظہ کر سکے کہ وہ کیسے آراستہ و پیراستہ ہیں! اور ارجن کے بعد ہاتھی آتے ہیں۔ جنکی سیلی کمال خوب نہلا دھولا کر سیاہی سے رنگ دی جاتی ہے اور دلال خطا سر سے سنڈ کے اخیر تک جہاں دونوں اکڑل جاتے ہیں لکھنچہ دیئے جاتے ہیں۔ اور زربفت کی جھول ڈالکر چاندی کے دو گنٹے جو ایک تقریٰ زنجیر میں بند ہے ہوئے ہوتے ہیں بیٹھیہ پر سے دونوں طرف لٹکا دیئے جاتے ہیں اور سفید سرہ گائے کی دُمیں جو بڑی تبت سے آتی اور بیش قیمت ہوتی ہیں لٹکا دی جاتی ہیں جو بڑی بڑی مچھلیں سہی معلوم ہوتی ہیں۔ اور دو چھوٹے ہاتھی جو وہ بھی خوب سجائی ہوئے ہوتے ہیں۔ خدمتگذاروں کی طرح ان بڑی ہاتھیوں کے

۵ خانی خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ چونکہ شاہجہان سے پہلے بادشاہوں کے عہد میں دربار عام کے لئے کوئی ایسا بڑا مکان موجود نہ تھا جہاں دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہوا سکے شاہجہان نے اپنے جلوس کے پہلے سال میں حکم دیا کہ قلعہ اگرہ اور لاہور اور برہانپور میں دربار عام لئے چالیس چالیس ستون کی تین عالی شان عمارتیں بنائی جائیں۔ اور تیار ہونے پر عام و خاص ان کا نام رکھا۔ چنانچہ اگرہ کا عام و خاص جب تیار ہو گیا تو ملک الشعراء ابابے کلیم نے اسکی تعریفیں یہ رباعی کہی۔ رباعی

رفت حریف ز زینہ پایہ اوست

کاسائیش خاص و عام در سایہ اوست

ایں تازہ بنا کہ عیش ہمایہ اوست

باغیست کہ چہرتوں بزمش برونست

ساتھ رہتے ہیں اور یہ باتی تھوڑی جھوم کر اور نہیل نہیل کر قدم رکھتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنے زرق برق کے ساز و سامان اور اپنی آن بان پر نازاں ہیں اور جب تخت کے سامنے پہنچتے ہیں تو مہمات جو گردن پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے لوہے کی ایک ٹوکڑا چیر چیر کر انکو بڑھاوا دیتا اور زبان سے کچھ کہتا ہے۔ اور اسوقت یہ جانور گھٹنا ٹیک کر اور سوٹا اوپر کو اٹھا کر جنگھاڑتا ہے۔ جبکو لوگ اسکی تسلیمات خیال کرتے ہیں۔ اور اسکے بعد آؤر جانور پیش ہوتے ہیں۔ مثلاً سداہے ہوئے ہرن جو اڑا اے جاتے ہیں۔ اور نیل گائیں۔ اور گینڈے اور بنگالہ کے بڑے بڑے بھینسے جنکے سینگ ایسے بڑے ہوتے ہیں کہ اُنسے وہ شیر کے ساتھ ٹر سکتے ہیں۔ اور چیتے جنسے ہرن کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کے خوبصورت شکاری کتے جو ملک ازبک (سجارا وغیرہ) سے آتے ہیں۔ اور جن پر سرخ رنگ کی جھولیں پڑی ہوئی ہیں پیش ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں ہر قسم کے شکاری پرند جو تیر۔ کلنگ اور خرگوش کو پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہرن پر بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ جنپر یہ نہایت تیزی کے ساتھ چھٹتے اور پنچے اور کندے مار مار کر انکو اندھا کر دیتے ہیں! ان جانوروں کے پیش ہونے کے علاوہ اکثر اوقات ایک دو امیروں کے سوار بھی ملاحظہ کرائے جاتے ہیں جنکی پوشاک اسوقت روزمرہ کے لباس کی بہ نسبت ذرا مکلف ہوتی ہے۔ اور گھوڑو پر پاکھر پی پڑی ہوئی اور انواع و اقسام کے زیور مثلاً ہیگل جیسے وغیرہ سے سجائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ اس تماشے سے بھی اپنا دل خوش کرتا ہے کہ مردہ بھٹیڑیں جنکا نیٹ صاف کر کے پھر سی دیا جاتا ہے

نوجوان امرا۔ منصب دار۔ گزر بردار۔ اور اعصاب بردار۔ اُنپر تلوار سے اپنے کرتب دکھاتے اور ایک ہی ہاتھ میں چوڑنگ کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ تمام امور دربار کے شروع میں ہو کر تے ہیں۔ اور انکے بعد زیادہ اہم معاملات پیش ہوتے ہیں اور بادشاہ نہایت توجہ کے ساتھ سواروں کو صبر دیکھتا ہی نہیں۔ بلکہ جب لڑائی بند ہوتی ہے کوئی سوار یا پیدل ایسا نہیں جسکو بادشاہ بے چشم و ندیکہما ہو۔ اور اُس سے اپنی ذاتی واقفیت حاصل نہ کی ہو۔ چنانچہ اُس نے کسی کی تنخواہ بڑا دی اور کسی کم کر دی اور کسی کو بالکل ہی موقوف کر دیا ہے۔

اس موقع پر مستغیث جو عرضیاں پیش کرتے ہیں وہ تمام وکمال بادشاہ کے ملاحظہ اور سماعت میں آتی ہیں۔ اور بادشاہ بذات خود مستغیثوں سے دریافت حال کرتا اور اکثر ستم رسیدہ لوگوں کی فوراً داد دیتا ہے۔ اور ہفتہ میں ایک دن خلوت میں کامل دو گھنٹے تک ایسے دُش غراباکی عرضیاں سنتا ہے جو مستغیثوں میں سے چن لئے جاتے ہیں اور جنکے پیش کرنیکا کام ایک نیک اور دولت مند اور سن شخص کو سپرد ہے اور ایک دن عدل و انصاف کے کمرے میں جسکو دو عدالت خانہ کہتے ہیں دو بڑے قاضیوں کے ساتھ بیٹھ کر اورسانی کرتا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ اور اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ایشیائی بادشاہ جنکو ہم اہل یورپ جاہل اور ناتراشیدہ خیال کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی اپنی رعایا کی داد دہی اور انصاف رسانی سے جو اُنپر واجب ہے غفلت نہیں کرتے جو حالات اس دربار عام و خاص میں گزرتے ہیں اور جنکا مینے ابھی ذکر کیا ہے اگرچہ وہ سب معقول اور قابل احترام معلوم ہوتے ہیں لیکن جو کمینہ اور مکر وہ

خوشامد گری اور لجاجت ہمیشہ یہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ بھی مجھے آپ پر ظاہر کر دینی واجب ہے۔ چنانچہ جب کوئی اچھا لفظ بادشاہ کے سونہ سے نکلتا ہے تو خواہ وہ کیسے ہی خفیف امر کی نسبت کیوں نہ ہو تمام دربار اور بڑے بڑے ائمہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر جس طرح کوئی خدا کی رحمت کو لیتا ہے اس لفظ کو لیکر اور ”گرامت کرامات“ لکھ کر عرض کرتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا ہی خوب ارشاد ہوا ہے۔ اور حقیقتاً مغلوں میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو یہ

ہمیت یاد نہ ہو اور وہ اسکو فخر یہ طور پر نہ بڑھتا ہو۔ اگر شہ روز را گوید شب۔ ت ایں۔

بباید گفت اینک ماہ پرورین۔ یعنی اگر بادشاہ رات کو دن بتائے تو کہدینا

چاہیے کہ دیکھئے وہ چاند اور ستارے نظر آ رہے ہیں۔ اور یہ خوشامد کر لگا

عیب کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ سب میں موجود ہے مثلاً اگر کسی مغل کو مجھ سے معاف کی

ضرورت پڑتی ہے تو اپنے معمول کے موافق تمام باتوں سے پہلے مجھکو یہ کہتا

ہے کہ آپ تو اپنے وقت کے اسطو اور بقراط اور بوعلی سینا ہیں۔ چنانچہ اول اول

تو میں نے اس حرکت کو روکنا چاہا اور کہا کہ جسقدر آپ میری یہ تعریف کرتے ہیں

میں ہرگز اسکے لائق نہیں ہوں۔ اور مجھکو ان بزرگوں سے کچھ نسبت نہیں لیکن

جب دیکھا کہ میرا انکسار انکو اور زیادہ مبالغہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے تو مجبوراً اپنے

کانوں کو انکی خوشامدی باتیں سننے کا ویسا ہی عادی بنالیا جیسا کہ ان

کے موسیقی باجوں کے سننے کا۔ اس موقع پر میں ایک لطیفہ آپکو سناتا ہوں

اس سے آپکو یہاں کے لوگوں کا خاصہ شعبی معلوم ہو جائیگا۔ ایک پنڈت

جسکی اپنے آقا سے میں نے ملاقات کرائی تھی ایک روز اُس نے اپنے

ایک اشلوک میں اول تو انگوائن بڑے بڑے فتح مندوں سے جو دنیا میں
شاذ و نادر ہی پیدا ہوئے ہیں زیادہ بتایا۔ اور پھر سیکڑوں حملات اور واہتیا
بک کر اپنے کلام کے اخیر میں بڑی سنجیدگی سے یہ کہا کہ جب آپ
گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سپاہ کے آگے آگے چلتے ہیں تو آپ کے قدموں
کے نیچے زمین کا پنے لگتی ہے۔ کیونکہ وہ اٹھ ہاتی جو اس کو اپنے سر پر
اٹھائے ہوئے ہیں اس غیر معمولی بوجھ کے اٹھانے کی تاب نہیں
لا سکتے، اہس کو سکھیں بے اختیار ہنس پڑا اور اپنے دو آغا سے جو میری طرح انکو
بھی ہنسی آگئی تھی شوخی کے ساتھ بہت سنجیدہ شکل بنا کر کھا کہ آپ ذرا سمجھ کر گھوڑے
پر سوار ہوا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بہو پچال اگر دنیا درہم برہم ہو جائے جس کے جواب میں انہوں
نے فوراً یہ کہا کہ اسیدو جہ سے تو میں بالکی میں سوار ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

عام و خاص کے بڑے دالان کی بغل میں ایک خلوت خانہ ہے جسے
عسل خانہ کہتے ہیں۔ یہاں صرف چند ہی شخصوں کو حاضر ہونے کی اجازت
ہے۔ اور یہ وسعت میں اگرچہ عام و خاص کی برابر نہیں ہے مگر نہایت
خوبصورت اور وسیع اور روغنی اور سنہری کام ہے اور ایک بڑے نشیمن

۱۵ پادشاہنامہ میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں قلعہ گرد میں محل اور دو خانہ کبابین ایک
مکان تھا جہیں بادشاہ عسل کیا کرتا تھا اور خاص خاص لوگ اور وزیر اور بخشی بعض ضروری اور اہم معاملات
میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے شاہجہاں کے زمانہ میں جوئی نئی عمارتیں بنائی گئیں تو اگرچہ
بادشاہ نے اس مکان کا نام جہاں سلطنت کے نہایت مخفی اور اہم معاملات امرا اور وزراء کے مشورہ سے
طے کئے جاتے تھے دو تھانہ خاص رکھا لیکن لوگ، سب کو بھی عسل خانہ ہی کہتے رہے اور اس لئے اگر بادشاہ سفر میں
جی ہوتا تھا تو خیاں شاہی میں ایک غیر عسل خانہ کو نام نہاد دربار تھا اگرچہ ہمیں دربار خاص ہوتا تھا اور وہ لکھا کہ یہ عسل خانہ اور عسل
میں جاتے تھے

کی طرح چار پانچ فرانسیسی فٹ کا اونچا ہے جہاں بادشاہ کرسی پر بیٹھ کر وزیر سے
جو ادھر ادھر کھڑے ہوتے ہیں تخلیہ میں اُمرا اور صوبہ داروں کی عریض
سنتا اور سلطنت کے اہم محاملات پر غور کرتا ہے۔ اور جس طرح
صبح کو عام و خاص کے دربار میں حاضر ہونے کے باعث اُمرا جبر مانے کیا جاتا ہے
یہاں شام کو حاضر نہ ہونے پر سزا ملتی ہے۔ البتہ صرف میرے دو آغا دانشمند
خاں ایک ایسے امیر ہیں جن کو ان کے علم و فضل اور شوق مطالعہ اور سرانجام
امور ممالک غیر کی وجہ سے معافی حاصل ہے۔ لیکن چار شنبہ کو جو ان کی چوکی کا دن ہے
اُن کو بھی اُدھر اُمرا کی طرح حاضر ہونا پڑتا ہے! سچہ دو وقتہ حاضر ہونے کی رسم
سنایت پُرانی ہے اور کوئی امیر بھی اس پابندی کی معقول طور پر شکایت
نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خود بادشاہ سوائے کسی کام ضروری یا سخت بیماری
کی حالت کے دو نو وقت دربار میں آنا اپنا فرض جانتا ہے۔ چنانچہ
اورنگ زیب کی پچھلی خطرناک بیماری کی حالت میں بھی دربار کے دونوں مقاموں
میں نہیں تو ایک میں تو ضرور لوگ اس کو اٹھا کر لے آتے تھے کیونکہ اُس نے اقل درجہ رات
دن میں ایک بار لوگوں کو اپنا دیدار دکھانا واجب سمجھا تھا اس لئے کہ ایسا شدید
بیمار تھا کہ اُس کا صرف ایک دن کا دربار میں نہ آنا ہی تمام سلطنت میں فتنہ و فساد
کے پھیل جانے اور شہر میں ہر تال ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔

اگرچہ غسل خانہ کے دربار کے موقع پر بادشاہ اُن امور میں مصروف رہتا ہے
جن کا مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ لیکن دربار عام و خاص کے دستور کے موافق
یہاں بھی زیادہ تر وہی جانوروں وغیرہ کا ملاحظہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر

چونکہ کچھ دن باقی نہیں رہتا اور سامنے کا صحن بھی مختصر ہے اسلئے افراد کے رسالوں کا ملاحظہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسوقت کے دربار کی یہ خاص رسم ہے کہ جن منصبداروں کی چوکی دینے کی باری ہوتی ہے وہ بادشاہ کو نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ سلام کرتے ہوئے بڑے قریب اور ترتیب سے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ جنکے آگے آگے لوگ ”قور“ ہاتھوں میں لئے ہوئے چلتے ہیں جو چند خوبصورت نقری چیزیں ہیں جو چاندی سے منڈھی ہوئی چھڑیوں کے سرود پر لگائی ہوئی ہوتی ہیں جن سے دھڑری پھیل کی شکل کی ہیں اور دو ایک مہیب اور خیالی جانور کی صورت کی جیسکو دوازدہا کہتے ہیں اور کچھ شیر کی شکل کی اور بعض ہاتھ کے پنجہ اور بعض نرنازد کی صورت کی اور بہت سی اور بیشمار وضع کی جنکے ایک طرح کے بعید الفہم معنی بناتے ہیں! ان لوگوں میں بہت سے گزر بردار بھی ہوتے ہیں تو تہ اور وجیہ دیکھ کر بھرتی کئے جاتے ہیں اور جنکا یہ کام ہے کہ دربار میں بے ترتیبی نہ ہونے دیں اور بادشاہی فرمان اور احکام پہنچائیں اور جو حکم ملے نہایت جلد اسکی تعمیل کریں۔

شاہی محلہ کا بیان [اب میں نہایت خوشی سے آپکو بادشاہی محلہ کی سیر کراتا ہوں جیسا کہ قلعہ کی اور عمارت کی کرائی ہے۔ لیکن کسی سیاح کو وہاں کی کیفیت چشم دیدہ بیان کرنی ناممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے وہاں میں موجود نہ ہونے کے وقت اگرچہ مجھے کئی دفعہ وہاں جانیکا موقع ملا۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ایک دفعہ ایک بڑی بگیم کے علاج کی ضرورت سے جو شدت مرض کیوجہ سے معمول

کے موافق باہر کے دروازہ تک نہیں لانی جا سکتی تھی بہت دور تک اندر
جائیکا اتفاق ہوا مگر میرے سر پر ایک کشمیری شال اس طور سے اٹھادی گئی
تھی کہ ایک لمبے سگراف (اوپر ہنی) کی طرح پانوں تک شکلتی تھی اور ایک
خواجہ سرا ہاتھ پکڑے ہوئے مجھے اس طرح لگیا تھا جیسے کوئی اندھے
کو لئے جاتا ہے! اسلئے آپکو صرف اُسی پر قناعت کرنی چاہیئے جو بعض
خواجہ سراؤں سے سنکر مینے لکھا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجلسِ را میں
بیگمات کے مدراج اور حیثیت اور اُن کی معاش کی مناسبت سے علمیہ علیحدہ
بہت خوبصورت اور بڑے بڑے محل بنے ہوئے ہیں جنکے دروازوں کے
سامنے حوض اور سب طرف باغیچے اور کچھپ روشن اور سایہ دار آرائشگاہیں
اور نہریں اور فوارے اور دن کی گرمی کے بچاؤ کی خاطر عمیق تہ خانے اور رات
کو خنکی میں آرام کرنے کے لئے اونچے اونچے صُفے اور صحن چوپترے بنے
ہوئے ہیں اور ایسے دلکش مکانات ہیں کہ ان میں اس ملک کی تکلیف دہ گرمی کو
مطلقاً دخل نہیں ہے۔ اور یہ لوگ ایک چھوٹے سے برج کی جو دریا کی طرف ہے
حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں جس میں اگرہ کے دونوں برجوں کی طرح سونے
کے ورق چڑھے ہوئے اور لاجوردی کام کیا ہوا اور نہایت عمدہ نقش و نگار
بنے ہوئے اور بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے ہیں۔

۱۵ اہل اہل اہل اہل میں اس برج کا نام برج طلا یا شمعون برج لکھا ہے اور سرے پانوں تک سنگ مرمر کا
بنایا ہے جس میں سونے کا کام اور برعین سازی اور نہایت کاری کی ہوئی ہے جو کلے سمیت باہر سے بھی نہری
سے اور نہت پہلو ہوئے گئے باعثِ شمعون برج کہلاتا ہے۔ تین ضلعے اسے خواجگاہ کی عمارت کی طرف
میں اور پانچ دریا کی جانب اور پانچوں میں سنگ مرمر کی جالیاب لگی ہوئی ہیں اور ایک شیشی لہجور

دربار اور تخت طاوس کا بیان | اب قبل اسکے کہ میں قلعہ کلہا میں ختم کروں آگے دو بارہ عام و خاص کی طرف متوجہ کرنا اور ان سالانہ جشنوں اور درباروں کی کیفیت سنانی چاہتا ہوں جو میں نے اُنہیں ہوتے دیکھے ہیں خصوصاً وہ بڑا جشن جو لڑائی کے اختتام کے بعد ہوا تھا اور جس سے بڑھ کر کوئی تماشائیہ میں نے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا اُس روز بادشاہ نہایت ہی عمدہ لباس پہنے دیوان عام و خاص کے صدر میں مصعد تخت پر بیٹھا ہوا نظر آیا اسکی پوشاک نہایت نازک اور پھول دار ریشمی کپڑے کی تھی جس پر بہت ہی عمدہ زری کا کام کر دھا ہوا تھا اور زری کا رنڈیل سر پر تھی اور بڑے بڑے اور نہایت قیمتی ہیروں کا طرہ لگا ہوا تھا جس میں ایک پکھراج ایسا تھا جو لانا ہی کہا جاسکتا ہے۔ اور آفتاب کی طرح چمکتا تھا اور بڑے بڑے موتیوں کا کنٹھا گلے میں تھا جو ہندوؤں کی مالائی طرح پیٹ تک لگتا تھا۔

یہ تخت چھ طلائی پایوں کا ہے۔ جنکو کہتے ہیں کہ بالکل ٹھوس ہیں جن میں یا قوت اور زمرہ اور ہیرے بڑے ہوئے ہیں۔ مگر میں اُن کی تعداد اور قیمت بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کیو اس قدر نزدیک جانے کی اجازت نہیں کہ اُن کا شمار اور آب و تاب کا اندازہ کر سکے۔ لیکن یقین کیجئے کہ ہیرے اور اور جو اہرات بہت ہی ہیں۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اسکی قیمت چار کروڑ روپیے جا بخی گئی تھی۔ اور اسکو اور نگ زری کے باب شاہجہاں نے اسلئے بنوایا تھا کہ بیشمار جو اہرات جو خزانہ میں قدیم راجاؤں اور پٹھان بادشاہوں کی لوٹ اور ان پیشکشوں کے ذریعہ سے جو ہر سال سب اُمرا کو خاص خاص

موقوف پرندین گذر انتی للزم ہیں وقتاً فوقتاً جمع ہو گئے تھے لوگ اُنکو دیکھیں
مگر اسکی ساخت اور کاریگری ان جواہرات کے ہم پایہ نہیں ہے۔ البتہ دو
مور جو موتیوں اور جواہرات سے بالکل ڈھکے ہوئے ہیں بہت ہی خوب اور
ہنایت عمدہ نقشے پر بنے ہیں اور اُنکو ایک صنّاع نے جسکی کاریگری اور ہر مندی
حیرت کے لائق تھی اور جو اصل میں فرانس کا رہنے والا تھا اور جسنے یورپ کے
بہت سے رئیسوں کو جھوٹے جواہرات دیدے کہ جبکہ وہ ایک خاص حکمت سے
تیار کرتا تھا خوب ادا تھا اور پھر ہاگ کرشنشاہ غل کران پناہ آن لی تھی اور یہاں ہی
خوب دولت کمائی تھی بنایا تھا۔

۵ ملا عبد الحمید مورخ شاہجہانی نے بادشاہ نامہ میں اس تخت کی جو کیفیت بیان کی ہے
وچسپ سمجھ کر ہم اُسکو یہاں با حفظ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

”وچوں مجور آیام و کردار عوام اقسام جواہر شہید کہ ہر ایک شایستہ گوشوارہ ناہید و مکربند
خورشید است اور جواہر خانہ والا فراہم آمدہ بود۔ در آغاز جلوس مقدس بر ضمیر الامام پیر منطق گردید
کہ از تحصیل جنین تحف غریبہ و نگاہداشتن این نفایس عجیبہ مطمع نظر دور بین جز دولت
آسانی و زینت افزائی امرے دیگر نیست۔ پس درجائے بکار باید برد کہ ہم تماشا سیاں
از حسن حسان افزو زاین تلخ بھر دکان بہرہ برگیرند ہم کار گاہ سلطنت را فروغے تازہ بپید
آید۔ حکم شد کہ سوائے جواہر خاصہ کہ در جواہر خانہ مشکوے میںو مشالے باشد از قسم
لعل و یاقوت و الماس و مر و آریہ قیمتی و زمرہ و کہ دو صد لک روپیہ قیمت آنت ہر چہ در تحویل
خازن ان بیرون است از نظر اطہر گنہ را مند جواہر شہید گران سنگ را کہ پنجاہ ہزار مثقال است
و مبلغ ہشتاد و شش لک روپیہ بہائے آن شدہ بود انتخاب نمودہ بر بے بدل خاں داروغہ
نذر خانہ حوالہ فرمود تا ایک لک تو در طلائے ناب کہ دو صد پنجاہ ہزار مثقال است و مبلغ چارہ لک

تخت کے نیچے کے چبوترے پر جسکے گرد چاندی کا کٹھرا لگا ہوا اور اوپر زری کی حجا لڑکا ایک پر زرد وسیع شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اُمرانہایت مکلف پوشاکیں پہنے کھڑے تھے۔ اور مکان کے ستون زربفت سے منڈھے ہوئے اور ریشمی شجر کے شامیانے جنہیں ریشم اور زری کے پھندے لگے ہوئے تھے تھے ہوئے اور نہایت عمدہ ریشمی قالین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷۔ روپیہ قیمت آن تختے بھول سہ گز در بے وعرض و نیم گز در ارتفاع پنج گز سرکاری نمودہ بجواہر مذکورہ تر صلیح نمایند و مقرر شد کہ سقف آن را از دروں بیشتر مینا کار و تختہ مرصع و از بیرون بہ لعل و یاقوت و جز آن مرصع مغرق ساختہ بہ زمر دیں اساطیں و از وہ گانہ ہر افرزد و بالا سے آن دو پیکر طاوس مکمل بزواہر جواہر و در میان ہر دو طاوس درختہ مرصع بہ لعل و آلماس و زمر و آلماس و در آبیہ تعبیکندہ برائے عروج سے پایہ نزول بان مرصع بجواہر آباد ترتیب دہد۔ اور مدت ہفت سال این تخت عرش مثال پرہیز بلخ صدک روپیہ کہ صد و سی و سہ ہزار تومان عراق و چہار کرد و خانی رائج ماور النہر است صہرت اتمام یافت۔ از جملہ یاد وہ تختہ مرصع کہ بردور آن برائے تکیہ لایض نمودہ اند تختہ نیلگی کہ خاقان سلیمان مکان بر آن دست حتی پرست گرداشتہ تکیہ زدہ می نشینیدہ لک روپیہ قیمت دار۔ از جواہر یکہ دریں تختہ نشانہ اند لعل است در وسط آن بقیمت یک لک روپیہ کہ شاہ عباس والی ایران معہوب زنبیل بیگ برسم ارغوان نزد حضرت جنبت مکانی ارسال داشتہ بود و آن حضرت در جلد سے فتح و کن بخاقان ماکہستان حضرت صاحبقران ثانی بدست علای افضل خلان بدکن فرستادہ بودند تخت اسم سامی قطب الملوٰۃ والدین حضرت صاحبقران اول و میرزا شاہ رخ و میرزا ابغ بیگ بر آن منقوش بود بعد از نگہ بانقلاب ایام انقضا سے عوام پرست شاہ عباس افتاد و نیز نام خود بر آن مرتسم گردانید۔ چون بحضرت جنبت مکانی رسید نام نامی خود را بانام سامی پدر بزرگوار بر آن نگاشتند اکنون با سہ گرامی بادشاہ ہفت اقلیم شہنشاہ تخت و دوسیم آب و تاب تازہ و زیب

پچھہ ہوئے تھے اور باہر ایک خیمہ جسے "اسپکٹ" کہتے ہیں اور جو اس مکان سے بھی بڑا ہے اسکی چھت کے ساتھ ملا کر لگایا ہوا تھا جو جن کے نصف تک پھیلا ہوا اور چاروں طرف سے چاندی کی پتیوں سے منڈ ہے ہوئے کٹھڑے سے گھرا ہوا تھا۔ اور جو مین بھی چاندی سے منڈ ہے ہوئی تھیں جنہیں سے تین ایسی بلند تھیں جیسے جہاز کا مستول اور باقی چھڑتی تھیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸ - وزینت بے اندازہ دار و سبار خاقانی بن منڈوی حاجی محمد جان قدسی کہ ختمش بر تاریخ است ہمینا سبزدون تخت کتابہ نمودہ اند مستنوی

از ہے فرخندہ تخت بادشاہی	کہ شد سالماں بتا حیدالہی
فلک روزے کہ میکروش کھل	از خورشید را بگداخت اول
جگم کا از رما صوف شداک	ہوینا کاریش میناے افلاک
جزائیں تخت از زر و گوہر چو مقصود	خو جو بھر دکان را حکمت این بود
از باتوش کہ دقید بہانیت	لب لعل بتان رادل بجانیت
برائے پایہ اش عمر کے کشیدہ	گہرا فربہ خاتم بہریدہ
بجو جیش عالم از رشد چنان پاک	کہ شد از گنج خالی کیسہ خاک
رسا نہ کر فلک خود را بپالیش	و دہ خورشید مہ را دونایش
سرافرازے کہ سر بر پایہ اش سو	از گردوں پایہ بر بخت افزد
خراج بھر دکان سپر ایہ او	پناہ عرش و کرسی سایہ او
زا نوار عوجا ہر گشتہ الوان	چراغ عالمی ہر دایۃ آن
درا طرافش بود گھماے مینا	فروزان چون چراغ از نور سینا
چو میکرو از فرازش کوتی دست	نگین خوش جم بر پایہ اش بست
شب تار از سدوغ لال و گوہر	تواند صد فلک را داد آختر
و ہر شاہ جہان را بوسہ بر پایے	از ان شد پایہ قدرش فلک سائے

لہ فارسی میں ایک بڑے خیمہ کو کہتے ہیں۔ غیاث اللغات (سم ج)

اس عالیشان خیمہ کے باہر کی طرف سرخ رنگ کا کپڑا تھا اور اندر کی جانب پمچھلی ٹپن کی نہایت عمدہ چھینٹ تھی جو اسی غرض سے بنائی گئی تھی۔ اور جبکہ میل بوٹے ایسے قدر طور کے اور رنگ ایسے تیز اور شاداب تھے کہ ایک تختہ گلزار معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ سب امرا کو حکم دیا گیا تھا کہ عام و خاص کی غلام گردش کی ایک ایک محراب کی زیبائش و آرائش وہ اپنے اپنے خراج سے کریں اسلئے بادشاہ کی زیادہ تر رضامندی حاصل کر نیکی خیال سے ہر ایک نے دوسرے سے بڑھ کر انکی زیب و زینت میں کوشش کی جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام در و دیوار سے ہانوں تک کھاب اور زربفت میں غرق اور فرش نہایت بیش قیمت قالینوں سے آراستہ و پیراستہ ہو گیا۔

جشن کے تیسرے دن اول بادشاہ اور اسکے بعد اکثر ائمہ اہل بیت کے تکلف کے ساتھ بڑی بڑی ترازوؤں میں جنکے پلٹے اور بٹے سونے کے تھے تو بے گنے اور مجھے یاد ہے کہ یہ دیکھ کر کہ اورنگ زیب کا وزن سال گذشتہ کی بہ نسبت ایک سیر زیادہ ہے تمام دربار نے نہایت ہی مسرت و شادمانی کی اس قسم کے جشن ہر سال ہوا کرتے ہیں لیکن اس شان و شوکت کا جشن کہیں نہیں ہوا

کند شاہ جہان بخش جوان بخت	خرائج عالمی باہر یک تخت
خداوند سے کہ عرش و کرسی از خدمت	تو اندر نقش تخت چہین خشت
اثر باقیات تا کون و مکان را	بود بر تخت جہاں جہان را
بود تختہ چہین ہر روز جہاںش	خرائج ہفت کشور زیر پایش
چو تا بخش زبان پر سید ازل	بگفت اورنگ شاہ ہشاہ عادل

دیگرے این تاریخ یافتہ (سریر جہاں صا جہاں) "۱۰۲۲ھ" (دسمبر)

اور نہ اس قدر کہ بی خرچ ہوا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ کا اس کروڑ فرکے ساتھ جشن کرنے سے یہ مقصود تھا کہ سودا گروں کو جنگا کتاب وغیرہ لڑائی کی وجہ سے پانچ سال کے عرصہ سے بکنے میں نہیں آیا تھا کچھ فائدہ ہو جائے! اس جشن میں اُمرا کا بہت خرچ پڑا اور آخر کار اس کا ایک حصہ فوج کے بیچارے سواروں کے سر تھوپا گیا جنگوا اپنے اپنے امیر کے حکم سے مجبوراً قبائِل کے واسطے کتاب خریدنا پڑا۔

ان سالانہ جشنوں کے موقع پر ایک قدیم دستور ہے جس کو اُمرا بالکل پسند نہیں کرتے یعنی اُن کو ایک عمدہ پیشکش نذر کرنا پڑتا ہے جس کی قیمت بمنا سبت انگلی تنخواہوں کے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور بعض اُمرا نہایت ہی عمدہ عمدہ چیزیں پیش کرتے ہیں اور یہ کہی بغرض نمائش اور کہی اس مطلب سے کہ بادشاہ اُس دست برد کی تحقیق و تفتیش کے حکم دینے سے جو انہوں نے اپنے برسرِ عمدہ ہونے یا صوبہ داری کے زمانہ میں کی تھی باز رہے اور بعض اوقات اُس کے خوش کرنے اور اس طرح پر اپنی تنخواہ بڑھوا لینے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ بعض تو عمدہ موتی اور ہیرے اور زمرہ اور یا قوت پیش کرتے ہیں اور بعض سونے کے مہرے ترین اور بعض بہت سی اشرفیاں جو بارہ بارہ روپیہ کی قیمت کی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے ہی جشن کے موقع پر جو اورنگ زیب نے بلخانہ جعفر خاں کے وزیر ہونے کے بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے اُس کی نو تعمیر چوہلی کے دیکھنے کے حیلہ سے اُس کے ہاں گیا تو اُس نے ڈھائی لاکھ روپیہ کی اشرفیاں اور کچھ عمدہ موتی اور ایک لعل جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی

گئی تھی نذر کیا۔ مگر شاہجہاں نے جو جواہرات کے پرکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتا تھا اسکی قیمت صرف سارے بارہ سو روپیہ سے بھی کم تجویز کی جسکو سنکر بڑے بڑے جوہری جنہوں نے اسکے جانچنے میں بالکل دھوکا کھایا تھا حیران رہ گئے۔

مینا بازار کا ذکر اکبھی کہی ان جشنوں کے وقت مجلس امیں ایک فرضی بازار

بھی لگا کرتا ہے جس میں اُمرا اور بڑے بڑے منصبداروں کی خوبصورت اور دلربا سیباں دوکانیں لگا کر بیٹھتی اور عمدہ کھاب اور نئی نئی وضع اور عمدہ

زر و وزی کام کی چیزیں اور زری کار منڈیلیں اور سفید باریک کپڑے جو

امیر زادیوں کے استعمال میں آتے ہیں اور اُدیش قیمت چیزیں فروخت

کر نیکو رکھتی ہیں اور پادشاہ اور اوسکی بیگیں اور شاہزادیاں اور اُدعالی رتبہ

خاتونیں خریدار بنتی ہیں۔ اور اگر کسی امیر کی بیٹی خوبصورت اور حسین ہوتی ہے

تو اسکی ماں اسکو ضرور اپنے ساتھ لیجاتی ہے۔ تاکہ بادشاہ کی نظر پڑ جائے

اور یگات سے بھی تعارف ہو جائے۔ اس میلہ کا بڑا لطف یہ ہے کہ ہنسی

اور مذاق کے طور پر خود بادشاہ ایک ایک پیسہ کے لئے جھگڑتا ہے اور

کتاب ہے کہ یہ بیگم صاحب بہت گران فروش ہیں دوسری جگہ سے اس سے

اچھی اور سستی چیز مل سکتی ہے ہم ایک کٹری بھی زیادہ نہ دینگے اُدھر وہ

کوشش کرتی ہے کہ اپنا مال زیادہ قیمت کو بیچے اور جب دیکھتی ہے کہ

بادشاہ زیادہ قیمت نہیں لگاتا تو گفتگو میں اکثر ایسی بڑبجاتی ہے کہ یہ کھاتھتی ہے کہ آپ اپنے برف بیچنے کی خبریں ان چیزوں کی قیمت آپ کیا جانیں اور

یہ آپ کے لایق نہیں ہیں بہتر ہے کہ کسی اور جگہ تلاش کریں اور سیکس بادشاہ سے بھی زیادہ ارزاں خریدنا چاہتی ہیں عرض کہ دونوں طرف سے ایسی گفتگو بڑھ جاتی ہے کہ ایک جھگڑے کا سوانگ سامعہ ہوتا ہے مگر آخر کار سودا طے ہو جاتا ہے۔ اور بادشاہ اور بادشاہ زادیاں اور سیکس جو چیزیں ادھر ادھر سے خریدتی ہیں انکی قیمت فوراً دیتی ہیں اور رویوں کی جگہ اشرفیاں اس طور سے ہاتھ سے ڈال دیتی ہیں کہ گویا دوکاندار یا اسکی بیٹی کے حسن و جمال نے انکو ایسا مسح کر دیا ہے کہ رویوں اور اشرفیوں کی تمیز ہی نہیں ہی اور ویسی ہی بے پروائی سے دوکاندار انکو اٹھا لیتی ہے اور اس طرح سے یہ جلسہ دل لگی اور چول میں ختم ہو جاتا ہے۔ !

شاہجہاں عورتوں کی طرف ذرا زیادہ مائل تھا۔ اور اگرچہ بعض امر اکوناگوں گزرتا مگر وہ ہر ایک جن جن کے موقع پر یہ سوانگ کرایا ہی کرتا اور فی الواقع یہاں تک اعتدال سے گزرتا تھا کہ اس موقع پر ان عورتوں کو بھی محل میں بلا لیتا اور رات بھر وہیں رکھتا تھا جنکو ”کنجنی“ کہتے ہیں جسکے معنی ہیں سونے سے ملمع کی ہوئی اور بھول کی طرح کھلی ہوئی گویہ عورتیں بازار میں نہ تھیں بلکہ ایک خاص طور کی اور باعزت ہوتی تھیں جو بیاہ شادی کے موقع پر امرا اور منصبداروں کے ہاں صرف ناچنے گانے کے لئے جاتی تھیں ان کنجنیوں میں اگرچہ اکثر صاحب حسن و جمال ہیں اور لباس و پوشاک بھی عمدہ کہتی ہیں اور گانے میں بھی اتن کو کمال ہے اور ناچنے میں تو اپنے اعضا کو اس خوبی سے چکاتی اور اس سرسنت اور تیزی سے ناچتی ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے

اور تال و دم میں بھی درست رہتی ہیں مگر کچھ کبھی ہیں۔

شاہجہاں اسی پر قناعت نہ کرتا تھا کہ یہ عورتیں اس میلہ میں آئیں بلکہ
برہ کے روز جو معمول کے موافق دربار میں سلام کو آتی تھیں تو اکثر رات
بھر کے لئے ٹھہرا لیتا اور ان کے ناچنے گانے سے حظ اٹھاتا تھا لیکن
اورنگ زیب باپ کے زیادہ بخمدہ ہے۔ اور اس نے ان کا محل میں آنا بالکل
بند کر دیا ہے مگر معمول کے موافق چار شنبہ کو دربار میں حاضر ہونے سے
منع نہیں کیا۔ اور صرف دور سے سلام کر کے رخصت ہو جاتی ہیں !
اب جو ننگہ میں جشن اور مینا بازار اور کچھنیوں کا ذکر کر رہا ہوں تو ایک
واقعہ کے بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جو بڑا بڑا نامی ہمارے
ایک ہر وطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جو ننگہ میرے نزدیک بھی پلٹاؤ رکھتا ہے

۱۵ پلٹاؤ رکھتا ہے کہ ایک مشہور مصنف ہے جھکرو نیا گارہ بنے والا تھا جو یونان کے ضلع
توریا میں ایک شہر ہے۔ اسکی پیدائش کا زمانہ ٹھیک معلوم نہیں مگر خیال کیا گیا ہے کہ شہنشاہ
کلاڈیس رومی کے اخیر زمانہ سلطنت یعنی اڑتالیس سے لیکر تریس سہ عیسوی تک کسی سال
میں پیدا ہوا تھا یہ ایک اعلیٰ خاندان میں سے تھا اور اس نے ایبوریس حکیم سے فلسفہ کے دو اعلیٰ
سیکے جو نفسِ ناطقہ اور قواعد عقلی سے متعلق ہیں اور اس میں بڑی شہرت حاصل کی۔ علمِ اخلاق
اور علمِ رجال میں اسکی بہت سی تصنیفات ہیں اور اسکی عمدگی خیالات اور مہارت علمی اور اسکی خاص
طور کی خوبی کا انچوسکی تمام قریبوں میں باقی جاتی ہے پڑھنے والوں کی زبان ایک محدود
نہیں رہتا تھا بلکہ دل تک پہنچتا اور گردیدہ کر لیتا تھا۔ اسکی تصنیفات میں سے جس کتاب نے
اسکو حیاتِ جاوید ملی بخشی وہ رقم اور یونان کے چھپالیس مشہور معروف لوگوں کا تذکرہ ہے جسکے
بہت سے ترجمے فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں۔ اسکی وفات کا سال بھی معلوم
نہیں مگر قیاس کیا گیا ہے کہ شہنشاہ ہیتھیں رومی کے پانچویں سہ جلسوں میں ستر برس کی عمر میں
مرا تھا (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) (س۔ م۔ ح)

کایہ قول صحیح ہے کہ مجزوی اور خفیف باتوں کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات اُن سے ایک قوم کے رسوم و عادات اور ذہن و فکا کے ماب میں صحت کے ساتھ اسے قائم کرنے میں بڑی بڑی باتوں کی بہ نسبت زیادہ مدد ملتی ہے، اسلئے اگرچہ یہ ایک مہنسی کا قصہ ہے مگر تاہم سننے کے لائق ہے!

برنارڈ وہاٹگیر کے اخیر زمانہ میں ایک نامی اور فی الواقع ایک نہایت کامل طبیب اور جراح تھا اور بادشاہ اسپرہت مہربانی کرتا تھا۔ چنانچہ اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ کھانے پینے میں بھی شریک ہو جاتا تھا اور دونوں حد سے زیادہ شراب پی لیتے تھے اور بادشاہ اور طبیب دونوں ایک ہی طرح کے مزاج کے تھے۔ اور بادشاہ کایہ حال تھا کہ شب روز عیش و نشاط میں مشغول رہتا تھا اور سلطنت کا کام کاج اپنی مشہور و معروف بگم نور جہاں کو سونپ رکھتا تھا جسکی نسبت اسکا یہ قول تھا کہ ”اُسکی عقل و دانائی سلطنت

کے انتظام کے لئے کافی ہے مجھے دخل دینے کی حاجت نہیں“ برنارڈ کی معمولی تنخواہ اگرچہ پچیس روپیہ روز تھی مگر شاہی مجلس میں اور اُمراء کے ہاں معاویہ کے لئے جانے کے باعث اور نیز اس سبب سے کہ لوگ نہ صرف اسے طبیب ہونے کی وجہ سے بلکہ بادشاہ کے مزاج میں دخل کے سبب سے ایک دوسرے سے بڑھ کر اُسکی تواضع کرتے تھے اسکو بہت کچھ حاصل ہو رہتا تھا مگر وہ روپیہ کی کچھ بھی قدر نہ کرتا تھا اور ایک ہاتھ سے لیتا اور دوسرے ہاتھ سے دیدیتا تھا اور اس لئے سب لوگ اسکو عزیز جانتے تھے خصوصاً

”کنچن“ جنکو اُس نے بہت کچھ کھلایا تھا۔ پس اُسکے ہاں جو ہمیشہ رات کو ابنِ عورتوں کا جگہ گھومتا تھا یہ اُن میں سے ایک نوجنیز عورت پر جو نہایت حسین اور ناپچنے میں مشہور تھی فریفتہ ہو گیا اور ہر چند طرح طرح کی کوششیں کیں لیکن اُس عورت کی ماں اس خیال سے کہ کم عمری کی وجہ سے اُسکے حسن و جمال اور تندرستی میں فرق نہ آجائے ایک لحظہ اُسکو اپنی نظر سے علیحدہ نہونے دیتی تھی۔ اسی حالت میں جبکہ برنارڈ معشوق کے وصال سے مایوس ہو رہا تھا ایک دن جہانگیر نے جو سرور بار اُسکے ایک بے نظیر علاج کے صلہ میں اُسکو انعام دینا چاہا تو اُس نے عرض کیا امیدوار ہوں کہ حضورِ معلیٰ اس انعام سے معاف رکھیں اور بچائے۔ اُسکے میری یہ التجا منظور فرمائیں کہ یہ نوجوان کنچن جو اب بابِ نشاط کے ساتھ سلام کو حاضر ہوئی ہے مجھے عنایت ہو۔ تمام دربار اُسکے اس عذر اور ایسی درخواست کے کرنے سے جو اُسکے عیسائی اور اس کنچن کے مسلمان ہونے کی وجہ سے شاہی قابلِ قبول معلوم ہوتی تھی مسکرایا۔ لیکن جہانگیر نے جبکو دین اور اور مذہب کا کچھ بھی خیال نہ تھا ایک بڑا قہقہہ مارا اور حکم دیا کہ اس کنچن کو اُسکے کاندہ پر بٹھادو اور کہو کہ لیجاے۔ چنانچہ فوراً بھرے دربار میں یہ اُسکے کاندہ پر بٹھادی گئی اور وہ اس انعام کو لیکر خوشی خوشی گھر کو چلتا ہوا۔

انٹیموں کی لڑائی کے تماشے کا ذکر [جشن کا اختتام ہمیشہ ایک ایسے تماشے پر ہوتا ہے جس سے یورپ میں کوئی بھی واقف نہیں یعنی ہاتھیوں کی لڑائی پر جو عام خلقت کے سامنے جہنما کی ریتی میں لڑائے جاتے ہیں۔ اور

بادشاہ اور بیگات اور تمام اُمرا قلعہ کے جھروکوں میں سے یہ تماشا دیکھتے
 ہیں۔ چنانچہ ایک خام دیوار تین یا چار فٹ چوڑی اور پانچ یا چھ فٹ اونچی
 بنائی جاتی ہے اور اُس کے دونوں جانب سے دو قوی ہیکل ہاتھی جنہر
 دو دو آدمی سوار ہوتے ہیں مقابل کئے جاتے ہیں دوسرا آدمی اسلئے
 ہوتا ہے کہ اگر ہاتھی کی گردن پر سے ایک گر پڑے تو دوسرا انگس سے
 اسکو چلائے۔ اور یہ لوگ کبھی تو انکو بڑھاوا دیکر اور کبھی بڑا بھلا کسکر اور پانوں
 سے ہول کر آگے بڑھاتے ہیں یہاں تک کہ بھہہ بیچارے جانور دیوار
 کے پاس پہنچ کر ایک دوسرے پر حملہ کرتے اور ایسی ٹکر لگاتے ہیں کہ دیکھکر
 خوف آتا اور سہرا ورسوٹا اور دانتوں کے زخموں سے اُن کا زندہ
 رہنا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ یہ لڑائی اکثر ردہ کر ہوتی اور مٹی کی دیوار آخر کار
 گر جاتی ہے اور زیر دست اور دلیر ہاتھی اسکو بھانڈ کر حریف پر حملہ کرتا
 اور اسکو بھگا دیتا ہے اور ایسا بیچا دیتا ہے کہ آتشبازی کی ”چریخوں“
 کے بغیر جو اُن کے پیچ میں چھوڑ دی جاتی ہیں حریف سے الگ نہیں ہوتا
 کیونکہ یہ جانور بالطبع ڈر پوک ہے اور خصوصاً اگ سے بہت ڈرتا ہے
 اور یہی سبب ہے کہ جب سے آتشنی پھیا لڑائی میں برتے جانے لگے
 ہیں ہاتھی لڑائی میں بہت کم کار آمد رہ گئے ہیں۔ اور اگرچہ سرانڈیکے ہاتھی
 سب سے زیادہ دلیر ہوتے ہیں۔ مگر خواہ کہیں کے ہوں میدان جنگ میں پیچھا
 سے پہلے برسوں تک ڈر کھونے کے لئے اُن کے کانوں کے پاس بندھن
 اور ٹانگوں میں پٹا نہ چھوڑے جاتے ہیں۔

ان عظیم الشان جانوروں کی لڑائی کا خاتمہ بڑی بیدردی پر ہوتا ہے
یعنی اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھی اپنے حریف کے ہماوت کو اپنی سونڈ سے
پکڑ کر نیچے گرا لیتا اور فوراً پانوں سے کچل ڈالتا ہے اور ہماوتوں کا کام ایسا
خطرناک ہے کہ یہ بے نصیب آدمی اپنے جو در بچوں سے اس طرح برخصت ہوتے
ہیں کہ گویا مرنے کو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل کو اس خیال سے کس قدر
تسلی رہتی ہے کہ اگر زندہ بچے اور بادشاہ اُنکی کارگزاری سے راضی ہوا
تو نہ صرف اُنکی تنخواہ بڑھ جائیگی بلکہ ہاتھی سے اُترتے ہی پچیس روپے کے
پیسوں کی ایک تھیلی مل جائیگی اور اگر کام آگے تو اُنکی تنخواہ اُن کی بیوی کو ملتی
رہیگی اور بیٹا اُنکی جگہ نوکر ہو جائیگا! اس تماشے میں ہماوتوں ہی کی جان
نہیں جاتی بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اُن غصے میں بھرے ہوئے جانوروں
سے بچنے کے لئے ایسی سخت بھاگڑ پڑتی ہے اور پیدل اور سوار اس طرح
پر بھاگتے ہیں کہ بعض آدمی گر کر لوگوں یا خود ہاتھیوں کے پانوں سے
کچل جاتے ہیں! چنانچہ جب دوسری بار مجھ کو اس تماشے کے دیکھنے کا
اتفاق ہوا تو میں نے اپنے گھوڑے کی خوبی اور دو خدامتگروں کی کوشش
کی بدولت بچا تھا۔

ہاجہ سجاد کا ذکر [اب موقع ہے کہ میں قلعہ کا ذکر چھوڑوں اور پھر شہر کی طرف رجوع
کروں جسکی دو عمارتوں کا ذکر کرنا اب تک باقی ہے۔ چنانچہ اُن میں سے
ایک تو بڑی مسجد ہے جو وسط شہر میں ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہوئے

۱۵۔ اس مسجد کی بنیاد ۱۰۷۰ھ میں عجمی مطابق ۱۱۵۰ھ عیسوی شاہجہاں کے چوبیسویں

سبب سے بہت دور سے نظر آتی ہے اور اسکی بنیاد رکھنے سے پہلے پہاڑی کا سطح خوب ہموار کر دیا گیا اور چاروں طرف چوکور میدان کھول دیا گیا تھا جہاں مسجد کی چاروں تنوں سے چار بڑے بازار آنکر ملتے ہیں جنہاں پہلے ان میں سے ایک تو صدر دروازہ کے سامنے ہے اور دوسرا عقب میں اور دو دونوں بغلی دروازوں کے محاذی! اور اندر جائیکے لئے تینوں ضلعوں میں کوئی پچیس پچیس یا تیس تیس پتھر کی خوبصورت سیڑھیاں بنتی چلی گئی ہیں اور پشت کی جانب پہاڑی کی اونچائی تک پتھر گھڑا کر اور خوب صاف کر کے لگاے گئے ہیں جن سے پہاڑی کی ناہمواری چھپ کر عمارت خوبصورت ہو گئی ہے۔ اسکے تینوں دروازے سنگ سرخ سے بنے ہیں اور نہایت عالیشان ہیں اور ان کے کواڑوں پر تانبے یا پتیل کی پتیاں چڑھی ہوئی ہیں مگر صدر دروازہ جس پر سفید سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں زیادہ شاں دار ہے مسجد کے پیچھے کے حصے میں تین بڑے بڑے گنبد ہیں جن کے اندر اور باہر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے اور بیچ کا گنبد دوسروں کی نسبت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸۔ سال جلوس میں کبھی گئی تھی اور ہر روز پانچ ہزار راج مہر دو تیلار اور سنگ تراش کام کرتے تھے اور بادجو اس اہتمام کے چھ برس میں دس لاکھ روپیہ خرچ ہو کر تیار ہوئی اسکے تین گنبد ہیں ذرا طویل اور تیس گز کے عرض میں اور اندر کو سات محرابیں ہیں اور باہر صحن کیطرت گیارہ دروازے جن میں ایک تو بہت بلند ہے اور پانچ پانچ ادھر ادھر والے ذرا نیچے ہیں اور بڑے دروازہ پر کلمہ ”یا ہادی“ بطور طغرا اور باقی دروازوں پر شاہجہاں کے نام کا کتبہ اور تاریخ تعمیر اور در و مصارف جسکو نور اللہ

بہت بڑا اور اونچا ہے اور مسجد کا صرف یہی حصہ مسقف ہے باقی گنبدوں سے لیکر صدر دروازہ تک بالکل کھلا ہوا ہے جو گرمی کی وجہ سے کملا رکنا ضروری ہے اور مسجد کے اندرونی حصہ میں سفید سنگ مرمر کا (جس پر سنگ موسیٰ کی تحریر سے مصلے بنے ہوئے ہیں) اور بیرونی میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہے۔

میں قبول کرتا ہوں کہ یہ عمارت بموجب اُن اصول کے جن کو ہم لوگ پسند کرتے ہیں نہیں بنی لیکن میں اُس میں کچھ عیب بھی نہیں پاتا اس کے ہر ایک حصہ کی تقسیم عمدہ طور پر ہے اور تعمیر بھی عمدہ ہے اور تناسب کا بخوبی لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ مجھے امید ہے کہ اگر پیرس میں کوئی مگر جاسکے نقشے پر بنایا جائے تو اپنی زالی اور عجیب وضع کے لحاظ سے سب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۹۔ خوشنویس نے خط نسخ سے لکھا تھا سنگ موسیٰ کی عجیب کاری سے بنا ہوا ہے اور دروازوں کے دونوں طرف نہایت بلند اور خوشنما مینار ہیں جن میں اوپر جانے کے لئے زینے اور سردوں پر بارہ دری کی برجیاں بہت دل کشا بنی ہوئی ہیں! شمالی منارہ بجلی کے صدمہ سے گر پڑا تھا اور عمارت اور صحن کا فرش بھی جو تمام سنگ مرمر کا ہے مابجا سے بگڑ گیا تھا مگر سرکار عالیہ انگریزی نے ۱۳۳۷ھ ہجری مطابق ۱۹۱۹ء میں اُس مینار کو بنوایا اور فرش بھی درست کر دیا۔ اس مسجد میں جو تکہ کوئی کبر بنا ہوا نہ تھا اور اس وجہ سے امام کی آواز تکبیر سب نمازیوں کو نہیں پہنچ سکتی تھی اس واسطے شاہزادہ میرزا سلیم ابن حسین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ نے ۱۲۴۵ھ ہجری مطابق ۱۸۲۹ء میں بڑے دروازہ کے بیچ میں ایک گبر سنگ باسی کا بہت خوشنما بنوایا ہے۔ مسجد کے اندر تمام فرش سنگ مرمر کا ہے اور اُس میں سنگ موسیٰ کی عجیب کاری سے مصلے بنا دیئے ہیں ممبر بھی سنگ مرمر کا بہت خوش قطع بنا ہوا ہے! جانب شمال کے دالاں میں کچھ

لوگوں کو پسند آئے۔ ایتنیوں گنبدوں اور چھوٹی برجیوں کے سوا چونگ مہر کی ہیں باقی عمارت سنگ مرخ سے بنی ہے جو سنگ مرمر کی بنسبت ذرا نرم ہے اور زمانہ پاکر اُس میں سے ورق جھڑنے لگ جاتے ہیں! ہندوستان کے لوگوں کا یہ قول ہے کہ جس کان سے یہ پتھر نکلتا ہے کچھ مدت بعد اُس میں پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو نہایت عجیب اور غلطیاں صحیح اسکا سبب یہ بتاتے ہیں کہ برسات کے دنوں میں کان میں پانی بھر جاتا ہے مگر میں اس امر کی نسبت کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتا۔

بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے اور جس راستہ سے اُسکا گزر ہوتا ہے اُس میں پہلے سے گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہو جانے کے لئے چھڑ کاؤ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۰۔ تبرکات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رکے ہیں اور وہ مقام درگاہ آثار شریف کہلاتا ہے۔ مسجد کا صحن ایک سو چھتیس گز کے عرض و طول سے اور اُسکی چاروں طرف بارہ گز کا زے سنگ مرمر کا حوض ہے جس میں فوارہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان اور حجرے اور مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور چاروں طرف کوئوں پر بارہ دری کے چار برج ہیں۔ جنوبی اور شرقی دالان کے سامنے دائرہ ہندی نماز کا وقت دیکھنے کو بنا ہوا ہے اور مسجد کے تینوں دروازوں میں برجی کوڑا پڑا ہوا ہے۔ جنوبی دروازہ پر۔ رہنے کے لالچ حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور تینتیس ٹیڑھی ہیں جن پر تیسرے پھر کو مجمع سام ہوتا ہے۔ اور تساطی اور فائوہ والے اور کبابی اور اخیل مرغ بیچنے والے اور شوقین جوان انڈے لڑانے والے آنکر جمع ہوتے ہیں۔ شمالی دروازہ میں بھی رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں اور اس طرف اُنٹالیں سیڑھیاں ہیں۔ اگرچہ اس طرف بھی کبابی بیٹھتے اور سوئے

کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازہ سے لیکر مسجد تک تین یا چار سو سپاہی دور و یہ صنف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جنکے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت خوبصورت بند و قین ہوتی ہیں جنہیں سرخ بانات کا غلاف ہوتا ہے۔ اور اسکے سرے پر ایک چھوٹا سا پھرا۔ اور پانچ یا چھ عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سواری کے وقت راستہ کھلا اور صاف رکھیں اور وہ اتنے فاصلہ سے آگے آگے چلتے ہیں کہ اُن کی گرد سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے اور جب یہ سب تیاری ہو جاتی ہے تو بادشاہ قلعہ سے کہی تو ہاتھی پر چو خوب سجایا ہوا اور جس پر سنہری اور منقش کام کی عمارت کسی ہوئی ہوتی ہے سوار ہو کر نکلتا ہے۔ اور کہی سنہری اور لاجوردی کام کے تخت روں پر جو کنب یا ارعوانی رنگ کی مٹھی وغیرہ سے منڈ ہے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جسکو آٹھ چیدہ اور بہاری بہاری دروہوں والے کمار کا ندھے پر اٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے۔ اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱۔ والے دو کانیں لگاتے ہیں لیکن بڑا تماشا اس طرف ماریوں اور قصہ خوانوں کا ہوتا ہے۔ قصہ خوان موندھا بچہ کر بیٹھتا ہے اور داستان امیر خزانہ یا قصہ حاکم طائی اور کہیں داستان بوستان خیال سناتا ہے جسکے سننے کو یکڑوں آدمی جمع ہوتے ہیں ایک طرف ماری تماشا کرتا ہے اور بہانہ مٹی کا کیل ہوتا ہے اور بوڑھے کو چواں اور چواں کو بوڑھا بنانا ہے۔ شرقی دروازہ پر ہی مکانات بنے ہوئے ہیں اور اسکے آگے بینٹیس ٹیڑھیاں ہیں جنہیں ہر روز گزری لگتی ہے۔ جو گو یا ہر روز کا میلہ ہے۔ بڑا دلچسپ طرح کے کپڑے الکینوں پر ڈالتے ہیں اور قین جوان طرح طرح کے خوش آواز خانہ پنچروں میں لے ہوئے سیر کرتے بھرتے ہیں۔ ایک طرف کچھ دالے کچھ تھپتھپتے ہیں ایک جانب گھوڑے والے گھوڑے لے کھڑے ہیں (آثار الصنادید) س م ح۔

پیچھے پیچھے بہت سے اُمر ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعض پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انہیں میں ملے جلے بہت سے منصبدار اور چاندی کی چھڑیوں والے جو مبار وغیرہ ہوتے ہیں! میں اس سوار می کو سلطان روم کی باشاں و شوکت سوار می سے تشبیہ نہیں دیکھتا اور نہ بادشاہان یورپ کے جنگی طور کے جلوں سے کیونکہ اس کا تجمل و عظیم و شان اور ہر طرح کا ہے مگر کچھ کم شاہانہ نہیں ہے۔

کاروان کا ذکر دوسری قابل الذکر عمارت وہ کاروان سہرا ہے جو شاہجہاں

کی بڑی بیٹی معروف بیگم صاحب نے جب کاسینے گزشتہ لڑائی کی تاریخ میں بہت کچھ ذکر کیا ہے بنوائی تھی اور نہ صرف اس شاہزادی ہی نے بلکہ اور اُمرانے ہی بڑے بادشاہ کے خوش کرنے کو شہر کی رونق بڑھانے میں بہت روپیہ صرف کیا ہے۔ یہ محلے پلیم رائل کی طرح ایک بڑی اور محراب دار برج عمارت ہے جس میں برابر برابر کوٹھڑیاں اور ان کے آگے علیحدہ علیحدہ برائڈے ہیں اور یہ دو منزلی ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیاں اور برائڈے پیچھے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں اور ایرانی اور تورانی اور اُردو پر ویسی دو لقمہ تاج حفاظت کی جگہ سمجھ کر اسمیں آنکر ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ رات کو اسکا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کاش بیرس میں بھی دنل ہٹل جگہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پر ویسی آدمیوں کو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور محقول مکان کے حاصل کرنے میں اس قدر حیرانی نہ ہو جس قدر کہ اب ہوتی ہے اود تا وقتیکہ دوست آشناؤں سے مل کر زیادہ آرام

کا مکان بہم پہنچائیں اُن میں ٹھہرتے اسکے علاوہ یہ ہر قسم کے مال تجارت کے ٹھہرنے اور پردیسی سوداگروں کے اترنے کے لئے ایک عمدہ اور آسائش کے مقام ہوتے

پیرس اور دہلی کی آبادی اور لوگوں کی
 خوش حالی اور مغنی کا مقابلہ
 آج چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے
 یہ ضرور دریافت کریں گے کہ اس شہر کی
 عام آبادی کی تعداد اور آسودہ حال لوگوں کا شمار پیرس کے مقابلہ میں
 کیا ہے۔ پس دہلی کا ذکر ختم کرنے سے پہلے میں اسکو بیان کرتا ہوں واضح
 ہو کہ پیرس کے تمام مکانات کے سہ منزلہ اور چومنزہ ہونے اور قریباً امن
 سب کے لوگوں سے معمور اور بھرے ہوئے ہونے اور سطح پر
 اسکے تین یا چار شہروں کے برابر ہونے اور سڑکوں اور گلی کوچوں کے
 عورت اور مرد اور پیدلوں اور سواروں اور انواع و اقسام کی گاڑیوں سے
 بھرے رہنے اور بڑے بڑے چوکوں اور باغوں اور میدانوں کے
 اُس میں بہت کم ہونے پر خیال کر کے پیرس مجھکو آدمیوں کے ایک بن کی
 مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور اسوجہ سے میں یقین نہیں کر سکتا کہ جتنے آدمی
 اُس میں ہیں اتنے ہی دہلی میں بھی ہوں مگر جب ہندوستان کے اس
 دار السلطنت کی وسعت اور بیشمار دوکانوں اور اس امر پر خیال کرتا ہوں
 کہ اُمر کے علاوہ پینتیس ہزار سوار سے اس میں کبھی کم نہیں رہتے جو قریباً
 سب کے سب حیال دار اور صاحبِ اولاد اور سب کے پاس بہت
 سے نوکر چاکر ہیں جو اپنے آقاؤں کی طرح علیحدہ علیحدہ مکانوں میں رہتے

ہیں اور کوئی ایسا گھر نہیں جس میں عورتیں اور لڑکے باہر موجود ہوں اور شام کو جب ذرا گرمی کم ہو جاتی ہے اور لوگ باہر نکلتے ہیں تو تمام سڑکیں اور گلی کو پھلے باوجود اپنی وسعت کے خلقت سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور پھیلائی سواریاں (جلنے لگے رک جاتی ہے) بہت ہی کم دیکھائی دیتی ہیں تو ٹھیک نہیں کہہ سکتا کہ دہلی اور پیرس کی آبادی میں کیا نسبت ہے۔ لیکن میرے قیاس میں اگر پیرس کے برابر یہاں آدمی ہوں تو کچھ بہت کم ہی ہوں گے۔ البتہ اگر اسودہ حال لوگوں پر نظر کیا جائے تو بیشک پیرس میں اور اسمیں ایک نمایاں تفادیت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرس میں دن میں سے سات یا آٹھ آدمی کپڑے لٹے سے درست اور معقول صورت نظر آتے ہیں لیکن دہلی میں صرف دو یا تین آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں اور باقی غریب اور پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں جو بیچارے فوج کی وجہ سے یہاں چلے آتے ہیں لیکن میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اکثر ایسے لوگوں سے ملنے جانے کا اتفاق ہوتا ہے جو اچھے وجیہ اور عمدہ اور ستھر لباس پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور نفوذ متناظر ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔

امرا کی سواری کے طریقہ کا ذکر جس وقت امرا اور راجا اور منجیدار لوگ چوکی دینے یا دربار میں حاضر ہونے کو آتے ہیں تو اس چوک سے جو قلعہ کے سامنے ہے کوئی زیادہ بارون مقام نظر نہیں آتا۔ چنانچہ چاروں طرف سے بہت سے

منصبدار ساز و سامان سے درست اور عمدہ گھوڑوں پر چڑھے ہوئے اور چار خوش پوشاک خد متگار ساتھ لئے ہوئے جنہیں سے دو پیچھے اور دو راستہ کھلا رکھنے کے لئے آگے آگے رہتے ہیں آتے ہیں۔ اور امر اور راجہ بعضے تو گھوڑوں پر اور بعضے عمدہ ہاتھیوں پر اور اکثر مکلف پالکیوں میں جبکو چھ چھ کما رنگے ہوئے ہوتے ہیں زربنت کا تکیہ رنگے پاں چبائے آتے ہیں۔ جس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ موٹہ خوشبودار اور نہوٹ سرخ ہو جائیں۔ اور پالکی کے ایک طرف تو ایک خد متگار دانت خلال اور چاندی یا چینی کا آگال دان جبکا حقہ کے ساتھ ہونا ضروری ہے لئے ہوئے ہوتا ہے اور دوسری جانب دو خد متگار ہوتے ہیں جو اپنے آسائش پسند مالک کو پنکھا جھلٹے یا گردوغبار اور کھٹیاں اور انے کو مو جھیل دلاتے ہیں اور تین چار پیادے راستہ کھلا رکھنے کے لئے آگے آگے دوڑتے اور کچھ منتخب اور وجیہ خوش لباس جوان گھوڑوں پر چڑھے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

دہلی کی نواح کے بعض
 دہلی کے نواح کی زمین نہایت زرخیز ہے اور
 مسکانات وغیرہ کا ذکر
 اسیں ایکھ۔ گیہوں۔ جو۔ نیل۔ دھان۔ بآجرہ
 جوار۔ مونگ۔ ماش۔ اور موٹہ وغیرہ جو عام لوگوں کی خوراک ہے
 باغرا پیدا ہوتے ہیں۔ دہلی سے چھ میل اگرہ کے راستہ پر ایک مقام ہے
 جسکو مسلمان ”قطب الدین“ کہتے ہیں اور یہاں ایک بہت قدیم عمارت ہے جو

۱۵۔ صنف کا مقصود غالباً وہ مہارت کا منہ، ستان کے مشہور راجہ پٹنئی راج عرفہ راجہ پتورا

کبھی ہندو مذاہرہ تھا اور اُس پر ایسے حروف میں کچھ لکھا ہوا ہے جو ہندوستان کی مروجہ زبانوں کے حروف میں سے کسی سے بھی نہیں ملتے اور نہ کوئی شخص اُنکو پڑھ سکتا ہے اور دوسری جانب شہر کے ایک بادشاہی بلغ ہے جسکو ”شالامار“ کہتے ہیں اور جو ایک بہت خوبصورت اور عالیشان عمارت ہے لیکن ”فونٹین بلو“ اور ”سینٹ جبریں“ اور ”در سیلیس“ کے مقابلہ کا نہیں۔ یقین کیجئے کہ دہلی کی نواح میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶۔ نے ۱۲ بکرماجیتی مطابق ۱۱۳۲ھ اور ۳۸ھ ہجری میں اپنے قلعہ کے

ساتھ بنوایا تھا اور ۳۸ھ ہجری مطابق ۱۱۹۱ھ عیسوی اور موافق ۱۲۳۸ھ بکرماجیتی میں معزالدین بن سام عوف شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے جو آخر کاہلی کا بادشاہ ہوا اور سلطان قطب الدین کلہا۔ جب دہلی کو فتح کیا تو اسکو مسجد بنا دیا اور شرقی دروازہ پر فتح کی تاریخ اور اپنے نام کا کتبہ کھدوایا مگر کوئی ایسے حروف جسکی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے اس پر کہیں کندہ نہیں ہیں البتہ اسکے صحن میں ایک لاٹھ ہے جو سر سے پانوں تک نوہے کی ڈھلی ہوئی ہے اور جن میں پر سے بائیس فٹ چھ انچ بلند اور جسکی چرٹکی مٹائی کا محیط بلایخ فٹ تین انچ ہے اور اسکی نسبت یہ کہانی مشہور ہے جو بالکل غلط ہے کہ اسے پتھورا کے وقت میں پتہ توں نے اسکو ہاسٹ ناگ کے سر پر اس غرض سے گاڑا تھا کہ اسے پتھور کے خاندان کی عکاسی کہی نہ ملے۔ اس پر سنسکرت زبان اور ناگری حروف میں تین اشوک کندہ ہیں جبکہ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ سندھ کے راجہ نے راجہ دہاواسے اپنے کو فتح جمع کی تھی۔ بعد ازاں کے راجہ دہاواسے فتح پائی اور یہ لاٹھ بطور یادگار اپنی فتح کے بنائی گئی کہ جس سے پہلے مر گیا اٹھ صاحب آثار الصنادید لکھتے ہیں کہ جیسے پر نسب صاحب نے لکھا ہے کہ اس راجہ کا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا ہے۔ اس کے کہ سنہ ۱۲۳۸ھ کے راجاوں میں کا ایک راجہ ہے اور اس قسم کے ناگری حروف تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں جاری تھے اور اس سبب سے انہوں نے خیال کیا ہے کہ یہ لاٹھ پانچویں صدی سے بہت دور بلکہ آٹھویں صدی

اس اشوک جیتن اس کتاب کے اس مقام میں بنائے گئے ہونگے۔ باغ شاہ بازار کے ایک گھر کی گنجی ہے۔ س۔ م۔

میں ایسے محل اور عالی شان مکانات نہیں ہیں جیسے کہ سینٹ کلوڈ^(۱) چینٹلی^(۲)۔ میوڈان^(۳)۔ لانیکور^(۴)۔ وا۔ یارول ہیں اور مذہبی مختصر باغات ہیں جنکے مالک غیر ملازم شرقا اور اہل شہر اور سوداگر ہوں۔ لیکن یہ کچھ جابے تعجب نہیں کیونکہ یہاں کی رعایا میں سے کسی کو بھی حق ملکیت زمین حاصل نہیں ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۷۔ میں یہی تھی مگر ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ راجاوں کی تاریخ ۱۱۶۶ء سے مسلمانوں کی عبادت کی ہونے تک بصحت تمام ملے ہے اور ان تاریخوں میں اس راجہ کا ذکر نہیں ہے۔ علاوہ اسکے اس لاطھ پر سمت کندہ نہ ہونے سے یقین پڑتا ہے کہ بکرہ جیت سے پہلے کی ہے کیونکہ بکرہ جیت سے پیچھے سمت لگنے کا اور کوئی نہ کوئی سنہ مقرر کرینکا بالکل بوجہ ہو گیا تھا۔ اسکے سوا اس زمانہ میں ہر تہا پور کے راجاؤں کا یہ بالکل جائز تھا۔ ان دلیلوں سے ہمارے نزدیک یہ لاطھ راجہ میدہی عرف راجہ دہلو کی بنائی ہوئی ہے۔ جو راجہ جد ہشتر کی اولاد میں سے مائسواں راجہ ہے۔ اور اگرچہ یہ راجہ اندر پت میں آئے تھے لاقیم تخت گاہ ان کا استنپور ہی تھا اور اسی سبب سے ہر تہا پور کے راجہ کہلاتے تھے۔ مذہب اس راجہ کا بشغوی تھا اور اس لاطھ کے کتبے سے یہی بھی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ کی مروجہ کتابوں سے ظاہر ہے کہ راجہ میدہی ایک ہزار نو سو پانچ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام سنہ نشین ہوا الا انگریزی مورخوں نے جو صحیح حساب راجہ جد ہشتر کی سنہ نشینی کا لگا لاسہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ اٹھ سو پچانوے سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام سنہ نشین ہوا تھا۔ اور اس سبب سے ہماری رائے میں یہ لاطھ نوین صدی میں قبل حضرت مسیح علیہ السلام نبی الانا تمام پڑی رہی اور ایک مدت بعد کسی راجہ نے راجہ دہلو کا کٹاؤ کیا جس مقصد سے اس راجہ نے اس کو بنایا تھا کہ وہ لاطھ کو نصب کر دیا۔ اور کچھ عجیب نہیں کہ یہ بات تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی ہو۔ جب اسے پتھورہ رائے

دہلی اور آگرہ کے درمیانی راستہ کا ذکر دہلی اور آگرہ کے مابین جو ڈیڑھ سو یا ایک سو اسی میل کا فاصلہ ہے اُسکین نہ تو کوئی عمدہ شہر ہے (حالانکہ فرانس میں مسافر کو اس قدر مسافت کے اندر کئی شہر دکھائی دیتے ہیں) اور نہ کوئی اور کچھ مقام ہے البتہ مقرر جہاں ہندوؤں کا ایک قدیم اور عالیشان مندر دیکھنے کے لئے اب بھی موجود ہے اور چند خوبصورت کاروانسراییں جو ایک ایک منزل کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں قابل ذکر مقام ہیں اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطاریں درخت لگے ہوئے اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں۔

شہر آگرہ عرف اکبر آباد کا ذکر۔ سینے دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اور عمارتیں بھی جیسا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اسوجہ سے کہ آگرہ کے زمانہ سے (جس نے اسکو آباد

۱۵ یہ ترک شہنشاہ جہانگیر نے اپنے عہد کے چودھویں سال مطابق ۱۶۰۶ء شہر ہجری میں آگرہ آباد سے لاہور تک بڑائی تھی۔ اسکے بعض بعض منارے اب تک بھی کہیں کہیں موجود اور قائم ہیں۔ س م ح۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۸

اس لائٹ کے قریب تمام اور مندر بنایا تب یہ لائٹ مندر کے صحن میں اور جب اسکو توڑ کر قطب الدین ایکس نے مسجد بنایا تب مسجد کے صحن میں لگئی چنانچہ اب تک وہیں موجود ہے! معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر طبری نے غالباً اسی لائٹ کے حروف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲ س م ح۔

کر کے اپنے تمام پراسکا اکیرا آباد نام رکھا تھا) بادشاہان ہندوستان اکثر وہیں رہتے رہے ہیں۔ اسکو وسعت اور کثرت عمارت میں جنکو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفانے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا ہے وہی بر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اسیں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کر سکتا ہے۔ اور جنکا بیان میں آئندہ کروں گا لیکن اسکی شہر پناہ نہیں ہے اور بعض اور امور میں بھی دہلی سے کھٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز ہو کر نہیں بنایا گیا اسلئے دہلی کے سے متحدہ وضع اور سید ہے اور وسیع بازار جسے اسکو امتیاز حاصل ہے اسیں نہیں ہیں البتہ چار یا پنج بازار بہت طولانی ہیں اور انکی عمارت بھی اچھی ہے مگر ان میں بیوپاری بھی زیادہ بچھتے ہیں اور ان کے سوا سب چھوٹے چھوٹے تنگ اور بچا عہدہ ہیں جنیں بہت سے گوشے اور بیچ و خم ہیں اور اس سبب جب پادشاہ کا قیام یہاں ہوتا ہے تو ان میں عجب کشمکش اور دھک پھیل رہتی ہے ایس خیال کرتا ہوں کہ ان دونوں شہروں میں جو بڑی بڑی مابہ الامتیاز باتیں ہیں وہ میں نے سب بیان کر دی ہیں مگر ان پر ایک بات اور اضافہ کرتا ہوں کہ اگرہ کو اگر کسی بلند مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گانوں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اسکا منظر گانوں کا سا طرح طرح کا اور خوش نما

۱۵۔ یہ بھی نہیں ہے بلکہ اگر ادھر جاگیر کے وقت تک اگرہ کی کہلاتا تھا اور موافق روایت صاحب بادشاہ نامہ شاہجہاں نے اپنے جلوس کے پہلے دن یہ نام بھی تھا بلکہ اگر آباد نام رکھا تھا چنانچہ اسی روز سے اکیس آبادی مشہور ہے۔ ۱۲۔ س م ح۔

ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکانوں کے صحنوں اور باغوں میں
سایہ کے لئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور ارام اور آسائش
اور آؤر دو تہمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک
دوسرے سے فصل کے لئے نہایت فرحت بخش پھول پھلوا رہی
اور درخت اور پیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور ان میں ہندو مہاجنوں کی
اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر
کوئی پرائی لڑی ہو۔

ایک گرمی سے جلے بھنے ملک میں کہ جہاں تازگی اور آرام حاصل
کرنے کو آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں متلاشی ہوتی ہیں اگرچہ ایک ایسا منظر
بے شبہ و لکھ ایک خاص طور کی فرحت دیتا ہے مگر یہ خیال کر کے کہ دنیا
کا ایک نہایت عمدہ اور خوش نما نظارہ دیکھنے میں آئیگا آپ کو یہ سب کے
چھوڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو یقیناً ایک بونستہ ہے جس پر بھی حاصل ہو سکتا
ہے۔ چنانچہ اگر آپ ذرا دن کو اس پر جا کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ خلعت اور کالیوں کا
کیا عجیب و غریب جھمک اور طرح طرح کی چیزیں اور بھیڑ بھار نظر کرتی ہیں
اور سپرات کو ہٹھکرا ملاحظہ کریں تو بیشک میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ
نرمائے اس سے زیادہ دلچسپ نظارہ اور کہاں دکھائی دے سکتا ہے۔
اور اس پر سے مکانات کی بیشمار کھڑکیوں میں سے جو صاف اور دہیمی دہیمی
روشنی نظر آتی ہے ذرا دیکھتے تو وہ کیا لطف دکھاتی ہے اور جو بہتر ہزار
اور کالیوں اور لوگوں کا جھوم دن کو رہتا ہے وہی آدھی رات کو بھی نظر آتا ہے

اور ممالک ایشیا کے برخلاف جہاں ایسا ہونا کبھی ممکن نہیں بادیاں
اہل شہر مکہ سبیاں اور بیٹیاں بغیر چوراً چلوں کے خوف اور کیچڑ
وغیرہ کی تکلیف کے بے تکلف بازاروں اور گلی کو چوں میں چلتی بھرتی
اور جہاں تک نظر جاسکتی ہے خواہ کوئی اور کیسا ہی موسم کیوں نہو چاروں
طرف لال ٹینوں کی قطاریں روشن اور جگمگاتی نظر آتی ہیں۔

مشفق من پیرس میں پونٹ فی آف پر کھڑے ہو کر بیشک آپ میری
ذمہ داری پر دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا بنایا ہوا اس
زیادہ خوشنما کوئی منظر نہیں ہے۔ لیکن چین اور جاپان کی میں نہیں کہتا
کیونکہ میں نے انکو نہیں دیکھا اور اسکی خوبی اُسوقت اور بھی بڑھ جائیگی جبکہ لوگوں کی تعمیر
ختم ہو جائیگی اور لوگوں کے قول کے برخلاف جو اس کے نقشہ کو دیکھ کر کہتے تھے
کہ یہ صرف کاغذی کاغذ پر دکھائی دیتا رہیگا۔ حقیقتاً وجود میں آجائیگا!

انسان کے بنائے ہوئے منظر کی قید میں اسلئے لگائی ہے کہ دنیا کے
عمدہ مناظر کے ذکر کے موقع پر اس لفظ کے عام معنوں کے لحاظ سے قسطنطنیہ
کے اُس قدرتی منظر کو جو سمندر کی بڑی کھاڑی میں سے اسطرح نظر آتا ہے کہ ایک
طرف تو قسطنطنیہ ہے اور دوسری جانب پوائنٹ ڈیوسٹرل ہے۔ ششلی
کر دینا ضروری ہے حقیقت یہ ہے کہ جب پہلے بھل میں نے قسطنطنیہ کے
اس لیے چوڑے منظر کو دیکھا تو میری طبیعت پر ایسی خوشی غالب ہوئی کہ وہی
نہیں بھول سکتی اور میں نے اسکو ایک جادو کا بنا ہوا ایسی ہی اٹھائی
لیٹس زبان میں ایسی ہی منظر کی شکل کو کہتے ہیں۔ پس جو کہ یہ تھی اٹھائی تھی تا شاخا نے بھڑکی

کیا۔ لیکن اگرچہ اس منظر میں جو خوبی کی باتیں ہیں وہ سب قدرت کی مصنوعات ہیں اور پیرس میں جو کچھ ہے وہ تمام یا قریب تمام کے انسان کی صنعت ہے مگر میری رائے میں پہلے کی بنسبت پچھلا زیادہ دلچسپ ہے۔ کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ جیسے شہر ایک بڑی سلطنت کا دار الحکومت اور ایک ذمی قدرت بادشاہ کا جاے قیام ہے اور دہلی اور آگرہ اور قسطنطنیہ کی سب طرح کی خوبیوں کو تسلیم کر کے پھر بھی میں انصافاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے شہروں میں پیرس سب سے زیادہ متمول اور خوبصورت اور ہر ایک طرح سے مقدم ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۲۔ شکل کی بناے جاتے تھے تاکہ لوگ ارد گرد میں گراسانی کے ساتھ قریب سے تماشا دیکھ سکیں۔ اس لئے ان کا نام ایفنی تھی اسی طرح کا نام کالی سی ایم ہے۔ اور جو کچھ بنے ہوئے بہت عرصہ ہوا مگر مصاحف کی خوبی کی وجہ سے ایسا ہے کہ اسکو کھنڈر کا شکل ہے بلکہ اب تک شہر روم کی نہایت عالیشان عمارت میں سے ہے۔ اس وادی میں بنا ہوا ہے جو شہر روم کی سات بہاریوں کے بیچ میں ہے۔ یہ عمارت زمینوں کی طرح اس لئے درجہ بدرجہ بنی ہوئی ہے کہ تماشائی اپنے اپنے رتبہ کے موافق اپنی اپنی جگہ کہ جو ان کے لئے مخصوص تھی بیٹھ کر تماشا دیکھ سکیں۔ چنانچہ سب سے اول درجہ کے چوتروہ پرنس شاہ تخت بلا درمیں لان سینٹ اور بڑے بڑے مجسٹریٹ اور وہ مقدس کنواری عورتیں جو معبدوں کی خدمت پر متعین رہتی تھیں سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیوں پر بیٹھتی تھیں۔ اور ان سے پیچھے کے چوتروہ پرزدہ ہار اور نامار سپاہی بیٹھتے تھے جنکو ٹائٹل کتے تھے اور ان کے بعد عام لوگوں کی نشست تھی اور سب سے اوپر اور اخیر کے چوتروہ پر عام شریفانہ وایان جو تماشا کرنے والوں کے برہنہ ہونے کی وجہ سے قریب سے دیکھنا پسند کرتی تھیں بیٹھتی تھیں غرض اسی طرح ملاح اور کلوں کے چلانے والے اور تماشا خانہ کے اور اہل خدمت اسکے دونوں دروازوں کی چھتوں پر بیٹھتے تھے۔ اس عمارت کا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہیے

جیسیوٹ فرقہ کے عیسائیوں کے اگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جسکو جیسیوٹ ایک گرجا اور کالج کا ذکر۔ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان

ہے جسکو کالج کہتے ہیں جس میں پچیس یا تیس عیسائی گھرانوں کے بچوں کو تعلیم مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ عیسائی حق ائذان یہاں کس طرح جمع ہو گئے ہیں شاید ان جیسیوٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۴۔ کہ جب کبھی یہ تماشائیوں سے بالکل بھری ہوئی ہوتی تھی تو تاسی ہزار سے کم بیٹھے والے ہوتے تھے۔ اس عمارت کے بیچ کا میدان ارسینا کہلاتا تھا کیونکہ خوں کی بدبو رکھنے کی غرض سے اُس میں ابتدائی زمانہ میں ارسینا یعنی ریت بچھائی جاتی تھی مگر پھر یہاں تک تکلف بڑھ گیا کہ ریت کی بعض مختلف دھاتوں کا برادہ اور رنگ بن بلکہ پسے ہوئے جو اس ریت کی تہ بچھانے لگے لیکن ایک ملازم قسم کے سفید پتھر کا چور بچھایا جانا جس سے آرتینا کا سطح برف کا سا معلوم ہونے لگتا تھا۔ زیادہ پر لطف خیال کیا جاتا تھا۔ اور چھت نہ ہونے کی وجہ سے جب اس پر اونٹنیوں کا ایک بڑا ریشمی زیر کار شایانہ تانا جاتا تھا تو اُس میں سے دھوپ کی شعاع جو آرتینا کے سفید اور شفاف سطح اور رومی عمدہ داروں کے سفید چمنوں پر پڑتی تھی تو نہایت ہی کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ آرتینا کے گرد اگر دپائی کی نہ رہتی ہوئی تھی جس میں سے پانی چھوڑ کر آرتینا میں تماشاکرنے کے لئے جہاز لے آتے تھے۔ یہ تماشخانے رومیوں کی سلطنت جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے اور چونکہ قدیم اہل روم ہر قسم کے خون ریز اور خوفناک تماشوں کے دیکھنے کے بے اعتدالی کے ساتھ شایق تھے اس لئے ان کے حکام اس شوق کو اس جنگی جوش کے ترقی دینے کی غرض سے جس نے انکو دنیا کا مالک بنایا ہوا تھا جاری رکھتے تھے۔ سب سے پہلا تماشہ دوسو ساٹھ برس قبل مسیح علیہ السلام شہر روم میں ہوا تھا اور ۱۷۷۷ء میں جبکہ رومیوں نے کارٹیج والوں پر فتح پائی اور ان کے ہاں کی لوٹ میں ابھی ہی آئے تو وہاں اس تماشخانہ میں داخل کئے گئے اور سطح سے ان میں وحشی حیوانات کے داخل کئے جانے کی ایما ہوئی اور رفتہ رفتہ یہاں تک نو بہ نو پہنچی کہ جانوروں کے باہم لڑنے ہی پر حصر نہ رہا بلکہ ملک میں لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جن کا یہ پیشہ تھا کہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہ لوگ

سلوک نے انکو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر مائل کیا ہے! جس زمانہ میں
پرتگیزیوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسویٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی
اگر وہ ہے شہنشاہ اکبر نے بلا کر یہاں آباد کر لیا تھا اور گزراوقات کے لئے
کچھ سالیانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور اگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی
اجازت دیدی تھی اور جہانگیر تو اپنے باپ سے بھی بڑھ کر انکار مبی تھا اگر شاہجہاں
کے عہد میں انکو بہت تکلیف پہنچی اُسے انکا سالیانہ بند کر دیا اور لاہور کا گرجا تو
بالکل ہی مسمار کر دیا اور اگرہ کے گرجا کا بھی بہت سا حصہ مع اُس منارے کے جبر گھٹا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۴ - گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور اُن کے ساتھ وہ تمام غوغور درندے بھی
منسلک کئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانے کے لئے آفریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے
آتے تھے قیصر جو تکیس اور پامپی کے زمانہ میں یہ دھیانہ اور خوفناک تماشے قابل حیرت کثرت
سے کئے جاتے تھے اتما شافی لوگ اکثر اس غرض سے اول وقت پر آتے تھے کہ بڑے
بڑے اراکین سلطنت کو آتا ہوا دیکھیں جنگلے آنے پر تحسین یا نفرس کا نعرہ بلند ہوتا تھا
جوان کے افعال کی عام پسندی یا ناپسندی پر موقوف تھا۔ اور جب شہنشاہ آتا تو لوگ یغفرہ
لکھ کر جلاتے کہ ”اے سب کے مالک اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوش حال تیرے
لئے خوشی اور فتح ہمیشہ ہو“ جب بادشاہ آکر بیٹھ جاتا تو طرح طرح کے تماشے ہونے لگتے
چنانچہ کبھی تھریں سے ارنیاں بانی جھوڑ دیا جاتا اور ایک جہاز آتا اور تباہ ہو کر اُسیں سے
ایک عمل عجیب و غریب جانوروں کا نکل پڑتا۔ بعض اوقات زمیں پھٹ کر دھت نکلتے
اور آہر سنہری میوے لگے ہوئے ہوتے۔ کبھی آریوس کلابوت کا برانا عشقیہ
قصہ بطور اصل کے دیکھا یا جاتا۔ اور یہ دھت اُس خوش آواز عاشق کے راگ اور دُ
تارے کے ساتھ ساتھ چلتے مگر تعجب یہ ہے کہ تماشے کے مکمل کرنے کے لئے
آریوس کی طرح آخر میں سچ مچ اُس شخص کو جو آریوس بناتا تھا بچھوں سے بچھڑا دیا جاتا تھا
اور اس کے بعد غوغور اور اشتعال پسند رومی ارنیا کے دروازے کھول دیتے اور قسم
قسم کے دھنسی درندے چاروں طرف سے باہم لڑتے اور ایک دوسرے کو

لگا ہوا تھا اور جسکی آواز تمام شہر میں جاتی تھی گروادیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں
 ان لوگوں کو اسید بھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائیگا کیونکہ جہانگیر
 حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب
 کے مسئلے اسکو ایسے بھائے تھے کہ انپر اپنا تعجب ظاہر کرتا تھا چنانچہ اس نے
 اپنے دو رفیقوں بھائیوں یاہتجوں اور مرزا ذوالکرمین (ذوالقرنین) کو جسکا
 ختنہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محل سراہی میں پرورش پائی تھی عیسائی
 ہو جانے کی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہ کیا تھا کہ اسکے ماں باپ عیسائی تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۵۔ بھٹا گھائی کے گئے چھوڑ دئے جاتے اور لوگ نہایت بیرحمانہ شوق کے
 ساتھ ان کے علموں اور بچاؤ کے طریقوں پر غور کرتے اور بیدار آدمی ان غریب حیوانات کے چہنچہ اور
 شور وغل پچانے پر ترس کھانے کی جگہ نہایت خوش ہوتے اور اگر کسی اتفاق سے کوئی
 جانور پر غالب آجاتا اور سب کا خاتمہ کر دیتا تو چاروں طرف سے انعام کے طور پر یہ صدا
 بلند ہوتی کہ اس بہادر کو چھوڑ دو تاکہ اپنے وطن میں آرام سے رہے! یہ لوگ
 ایسی برکت کا فائدہ کرتے تھے بلکہ ان جانوروں سے انسان لڑائے جاتے تھے جو کوئی زور
 پہننے اور کوئی شکاری وضع میں ہوتا تھا اور بعض صرت خالی ہاتھ ہی اپنی بھرنی اور چالاک
 سے حرین پر غائب آتے تھے۔ لیکن اس پر ہی اس وحشت کا خاتمہ نہ تھا بلکہ اہل روم
 انسان کو مرتادیکھنا چاہتے تھے اور اس غرض سے گھنگار لوگ اور بچارے عیسائی
 مذہب کے آدمی ان درندوں کا شکار کر لے جاتے تھے۔ اسکے بعد لاشیں اٹھوا دی
 جاتی تھیں اور تمام ارنیا میں وہ جواہرات اور سفید پتھر کا جو راجہ کا ذکر کیا جا چکا ہے
 خون کی بدبو رفع کرنے کے لئے بچھا دیا جاتا تھا۔ اور سب سے عمدہ شے کی ذہبت آتی تھی۔
 یعنی گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جنہیں سے کسی کے پاس تلوار اور کسی کے
 ہاتھ میں نیزہ اور کوئی ہلکی اور کوئی بہاری زورہ۔ بنے ہوئے۔ کوئی گاڑی میں کوئی پیدل
 کوئی گھوڑے پر سوار آتا تھا۔ اور ارنیا میں داخل ہو کر سب کے سب ہم آواز شہنشاہ
 کو یوں سلام کرتے تھے ہم جہاں تھیں وہاں لے جھکو سلام کرتے ہیں! ان پیشہ وروں میں

دیکھو نیکہ اسکی ماں جو ایک دولت مند آدمی کی بیوی تھی جب انگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہو گئی تھی اور یہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جہانگیر کے عیسائی ہو جا بیٹکا قصد اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ اُس نے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا لیر اندازہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہ لباس پہن کر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا اور اُسکی اس باب میں رائے دریافت کی مگر اُس نے ایسا اندیشہ ناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ذکر یہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قسمہ کو ہنسی کے پیرایہ میں اڑا دیا۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶۔ بعض عام لوگ بھی اپنی خوشی سے شامل ہو کر کچھ روپیہ لیکر لڑتے تھے جنہیں سے کبھی کوئی بچ ہی جاتا تھا مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا کیونکہ دوسری مغلوبہ پر رحم کرنا نہ جانتے تھے یہ لوگ کبھی ایک ایک کہیں اکٹھے ہو کر لڑتے اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھ کر کہتا ”اسکے کاری زخم لگا“ اور اسکے مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا چنانچہ تماشائی اپنا اٹکوٹھا اگر اوپر کو اٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور اگر نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا۔ اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن زخم خیر کے لئے پیش کرتے میں تامل کرتا تو معن طعن کا شور بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے کہ ”لوہا حاصل کرو“ یعنی لوہے کے ہتھیار کے سامنے جاؤ۔ اور مقدس کنواریاں اور رحم دل بائیں اور سیٹھ کے دامامبر اسکو ایک کھیل سمجھتے تھے اور کسی کو بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ یہ کیا حرکت کیجاتی ہو مگر سنہ ۱۵۷۱ء میں عیسائی مذہب کے ایک درویش کی برکت سے یہ وحشیانہ اور بڑے کھیل ہو قوف ہوئے۔ اگرچہ اس بیچارہ کی جان اسیں گئی یعنی وہ عین تماشہ کے وقت آرتیا میں آگسا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بلا کہ ”اس طرح خوش بہانے سے باز آؤ اور جس خدا نے تمکو ہمارے دشمنوں پر غالب کیا ہے اسکی رحم کا عوض کشت و خون تماشوں کے مطلق دینے سے مست کرو“ جسے چاروں طرف سے غل ہوا کہ یہ وحفل کی جگہ نہیں بڑھے پیچھے ہٹ جاؤ گلیڈی ایٹروں نے دھکے دیکر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ مگر وہاں اور با استقلال شخص پھر ان کے پیچ میں آگیا اور لڑنے سے روکنے لگا جس پر

انتقال کی وقت عیسائی ہو کر مر جانا چاہا تھا اور ہکو بلانیکا حکم دیا تھا مگر لوگوں نے یہ پیغام ہم تک مطلق نہ پہنچایا ! لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا وہ زندگی میں کسی مذہب و ملت کا پابند نہ تھا ویسا ہی اخیر وقت میں بھی نہ تھا اور باپ کی طرح اُسکا بھی ارادہ تھا کہ اپنے کو پیغمبر بنا کر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ مینے ایک مسلمان شخص کی زبانی حبس کا باپ جب انگلیہ کا ملازم اور اُسکے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا سنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کمی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس کو جسکی تندخوی کی وجہ سے جہانگیر نے اُسکا نام ”پادری آتش“ رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اُس نے اگر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دین اسلام کے بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ مسلمان عالموں اور جیسیویٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اُسکے تصفیہ کے لئے یہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گروہ اکوڑ کر اسمین آگ جلائی جائے اور پادری اپنی انجیل اور ایک ملا اپنا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۷ - ”بغاوت و بغاوت“ کا شور مچا اور حاکم نے ہی اپنی آواز اسمیں شامل کی اور کلیدی ایڈون نے اُس بیچارے کو ٹکڑے کر ڈالا اور چاروں طرف سے اینٹ پتھر اور جو کچھ ملا لوگوں نے اس مظلوم پر برسایا۔ لیکن اس عجیب واقعہ کے بعد لوگوں کو یہ خیال آیا کہ یہ کیا حرکت کی گئی اور سب کے دل بدل گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ فی الحقیقت بڑی ہیر جی اور گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اُس روز کے بعد یہ تماشا بھی کبھی نہ ہوا۔
(ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا و کتاب گولڈن ڈیس) اس مہ

قرآن بغل میں لیکر اُسیں کو دپڑیں دونوں میں سے جو بیچ جائیگا میں
اُسکا مذہب قبول کر لوں گا۔ چنانچہ پادری آتش نے تو اس امتحان کو قبول
کر لیا لیکن ملا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کر کے اس آزمائش
سے باز آیا۔ ! یہ قصہ جھوٹ ہو یا سچ مگر اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار
میں جیسیٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی اور اس وجہ سے اُن کو
دین عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی امید تھی مگر اس زمانہ کے
بعد باستثنا اُس ربط و ضبط کے جو داراشکوہ اور فادر ہوزی کے باہم تھا
اس قسم کی امید کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

اب چونکہ اس جگہ بغیر قصد کے مشنری لوگوں کا ذکر آگیا ہے تو میں
اجازت چاہتا ہوں کہ ایک بڑے خط کے لکھنے سے پہلے جو آپ کو لکھنے کو
ارادہ ہے اس اہم معاملہ میں مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیاں کر دوں میری
دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے اور اس کام کے لئے جو یہ
ایسے بعید ملک میں آئے ہیں بیشک تعریف کے لایق ہیں خصوصاً
کیپوشین اور جیسیٹ فرقوں کے لوگ جو اپنے عقاید مذہبی کو ہر قسم
کے لوگوں پر نہایت عزت سے ظاہر کرتے ہیں اور بے تمیزی اور
تعصب کو دخل نہیں دیتے اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے
خواہ وہ کاتھولک فرقہ کا ہو یا یونان یا ارمنیا کے چرچ کا مقلد ہو۔ اور
(۱) Father Buzee (۲) Catholic (۳) Nestorian (۴) Jacobite
نسٹورین ہو یا جیسیٹ کو بٹ محبت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں۔ اور بر ویسی

اور مغلوک الحال عیسائیوں کی جاسے پناہ اور باعث تسلی ہیں۔ اور اپنے علم و فضل اور قابل تقلید نیک اوقاتی سے غیر مذہب کے بے ایمان اور عیاش لوگوں کے لئے شرم کا باعث ہیں مگر بد قسمتی سے بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں جنکا بجائے مشن کے مقدس کام کے اپنے اپنے کان و سنتوں (خالفاتوں) ہی میں بند رہنا خوب ہے کیونکہ انکا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے اور بجائے اسکے کہ لوگوں کو ان سے ہدایت ہو اُنکے لٹے انگلی گراہی کا باعث ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مدعا کے لئے مضر ہیں اور اس کام کے لئے اگر ایسے لوگ تجویز ہو اکریں جو علم و عمل میں ممتاز ہوں تو میں بالکل پسند کرتا ہوں اور میرے نزدیک یہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لئے باعث فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و تلقین کے لئے ایسے لوگ بہم پہنچائیں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں مگر کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس معاملہ کے شوق میں اسقدر محو ہو گیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جب قدر حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم مترتب ہوتا تھا اتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث اُنکے دلوں کی تاریکی سے مجھے اسقدر اتنیست ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ دیاتین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان بادشاہوں

اور اُن کی مسلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیل مذہب کی امید نہیں
 اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں
 جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اسلئے میں اپنے تجربہ کی رو سے کہہ سکتا ہوں
 کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں
 کہ دُش برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان
 انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم
 کے نہیں کرتے اور بلا لفظ ”حضرت“ ”ص“ ”عیسیٰ“ کہہ نہیں سکتے
 اور ہماری طرح اسکا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری مال کے
 پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ وہ ”کلمۃ اللہ“ اور ”روح اللہ“ تھے
 لیکن یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جس میں پیدا ہوئے ہیں چھوڑ
 دین اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں مگر باوجود ان سب باتوں
 کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک
 طرح سے مدد کریں اور اُن کی دعا اور ان کی طاقت اور دولت اپنے
 نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال کے پڑھانے میں صرف
 ہونی چاہیے مگر اس خرچ کا متحمل اہل یورپ ہی کو ہونا چاہیے۔ کیونکہ مشنری
 لوگوں پر اسکا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط ادنیٰ
 چاہیے کہ یہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کے کر بیٹھنے پر
 مجبور نہ ہوں اور صرف انکی فلوغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی
 جماعت ہونی چاہیے جو مستعد اور ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثباتِ حق

کے لئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہان
 کہیں موقع پائے اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق
 سے محنت کرنے کی خواہشمند ہو اگرچہ یہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب
 ہے مگر کسی طرح کی لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے
 کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے۔ کیونکہ (معاذ اللہ) محمد کے
 مذہب باطل نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جن نفسانی خواہشوں کو ہمارا
 مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا باندھتا ہے یہ اپنے مقلدوں کو انکی بلا قید
 اجازت دیتا ہے اپنے پیروؤں کے دل چسپ مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے
 ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے یہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام کا
 مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قائم ہوا ہے اور اب تک دنیا میں اسی وحشیانہ
 ظلم و ستم سے قائم ہے۔ اور اسکی زہر آلود اور برباد کن ترقی کے روکنے
 کے لئے عیسائیوں کو وہ جوش اور ذریعے عمل میں لانے چاہئیں جو مینے
 بیان کئے ہیں اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دہوکے اور فترا (اسلام)
 کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اسکی توجہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ
 ان باتوں کو معلوم کر کے کسی قدر تسلی اور امید ہوتی ہے جو بچھلے دنوں
 چین اور جاپان میں وقوع میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں!
 مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی کے لئے ایک اور پُر افسوس سدا راہ
 سے مقابلہ کی ضرورت ہے اور وہ خود عیسائیوں کا وہ خلاف ادب طریقہ ہے
 جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدا تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطور خاص

موجود ہے اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں بجلان مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہم گفتگو کرنا تو کیسا ستر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب ان کے دل پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

پنج لوگوں کی تجارت کا ذکر اگر گھر میں ڈچ لوگوں کی جوڑ کے غلہ کی ایک تجارتی ٹھہری بھی ہے جس میں ان کے چایا یا بیخ آدمی رہتے ہیں یہ پہلے بانات اور چھوٹے بڑے آئینوں اور سادہ اور سنہری اور روپیلی لیس اور آہنی چیزوں اور نیل کی تجارت کرتے تھے جو اگرہ کے قرب و جوار میں بکثرت پیدا ہوتا ہے خصوصاً بیانہ میں جو اگرہ سے دو منزل ہے اور جہاں ابکی ایک اور کوٹھی ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ وہاں جایا کرتے ہیں۔ اور اب نہ صرف بدلا پور بلکہ لکھنؤ سے ہی جو اگرہ سے سات یا آٹھ منزل ہے اور وہاں ہی ان کی ایک کوٹھی ہے اور سب موسموں میں ان کے گماشتے وہاں جاتے ہیں بہت سا کپڑا خریدتے رہتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکو اب زمانہ سابق کا سا فائدہ نہیں رہتا اور غالباً اسکے دو سبب ہیں ایک یہ کہ ان کے مقابلہ میں امرتی لوگوں کی تجارت بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگرہ سورت سے رجوان کا اصل قیام گاہ ہے، بہت دور ہے اسکے علاوہ ان کے کاروانوں کو جو خراب راہ اور پہاڑوں سے بچنے کے لئے جو راستہ میں پڑتے ہیں گوا لیار اور برہانپور کی سیدھی سڑک چھوڑ کر احمد آباد کے راستہ مختلف راجاؤں کی عمارتوں سے ہو کر آتے ہیں اکثر اوقات حادثوں کا سامنا ہوتا ہے لیکن باوجود ان دقتوں کے میری دانست میں انگریزوں کی طرح اگرہ سے یہ اپنی کوٹھی کبھی

نہیں اٹھائینگے کیونکہ انکو آب بھی گرم مصاحوں کی قسم کی جنسوں میں بہت منفعت رہتی ہے اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کے اعتباری آدمی دربار شاہی کے قرب میں رہتے ہیں اور اگر بنگالہ - چٹنہ - سورت - یا احمد آباد میں جہاں انکی کوٹھیاں ہیں صوبہ دار یا کوئی اور عمدہ دار کی طرح کا عظم نامہ اضافی ان کے ساتھ کرتا ہے تو فوراً انکی شکایت دربار میں کر سکتے ہیں۔

مقبورہ معروف تاج گنج کا ذکر اب میں اپنے اس خط کو دو عجیب و غریب مقبروں کے ذکر پر جنکی وجہ سے اگر وہ کو دہلی پر فوقیت حاصل ہے ختم کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک مقبرہ تو اکبر کا ہے جسکو اُسکے بیٹے جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا شاہ جہاں کی بیگم تاج محل کا جو حسن و جمال میں لانا فی تہی اور بادشاہ اسپر ایسا فریفتہ تھا کہ کبھی اُسکو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا یہاں تک کہ اُسکی وفات کی وقت شدت غم سے قریب تھا کہ اُسکے ساتھ خود بھی چل بے! میں اکبر کے مقبرہ کا زیادہ ذکر کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اُسیں جو خوبیاں ہیں وہ تاج محل کے مقبرہ میں جسکامیں ابھی ذکر کرنے والا ہوں کامل طور پر موجود ہیں۔ اگر وہ سے نکھر مشرق کی طرف آپ اگر جائیں تو ایک لمبا چوڑا راستہ دیکھیں گے جسپر فرش لگا ہوا ہے اور تھوڑا تھوڑا بلند ہوتا گیا ہے۔ جسکے ایک طرف تو ایک چوکور باغ کے ایک ضلع کی جو وسعت میں چارے پلیس رائل سے بہت زیادہ ہے ایک لمبی اور اونچی دیوار ہے اور دوسری جانب تعمیر مکانات کی ایک قطار بنتی چلی گئی ہے جو ان محراب دار برائڈوں سے مشابہ میں جو دہلی کے تڑے بازاروں کی دوکانوں کے آکے بنے ہوئے ہیں اور جنکامیں پہلے ذکر

کر چکا ہوں اور جب آپ اس دیوار کے نصف میں پہنچے گے تو دائیں کو یعنی
 ان مکانات کی جانب آپ کو ایک بڑا دروازہ ملیگا جو اچھا خاصہ بنا ہوا ہے اور
 جو ایک کاروانسرا کا دروازہ ہے۔ اور اسکے مقابل یعنی دیوار کی طرف باغ کے
 دروازہ کی مربع اور وسیع عمارت ہے جس میں سے ہو کر باغ میں جاتے ہیں
 اور جس کے دونوں طرف پتھر کے دو بڑے حوض بنے ہوئے ہیں۔ یہ مستطیل
 شکل کی عمارت ہو اور ایک ایسے پتھر سے بنی ہوئی ہے جو سبز سنگ مرمر
 کے مشابہ ہے لیکن دیباست نہیں ہے۔ اس عمارت کا پیش سینٹ ٹیس
 کی عمارت کے پیش کی نسبت جو سینٹ اینٹونی کے کوچ میں ہے۔ میری
 دانست میں زیادہ لمبا اور اپنی وضع میں زیادہ عالیشان ہے مگر بلند ہی میں
 ہے اسکے ستون اور مرغول اور کرسیاں اگرچہ فی الواقع اُن اوضاع خمسہ عمارت
 کے مطابق نہیں ہیں جو ہمارے فرانس کی عمارتوں میں احتیاط کے ساتھ ملحوظ
 رکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ عمارت ایک خاص اور زلی ہی وضع کی ہے لیکن تاہم
 دلچسپی سے خالی نہیں اور میری رائے میں یہ بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فن
 عمارت کی کتابوں میں جگہ پائے اگرچہ قریباً یہ تمام عمارت صد
 قسم کے مختلف الوضع والا نون اور محرابوں اور غلام گرد و شونپر مشتمل
 ہے جو نیچے اور بنی ہوئی ہیں۔ مگر باوجود اسکے بہت عظیم الشان ہے اور
 اس کا نقشہ اور تعمیر دونوں بہت دلچسپ ہیں۔ اور کوئی جگہ ہمیں ایسی

لاہور میں ایسے چھ پتھر کو مرمر دابل بولتے ہیں اور تعمیر اعتبار رنگ کر لیتے ہیں جیسے مرمر سفید

مرمر سیاہ اور مرمر سبز جو ہم مرمر اور سنگ موسیٰ وغیرہ بولتے ہیں۔ س م ج۔

نہیں جو بد نما ہو بلکہ ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں۔ چنانچہ سب سے اخیر دفعہ جو میں اسکو جا کر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیس سوداگر بھی تھا۔ اور میری طرح اسکی بھی یہی رائے تھی کہ یہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جسکی کامل طور پر تعریف نہیں ہو سکتی مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہتے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ دار و تھا جب اُس نے یہ کہا کہ تمام فرنگستان میں ایسا حیرت افزا اور عظیم و شان کا مکان میں نے کوئی نہیں دیکھا تو میری نہایت تسلی ہوئی۔

دروازہ کی عمارت میں اگر آپ داخل ہوں تو اپنے کو ایک بہت اونچے گنبد کے نیچے پائینگے جسکے سب طرف غلام گردش اور نیچے دونوں جانب دو دالان ہیں جو آٹھ یا دس فرانسیسی فٹ اونچے ہیں اور جیسی محراب میں سے آپ داخل ہوں گے دیسی ہی دوسری جانب پائیں گے جس میں سے گزر کر ایک ایسی روش پر پہنچتے ہیں جو آخر تک تمام باغ کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتی چلی گئی ہے۔ یہ روش دو آٹھ فرانسیسی فٹ کے قریب اونچی ہے اسقدر چمکی ہے کہ چھ گاڑیاں برابر برابر چل سکتی ہیں اور سرے سے لیکر اخیر تک بڑی بڑی چوکور سخت پتھروں کی سلون کا فرش لگا ہوا ہے اور چونچہ نہ بنی ہوئی ہے جسکی روکار کے پتھر تمام گھڑے ہوئے اور زیبائش کے لئے ٹھوڑے ٹھوڑے فاصلہ پر فوارے لگے ہوئے ہیں اور کوئی بیس یا پچیس قدم چل کر اور پشت کی طرف مو نہ پہنچ کر اس

دروازہ کی عمارت کو دیکھنا غالی از کیفیت نہیں۔ کیونکہ دروازہ کی عمارت
 کی یہ طرف بھی اگر چہ باہر کی جانب کی سی نہیں لیکن نہایت ہی بلند اور
 اُسی وضع کی ہے اور دروازہ کی عمارت کے دونوں جانب باغ کی دیوار
 کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی کرسی دیکر لمبی اور چوڑی غلام گردشین بنتی
 چلی گئی ہیں جنکے محرابی دروازے چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہیں اور
 برسات کے موسم میں غزبا اور مساکین خیرات کے لینے کو جو ہمیشہ کے لئے
 شاہجہان کی مقرر کی ہوئی ہے ہفتہ میں تین بار ان میں اگر جمع ہوتے ہیں۔ اب
 آپ پھر اُسی بڑی روش پر آئیں یہاں سے آپکو ٹھیک سامنے وہ بڑا گنبد نظر آئے گا
 جس میں بیگم کی قبر ہے اور جسکے دائیں بائیں چبوترے سے ذرا نیچے باغ
 کی روشیں درختوں سے ڈھکی ہوئی اور چمن پھولوں سے بھرے ہوئے
 ہیں۔ اس گنبد کے دونوں جانب سنگ سرخ سے دیسی ہی دو بڑی عمارتیں
 بنی ہوئی ہیں جیسی دروازہ کی عمارت ہے اور یہ دونوں پشت کی طرف
 باغ کی دیوار سے ملی ہوئی ہیں اور ان میں جانے کے لئے تین تین محراب دار
 دروازے ہیں۔ ان کے بعض حصے بالا خانوں کی طرح ایک دوسرے
 پر واقع ہیں جنہیں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ گویا بڑی بڑی اونچی غلام گردشین ہیں
 ان عمارتوں کے اندر کے فرش اور چھت اور دیواروں میں آرائشی کام
 بنے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ قریباً ویسے ہی ہیں جیسے کہ خود مقبرہ کے
 اندر کے زیبائشی کام ہیں اسلئے میں انکا بیان کرنا غیر ضروری جانتا ہوں
 اس بڑی روش اور روضہ کے مابین ایک اچھا وسیع صحن ہے جسکو میں

تشبیہاً ”واٹر پارٹیٹر“ کہتا ہوں کیونکہ پتھر جو اُس کے فرش میں لگے ہوئے ہیں وہ تراش کر اور طرح طرح کی شکلوں کے بنا کر اس طرح سے لگائے گئے ہیں گویا پانی سے بھری ہوئی کپڑیوں کے گرد ”باگس“ لگا ہوا ہے یہ عمارت سفید سنگ مرمر کا ایک بڑا گنبد ہے اور قریباً سیدھا اور پچاس جسطہ کہ والدی گریس ہے اور اس کے گرد اگر سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں جو علی الترتیب نیچے اور اوپر بنتی چلی گئی ہیں۔ یہ کل عمارت چار بڑی محرابوں پر قائم ہے جنہیں سے تین بالکل کھلی ہیں اور چوتھی ایک مکان کی دیوار سے جسمیں ایک غلام گردش نبی ہوئی ہے بند کر دی گئی ہے جسمیں کئی ”ملا“ تاج محل کو ثواب پہنچانے کی خاطر ظاہر اولیٰ ارادت کے ساتھ بیٹھے ہوئے قرآن پڑھا کرتے ہیں جو اسی غرض سے یہاں مقرر ہیں ان میں سے ہر ایک محراب اس طرح پر سجائی گئی ہے کہ سفید سنگ مرمر میں سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے بڑے بڑے عربی حروف بنا کر جائے ہوئے ہیں جو نہایت خوشنما ہیں اور گنبد کا کاسہ اور اوپر سے نیچے تک تمام دیواروں کی روکار سنگ مرمر کی ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جو صنعت اور ہنرمندی سے خالی اور ایک خاص اور ذاتی حسن نہ رکھتی ہو اور مقبرہ کی تمام دیوار

۱۵ پارٹیٹر کے لغوی معنی ہوا اور سطح زمین کے ہیں مگر اصلاح میں اُس قسم کی جن بندی کو کہتے ہیں جو طرح طرح کی چھوٹی چھوٹی کیدیاں بنا کر امتیاز کے لئے اُن کے اوپر اوپر سبز کھاس وغیرہ جمادی جاتی ہے جسکو عوض فرنگستان میں باکس جو ڈوڈینیا کی طرح کی ایک بونی ہے لگاتے اور اسکو تراش کر کپڑیوں کے ارد گرد مختلف شکل کے حاشیے اور جدولیں بناتے ہیں۔ س م ح۔

۱۶ نمبر پیرس کے ایک گرجا کا نام ہے۔ س م ح۔

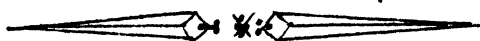
کی روکار میں جو سنگ مرمر کی ہے زیر جد اور شپ اور عقین اور اُور قسم کے بیش قیمت اور کیا ب پتھروں اور اُس قسم کے پتھروں سے جیسے کہ فلارنس میں گرانڈ ڈیوک کے گرجا میں ہیں بٹھار وضع کی اور ہنایت خوبصورت اور پُر نزاکت پچی کاری جس سے بڑھکر انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی کی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ فرش میں بھی جو سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی جو کورسلوں کا ہے یہ پتھر چڑے ہوئے ہیں۔ اور گنبد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ چوبین تاج محل کی قبر ہے جو سال بھر میں صرف ایک بار بے تکلفات سے کھولا جاتا ہے اور چونکہ اسکے تقدس کی وجہ سے کوئی عیسائی شخص اندر جانے نہیں پاتا اسلئے میں ہی دیکھ نہیں سکا لیکن سنا ہے کہ اوسکی درپہ درپہ اور آرائش و پیرائش بہت ہی اعلیٰ قسم کی ہے! اب آپ کے حسن اس چبوترہ کا ذکر کرنا باقی ہے جو گنبد سے لیکر باغ کی حد تک بنا ہوا ہے جو کوئی پچیس قدم چڑھا اور اس سے کسی قدر زیادہ اونچا ہے۔ اس چبوترہ پر سے دریائے جمنا نیچے بہتا ہوا اور بیشمار سرسبز باغ جو دور تک لگتے چلے گئے ہیں۔ اور شہر اگرہ کا ایک حصہ اور قلعہ اور آرمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارہ پر بنے ہوئے ہیں تمام نظر آتے ہیں۔ اور جبکہ یہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اسکا تصفیہ میں آپ ہی پہنچو تاہوں کہ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟ یہ ممکن ہے کہ میری طبیعت نے ہندوستانی مذاق پیدا کر لیا ہو۔ لیکن میں یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہ مکان اہرام مصر کی بنسبت جو ان گھڑ پتھروں کے ڈھیر ہیں اور مکرر دیکھنے پر ہی

مجھے کچھ پسند نہیں آئے اور جو باہر کی طرف سے بجز اسکے کہ زمین کی طرح نیچے
اوپر رکھ کر پتھروں کا ڈھیر لگا دیا ہے کچھ نہیں ہیں اور جنکے اندر بھی کوئی ایسی
بات نہیں جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو دنیا کے
عجاibat میں شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے۔

۱۵۔ یہ بے نظیر و عجیب و غریب عمارت شاہجہاں کے پانچویں سال جلوس کے ابتدا میں بنی شروع
ہوئی تھی اور سو لوہوں سال جلوس مطابق سن ایک ہزار بادل (ہجری میں سن کے ختم ہوئی بادشاہ شاہجہاں
لکھا ہے کہ پچاس لاکھ روپیہ اس پر خرچ ہوا۔ اس کی مرمت اور خدام کی تنخواہ اور یکم کے
ختم فاتحہ کے خرچ کے لئے ایک لاکھ روپیہ سال کی آمدنی کے دیہات اور دو لاکھ روپیہ
سال کی آمدنی کی دوکانیں اور سرائیں جو اسکے آس پاس بنائی گئی تھیں اور جن سے مل جلکر
یہ ایک اچھا شہر بن گیا تھا اور جیسا نام ممتاز محل کے نام پر ممتاز آباد رکھا گیا تھا بادشاہ نے
وقف کر دی تھیں۔ س م ح فقط (جلد دوم تمام ہوئی)

اطلاع اس خط کا سنہ اور تاریخ چاروں خطوں سے پہلے کا ہے اس کو پیچھے لگا ہوا دیکھ کر
یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مصنف نے فی الحقیقت یہ خط بعد میں لکھا تھا اور تاریخ اور سن غلط چسپ
کیا ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ خط انگریزی میں جلد اول کے ساتھ ہے اور فی الحقیقت
دوسری جلد کے خطوط سے پہلے لکھا گیا تھا مگر چونکہ سب خطوط ایک جگہ جمع کر دینے اچھے
معلوم ہوئے اور خطوط کے مضامین بھی ایک دوسرے متعلق ہیں اسلئے اس خط کو
دوسری جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ۱۲

تباخیر



تقریظ

ریختہ کلاک فصاحت نگار جناب والا خطاب زیر اللہ ولہ مدبر الملک

خليفة محسن سيد خان بھادرو

وزیر اعظم ریاست پٹیالہ دام اجلالہ



انسان جب مرجاتا ہے تو زندہ نہیں کہلاتا! مگر اہل تصنیف کی زندگی عجیب زندگی اور انکی موت عجیب موت ہے کہ مرنے پر بھی زندہ کہلاتے اور زندون کی طرح بولتے چلتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں! چنانچہ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر فرانسس ٹیچر ہی کو دیکھو کہ باوجودیکہ دوسو برس کے قریب مرے ہوئے مگر زندہ ہے! دنیا سے گئے گو ایک زمانہ گزرا مگر موجود ہے! زبان کو بند ہوئے عرصہ ہوا مگر بولتا ہے! اسکا کاغذی لباس پہنے ملکوں ملکوں سیر کرتے پھرنا اور اہل علم کی خلوت کی صحبتوں میں بیٹھنا اور چپ چاپ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرنا اور کبھی اپنی اصل فرانسیسی اور کبھی انگریزی اور کبھی ہندوستانی بولی بولنا! اور بولناہیں قلم کی زبان سے جسمیں یہ خوبی ہے کہ آواز نہیں اور سنائی ہر کسی کو دیتا ہے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ

اُس نے اُس چشمہ کا پانی پیا ہے کہ جس کی خوش قسمتی سے اُس کا ایک قطرہ بھی نصیب ہو گیا ہے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا۔ یہ وہ چشمہ نہیں جس کو لوگ آبِ حیات کا چشمہ کہتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کا پانی پی لینے سے انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو صرف ایک خیالی چشمہ ہے نہ اُس کو کبھی کسی نے دیکھا اور نہ اُس کا پانی پیا۔ مگر جس چشمہ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ حقیقی اور سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور اُس کا آبِ حیات سے زیادہ زندگی بخش پانی ہر خوش قسمت شخص کو میسر آسکتا ہے ایچ چشمہ و وات ہے۔ اور اس کا زندگی بخش پانی اس کی روشنائی ہے۔ جو اہل تصنیف ہمیشہ قلم کے پرچے کے ذریعے سے اس میں سے نکالتے اور آبِ حیات کی طرح خود پیتے اور لوگوں کو پلاتے ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ جنہوں نے اس چشمہ کا پانی پیا ہے اور مبارک ہے اُن کی زندگی جو دنیا کی زندگی کے برخلاف بے غل و غش اور بے کلفت زندگی ہے مگر فاضل ڈاکٹر کو خوش نصیبی سے عمر بڑھانے کا ایک اور نسخہ بھی وہ مجرب اور تیرہ ہدف ہاتھ آیا ہے۔ اور یہ اُس کو استعمال بھی اس خوبی سے کرتا ہے کہ خطا کر ہی نہیں سکتا یعنی جب دیکھتا ہے کہ پہلا قالب کی مقدار دیرینہ اور بوسیدہ ہو چلا ہے تو کسی نہ کسی ڈھب سے اُس کو بدل ڈالتا اور نیا اختیار کر لیتا ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کو جواب تک صرف ایک بات ہی بات تھی اور انسان کا مرد و عورت کا قالب میں جلا جانا دیکھا کسی نے ہی نہ تھا اپنے عمل سے ثابت کر دیتا ہے۔ چنانچہ پہلے پہل مسٹر اروننگ براک

صاحب کی اعانت اپنی ہمسایہ قوم انگریز کا قالب اختیار کیا اور اس عقلمند قوم کو لوگوں نے
 سوخ اور جہانزیدہ جانکر قد رشناسی کی راہ سے اسکو اپنے سرور انگریز بٹھایا اور اسکی مفید اور
 تجربہ آمیز باتوں اور دھپ اور عبرت خیز حکایتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی اور اب
 ہمارے نہایت صاحب علم و فضل و جامع الکملات و دست جناب کرنل نہری مور
 صاحب بہادر سی بی و سی آئی آئی ترجمان جناب کمانڈر انچیف بہادر ہندوستان
 اور میرے چھوٹے بھائی شہیر الدولہ ممتاز الملک خلیفہ سید محمد حسین صاحب
 سیرنشی ریاست ہٹیالہ کی امداد سے ہندوستانی روپ بدل لیا اور مقور سے ہی
 عرصہ میں وہ اڑوہ بولنا سیکھ لیا کہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پیرس کا رہنے والا ہے
 یا دلی کا! پس میرے عزیز ہوطنوں تنکو بھی لازم ہے کہ انگریزوں کی طرح تم ہی اس
 دانا اور تجربہ کار حکیم کی جس نے تمہاری خاطر تمہارا ہی روپ بدل لیا ہے اور
 تمہاری ہی بولی سیکھ لی ہے جان و دل سے خاطر و مارات کرو اور اپنے
 ملک کے اگلے بادشاہوں اور راجاؤں اور امیرون اور ہر ایک درجہ کے لوگوں
 کی باتیں جو اسکی آنکھوں دیکھی ہوئی ہیں اس کی زبان سے سنو! یہ تنکو بلار و رعایت
 سچ بچ بتائیگا کہ اب سے دو سو برس پہلے تمہارے ملک کی کیا حالت تھی
 سلطنت اور حکومت کا کیا طریقہ تھا! زراعت اور تجارت اور صناعت کا کیا
 حال تھا! ملک کی دولت مندی کی کیا کیفیت تھی! راستے پر امن تھے یا
 خطرناک اور سفر کے ذریعے کیا اور کیسے تھے! سلطنت یا خود رعایا کی طرف سے
 تعلیم عام کا کچھ انتظام تھا یا نہیں! عدالت اور انصاف کی کیا صورت تھی!
 اور اسکے لئے کچھ قوانین بلور قاعدے مقرر تھے یا نہ تھے! اور انکی تعمیل

کیسی ہوتی تھی! آزادی رائے جس میں مذہب کی آزادی بھی آگئی وہ کیا کو
 حاصل تھی یا نہیں! اور لوگوں کی طرز معاشرت اور اخلاق و عادات کا
 کیا حال تھا! ملک کی آمدنی ملک ہی کے کاموں میں خرچ ہوتی تھی یا
 بادشاہ کے ذاتی اور عیش و آرام کے کاموں میں! فوج کی کیا حالت تھی
 اور اس کا نظم و نسق کیسا اور کس ڈھنگ پر تھا! اور صف آرائی اور جنگ آزمائی
 کے کیا طریقے تھے۔ بادشاہ دربار کا سطح کرتا تھا! اور اس کی شان اور جلوس
 کیسا اور کس طور کا تھا! اور یہ باتیں تم کو پھر ایسی تشریح اور تفصیل سے سنائیگا
 کہ گویا ان کا موقع تمہارے سامنے کر دیگا جس سے تم اس وقت اور اس وقت کی حالت
 کا بخوبی موازنہ کر سکو گے۔ اور سمجھ سکو گے کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جسکی
 تادمہ تعریفوں اور خوبیوں کو سن کر غافل باتم اپنے دل میں خیال کرتے ہو گے
 کہ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے نہایت ہی عمدہ اور خیر و
 برکت کا زمانہ تھا تمہارے ملک اور ملک والوں کی کیا حالت تھی۔ اور
 اب کوئین و کٹوریہ بادشاہ انگلستان اور قیصر جرمنی کے مبارک عہد میں
 جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا حالت اور صورت ہے۔ والسلام

السید محمد حسن عفی عنہ

۲۵- نومبر ۱۸۸۵ء



قطعه تاریخ اختتام ترجمہ از نتائج طبع جناب علی فقیر محمد صاحب متین
برادر خرد جناب وزیر صاحب درویشی صاحب زید مجد ہم

ز انگریزی این ترجمہ چون بار دو	بگردید و تاریخ ختم شدن بحکم
خزواے متین یافت سال سیحی	سفر نامہ میر میر شمس الدین صاحب ترجمہ

قطعه تاریخ از تصنیف منشی محمد حسین صاحب خوشنویس اویادی التخلص عن

یہ عمدہ ترجمہ جب چھپکر ہوا مکمل	جو حاشیوں سے ابھی سمیٹل نہ گیا ہے
باقی پکارا را عنایوں از روئے بشارت	لکھ اسکا سال ہجری کیا خوب ترجمہ ہے



۱۰	تفسیر القرآن جلد چہارم اس جلد میں سورۃ انفال - سورۃ توبہ - اور سورۃ نساء کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹاپ کاغذ زرد سادہ ..
۱۰	تفسیر القرآن جلد پنجم اس جلد میں سورۃ ہود - سورۃ یوسف - سورۃ عد سورۃ الزمر سورۃ حجر - اور سورۃ نحل کی تفسیر ہے مطبوعہ ٹاپ جلد مطلقا
۱۰	تفسیر القرآن جلد ششم اس جلد میں سورۃ نبی اسرائیل کی تفسیر ہے - مطبوعہ ٹاپ کاغذ سفید جلد طلائی
۱۰	ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً زرد .. سادہ
۱۰	خطبات احمدیہ - مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم - کاغذ عمدہ - جلد پختہ ..
۱۰	ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً جلد خام -
۱۲	النظر - مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم - اس میں آئمہ رسالے شامل ہیں جن میں امام غزالی کے بعض مضامین پر تحقیق بحث کی گئی ہے -
۱۰	الابطال غلامی - مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم - اس میں نہایت تحقیق اور اجتہاد سے اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اسلام نے غلامی کو باطل ٹھہرایا ہے
۱۴	آیات المؤمنین کا جواب یہ سیر کا آخری مضمون ہے جو وفات سے چند دن قبل لکنا شروع کیا
۱۲	آیات الہدٰی کا مکملہ ترجمہ اردو کتاب حجۃ الہدٰی کا مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب حدیث
۱۰	اعجاز التفسیر - مصنفہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم - وزیر اعظم پاکستان
۱۰	دعوت اسلام - ترجمہ بریجنگ آف - لام مصنفہ ڈی ویلیو آرٹس
۱۰	رسائل شبلی - شمس العلما مولوی شبلی نعمانی کے گیارہ مختلف مضامین کا مجموعہ

نام کتاب

آفت

الفاروق ہر دو حصہ - یعنی حضرت عمر فاروقؓ کی مکمل سوانح عمری مرتبہ شمس العلماء

مولوی شبلی " " " "

المؤمن من الجزية۔ یعنی المؤمن الرشید کی زندگی کے واقعات۔۔۔ عمر

سيرة النعمان - سوانح عمری امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ منصفہ شمس العلماء مولوی شبلی

تاریخ علم کلام حصہ اول - شمس العلماء و دانشمندی کی سب سے آخری اور ہی تصنیف

عجائب الاسفار جلد اول - یعنی سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ

” جلد دوم ایضاً ایضاً ایضاً ”

سفرنامہ روم مصر و شام - خمس العلماء و انا محمد شجاعی نعمانی کا سفرنامہ

مسیر حامی یعنی سفر نامہ جناب نواب محمد حامد علی خان بہادر والی

ریاست را میوه متعلقه سفر نوب پ

و قتل سیر و سیاحت و اکثر بر بنیر حسین و اتمات عبد سلطنت شاهجهان

و از رنگ زیبای روح این قیمت هر دو حصه

حیات جاوید۔ یعنی لائف سرسید احمد خان مرحوم بلا ضمیمہ حیات طبع دوم

نیزک عبدالرحمانی کے ہر دو حصہ جات جس میں امیر عبدالرحمن خان نے

خود اپنی سوانح عمری لکھی ہے اور اوس کا اردو ترجمہ (محمد حسن خان صاحب نے

(کیا ہے) قیمت ہر دو حصہ " " " " " سے

ما رنج پیغمبر ان حصہ اول جس میں ابتدائے آفرینش عالم و پیدائش حضرت آدم

۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸

